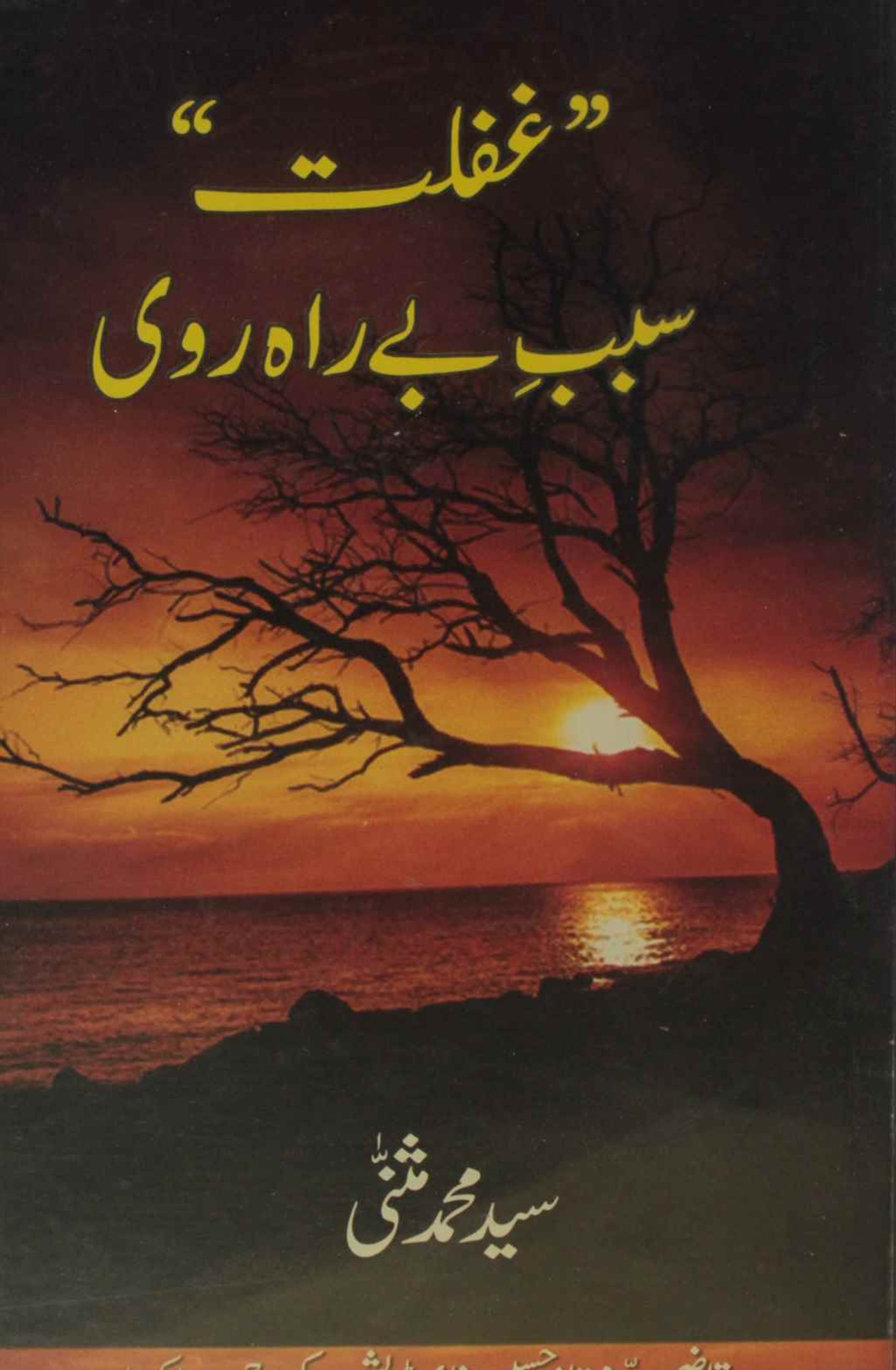


"غفلت"
سببِ بے راہ روی

سید محمد مثنیؒ

قاضی سیّد ممتاز حسین فاؤنڈیشن۔ کراچی۔ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلامی فکر ربانیت سے روگردانی نے مسلمانوں کو ترقّی کی دوڑ سے روک دیا ہے۔

"غفلت"

سببِ بے راہ روی

سید محمد مثنّٰی

قاضی سیّد ممتاز حسین فاؤنڈیشن۔ کراچی۔ پاکستان

مشخصات کتاب

نام کتاب	:	غفلت سبب بے راہ روی
مؤلف	:	سید محمد مثنیٰ
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۲ء
تعداد	:	پانچ سو
پرنٹر	:	سید غلام اکبر
قیمت	:	
ناشر	:	قاضی ممتاز حسین فاؤنڈیشن

انتساب

والد محترم قاضی سیّد محمد سرفراز حسین (مرحوم)

(ابن قاضی سیّد ممتاز حسین)

اور

والدۂ محترمہ

سیّدہ امۃ الفاطمہ (مرحومہ)

(بنت سیّد محمود علی)

کے نام

پروردگار، تو لوگوں میں میرے درجے کو جتنا بلند کرے، اتنا ہی مجھے خود اپنی نظروں میں پست کر دے اور جتنی ظاہری عزّت دے اتنا ہی میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس پیدا کر دے۔

(دعائے مکارم الاخلاق۔ از امام سجادؑ)

فہرست کتاب

پیش لفظ

ڈاکٹر ماجد رضا عابدی

اسلام نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بہت زور دیا ہے یہ ایک ایسا امر و قانون ہے جو قوموں کے ارتقائی عمل میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔شریعت کی پاسداری،ارکان اسلام پر عمل،قرآنی احکام پر غور وخوض،حسن سیرت کی پیروی،تہذیبی اقدار سے اتصال،ثقافت و تمدن سے واقفیت وغیرہ وہ امور ہیں جو امر بالمعروف کی ضرب مسلسل سے ہی اپنی تابانیوں کے ساتھ انسان کی زندگی میں جولان نظر آئیں گے۔جس معاشرے سے نیکی کی تبلیغ و اجرا رک جائے وہ معاشرہ ظاہری طور پر چاہے کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ دکھائی دے لیکن باطنی طور پر کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے اور یقیناً ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں سے گاہے بگاہے کھنڈرات کی شکل میں پرانی تہذیب کے آثار دریافت ہو رہے ہیں تو یہ بھی ایک نشان عبرت ہے اور اگر ان کھنڈرات پر غور کیا جائے کہ کبھی یہاں بھی معاشرہ آباد تھا،کبھی یہاں بھی انسان بستے تھے،کبھی یہاں بھی زندگی اپنے مدھر گیت گاتی تھی،کبھی یہاں بھی رشتوں ناتوں کی مسکراہٹیں گھروں کے آنگنوں میں بہار کے پھول کھلاتی تھیں تو یہ آج کھنڈرات کی شکل کیوں اختیار کر گئے تو ایسی کھنڈرات کی بوسیدہ دیوار اعلان کرے گی کہ جب یہاں کے بسنے والے انسانی اقدار کو پامال کرنے لگے،طریق احسن کو بھول گئے،تذلیل انسانیت عروج پر پہنچ گئی،شریف انسان کا مذاق اڑایا جانے لگا،بدکرداروں کو نمونہ عمل بنا لیا گیا،آئین وقوانین صرف مستضعفین کی سرزنش کے لیے رہ گئے اور طبقہ امراء اس سے ماوراقرار دے دیا گیا اور سب سے بڑھ کر جب عدل ظلم سے بدل گیا تو یہ تہذیبیں زمین بوس ہو گئیں اور آج ان کے آثار نشان عبرت بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں

آج کی اس نام نہاد ارتقائی دنیا اور کردار کے حوالے سے پست معاشرے کا المیہ بھی یہی ہے کہ نیکی کی تلقین کرنا ایک مذاق بن چکا ہے۔اس پر عمل تو درکنار کوئی سننے تک کو تیار نہیں ہے اگر ایسے

خطرناک ماحول میں کہیں امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ آج بھی پانچ وقت کی نماز کے لیے کھلا ہوا مسجد کا دروازہ اور کونو مع الصادقین کی عملی تفسیر بیان کرنے کے لیے درس گاہ مجلس حسین ہے۔ان دو جگہوں کی موجودگی یہ بتا رہی ہے کہ امام حسینؑ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے مدینہ چھوڑ دیتے ہیں وہ مدینہ جوان کے نانا کی وجہ سے ان کا پسندیدہ شہر تھا۔تو کیا ہم حسین کے لیے اپنی انا، اپنی جھوٹے اسٹیٹس ،اپنا خودساختہ مقام نہیں ، چھوڑ سکتے انہی امور کی طرف توجہ دلائی ہے فقیہ معظم ،عم محترم جناب سید محمد مثنیٰ صاحب مدظلہ العالی نے جنہوں نے اصلاح معاشرہ کو اپنی فکر اور اپنے کردار کا محور بنایا ہوا ہے اور اس پر عزم مصمم کے ساتھ کار بند ہے ، زیر نظر اخلاقی واصلاحی گلدستہ جیسے ،غفلت سبب بے راہ روی'' کا نام دیا گیا ہے، یہ ایک ایسا مسودہ ہے جسے اگر انسان دل لگا کر پڑھے تو یقیناً کہیں نہ کہیں اسے اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی کمزور گوشہ اس میں ضرور دکھائی دے گا اور اس کمزوری کا تدارک بھی اسی میں نظر آ جائے گا۔

سید محمد مثنیٰ صاحب عرصہ دراز سے اپنی فکری اور نظریاتی توانائیوں سے مختلف حلقوں میں اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب ان کی تیسری تصنیف ہے۔پہلی دو کتابیں بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) کیا ہم اچھے ماں باپ ہیں (۲) نماز میں حکمت قیام

یقیناً ہر خاندان میں کوئی نہ کوئی بزرگ موجود ہوتا ہے لیکن مثنیٰ صاحب کے خاندان میں خود سید محمد مثنیٰ صاحب جیسے بزرگ کی موجودگی ایک نعمت کا درجہ رکھتی ہے اور اس خاندان کے ہر فرد کو چاہیے کہ اس نعمت کی قدر کرے اور ان کے مصفیٰ افکار وطاہر نظریات سے مستفید ہوتا رہے اور والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے لیے مثنیٰ صاحب کے ساتھ ایک ہفتہ وار نشست کا بھی اہتمام کریں جو امریکہ کے ماحول میں مسلم خاندان کے لیے بہت ضروری ہے ۔ پروردگار بحق محمد وآل محمد علیہم السلام محترم ومعظم سید محمد مثنیٰ صاحب مدظلہ العالی کو صحت وسلامتی کے ساتھ طول زندگی عطا فرمائے (آمین ثم آمین)۔

بنام خدائے مہربان و بخشندہ

مقدمہ

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ.

روز قیامت سارے انسان گروہ در گروہ قبروں سے نکلیں گے تا کہ اپنے اعمال کو دیکھ سکیں۔(سورۂ زلزلہ آیت ٦)

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ.

خدا کسی پر ظلم کرنے والا نہیں،لوگ خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔(سورۂ توبہ آیت ٧٠)

چند کھلی ہوئی حقیقتیں ایسی ہیں جو معمولی سی بھی عقل رکھنے والوں پر عیاں ہیں،اور اہم بھی ہیں۔ یہ کہ تہذیبوں کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس کے پہلوئے اخلاق سے ہم کنار ہے،اور اس کا یہ ایسا پہلو ہے جس کا ان کار ممکن نہیں اور اس سے مفر بھی نہیں۔اس جہان کو بقۂ نور بنا کر رکھنے والی علت و دلائل کی روشن روش سے،جو قومیں منحرف ہوئیں،اس کا دامن تھام کر نہیں رکھا،اپنے قسمت ہی کو روتی نظر آئیں۔

جبلت ہائے انسانی جو ہر وقت اس کی ہر حرکت کو اپنے قابو میں رکھتی ہیں اگر دلائل سے متصل نہ رہیں تو کاروانِ حیات دگر گونی کا شکار ہو جاتا ہے۔اس کی سیدھی سادی وجہ یہ ہے کہ،خداوند کریم نے اپنی تمام تر خلقت کی بنیاد دلائل کے پوختہ ترین آثار پر رکھے ہیں،جس میں تزلزل کا امکان ہی نہیں۔

دلائل سے ہٹ کر جو بھی عمل ہوگا،غیر فطری و غیر منتقی ہونے کی بنا پر اخلاق پر ضرور اثر انداز ہوگا۔اس ناگزیر حقیقت کے مدنظر،جن تعلیم و تربیتی نظام میں،اس سے کنارہ کشی کی گئی،فطرت سے ناہم آہنگی رکھنے کی بنا پر فرسودگی کی شکار ہوئیں،اور اپنا وجود کھو بیٹھیں۔دور حاضر میں بھی جن معاشروں نے

دلائل کے اصل روح سے پہلوتہی کی، لاکھ وہ مظالم کو چھپانے کی خاطر دلیلیں پیدا کریں، اس کی عفونیت خوشبو دینے سے قاصر رہے گی۔ اس کی سازش کاریاں چونکہ اونچے درجہ کے مفکّرین کی طرح کردہ ہوتی ہیں، تھوڑے وقفہ کی مہلت ضرور حاصل کرلیتی ہیں، مگران کا فساد زوال لاکر رہتا ہے۔ اس صورت سے کوئی زمانہ بچانہیں رہا۔

اس مقام پر، جب کہ ہم نے اخلاق کی بنیاد کا تھوڑا بہت پتہ لگالیا ہے کہ دلیل حیاتِ انسانی کو اپنی تابنا کی سے مَنوّر رکھتی ہے؛ ہوسکتا ہے کہ، جبلّت جو اس کی حرکات کو اپنے قابو میں رکھتی ہے اور اس کا، دلائل سے ہم آہنگ ہونا امر لازم ہے، ایک ناسمجھ فرد اپنی ذاتی خواہشات کے سامنے سر جھکا لے ،اس کو دلائل پر فوقیت دے لے اور اس کی دیواروں کو ڈھا کر دلائل کے حدود سے باہر جا کھڑا ہو، اپنے فاقد از دلیل میلانِ طبع کی باگ ڈور سنبھال لے۔ ناسمجھی کی اس وضع سے کیسے انکار کیا جائے، جب کہ ہماری آنکھیں اس کا نظارہ کررہی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر ہم کو انسانی زندگی میں اخلاق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی ذمہ داری سامنے آکھڑی ہوتی ہے، جس کا ہر شخص متحمل نہیں ہوسکتا، فقط علماء و ماہرین اس سے متعلق تعلیم و تربیت کا بوجھ سنبھال سکتے ہیں۔

جس زاویے سے بھی دیکھئے انسانی فطرت میں ترقی و کمال کی بے انتہا صلاحیت نظر آئے گی، جو اس کے باطن سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ اکثر اپنے جامے سے باہر آکر، اس قدر انہماک سے کمال کی طرف دوڑتا ہے کہ اسے خود بھی اس کا احساس نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں اس کے جذبات واحساسات کو اعتدال سے تجاوز کرنے نہ دینا بھی ایک اساسی مسئلہ ہے، جس کا سنبھالنا ماہرین نفسیات کے کھاتے میں جا پڑتا ہے۔

ان نکتوں پر اگر غور کیا جائے تو مستقل طور پر ہر موڑ پر تعلیم و تربیت کا ایک اعلیٰ نظام لازم معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں لاتعداد مکاتبِ فکر موجود ہیں، ان کی جانچ پڑتال اور تنقید، ان کی کتابوں سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ کوئی اگر چاہے تو یہ کام کرسکتا ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ جو ان کتابوں کو کاندھے پر لادے پھرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ان پر عامل نظر نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مندرج

نظریے قابل عمل نہیں، یا وہ جو اس کی اشاعت اور پروپگیشن پر تعینات کئے گئے ہیں، اپنے منصب سے کنارہ کش ہیں۔

ہمارے زیر نظر اسلام ہے، جو ایک سالم دین ہے، نہایت درجہ منطقی و مدلل دین کہ اخلاق اس کی بنیادی کیفیت ہے۔ اس کی بھی ایک کتاب ہے اور ایک لاکھ سے زیادہ ہادیان برحق، جنہوں نے، آندھی وطوفان کی پرواہ کئے بغیر، اصل اخلاق کو ہتھیلی پر جان رکھ کر، عملاً سمجھایا، اور جس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ اسی دین کے پیروکاروں کی حالت زار پر ایک شاعر کا گریہ سنئے:

گر پردہ زروئے کار ما بردارند　　　آن کیست کہ رسوائے دو عالم نہ شود

(اگر ہمارے اعمال کے سامنے پڑے ہوئے پردے کو اٹھا دیں، تو وہ کون ہے جو دونوں عالم میں رسوا نہ ہو)

زندہ فریادِ غم زدہ

اس شعر کا ایک سرسری مطلب یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سیاہ اعمال کے بادل پوری انسانیت پر چھائے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی برائیوں سے بچا ہوا نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ اچھائی اور برائی کی حقیقتوں کا علم رکھنے والوں نے بھی زہد وتقویٰ کے رنگ و روغن کو اپنے چہروں پر بڑی مہارت کے ساتھ مل رکھا ہے۔ ان کا تقدس فقط دکھاوے کے لئے ہے، ورنہ درون پردہ 'بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ دکھاوا کچھ اور کرتوت کچھ۔ جب صورتِ حال اس قدر مشکوک ہو تو ایک عام انسان اپنے دامن کو کیسے برائیوں سے بچا کر رکھ سکتا ہے۔ وہ ایسے تضاد کی شناخت کیسے پیدا کرے۔ اس میں تو علما جیسی سمجھ نہیں، شش وپنج میں پڑ کر وہ بھی مئے نوشی اپنے لئے جائز قرار دے لیتا ہے۔ ہر اچھائی؛ برائی وبے راہی کا روپ دھار لیتی ہے۔ جب دونوں میں امتیاز ہی جاتا رہا، تو نتیجہ کے طور پر برائی برائی نہیں رہی۔ اچھے اعمال کی طرف رغبت جاتی رہی۔ مگر اس نقشہ کشی کے ساتھ شاعر کا اصل مقصد برائی کی طرف دعوت نہیں ہے، بلکہ اس کا یہ نالہ ہیہات ہے۔ اس نے اسے بطور تنبیہ کہا ہے۔ ہر سخن جاءو ہر نکتہ مقامے دارد۔

یہ شعر بظاہر ایک حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اگر اس پر ایک نظر غائر ڈالی جائے تو تہہ بہ تہہ اغراض ومطالب کے تقاضوں کی طولانی فہرست پیشِ نظر ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے انسانیت کی نبض کو ٹٹولا ہے اور اس میں رواں خون کا تجزیہ کر کے اس کے نتیجے سے ہمیں آگاہ کر دینے کی کوشش کی ہے، اور اس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ اس کی نشان دہی کر رہا ہے بلکہ بہ چشمِ پرنم ہائے ہائے کی صدا بھی بلند کر رہا ہے، جو در اصل اس کے زندہ دل کی فریاد ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس جمِ غفیر سے جدا نہیں پاتا۔ یہ اسی کی واویلا ہے، جسے اس نے دو مصرعوں میں ڈھال کر ہمارے باطن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے کہ، کاش ہم بیدار ہو جائیں، اور اپنے اعمال کو کسی ایسی کسوٹی پر رکھ کر کسیں جو کھرے و کھوٹے اعمال کو پرکھنے کی انتہائی قوت کا مالک و وارث ہو، یعنی اعمال کے معاملے میں علمِ کامل کا حامل ہو۔ فقط یہی نہیں؛ چونکہ اعمالِ انسانی پر، دنیا و مافیہا کی ہر شئے میں جو پنہاں قوتیں وجود رکھتی ہیں اپنے اثرات ڈالتی ہیں، ان علوم پر بھی اسے عبور ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ کسوٹی کے دائرہ کار سے کوئی بھی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جو اچھے اور برے اعمال کی نشاندہی نہ کر پائے اور اعمال کا توازن ہاتھ سے جاتا رہے۔ یہ بات کسی سے چھپی نہیں ہے کہ زہر کی ایک معمولی مقدار جسم انسانی کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ اس طرح اگر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک چھوٹی سی بھی غلطی معاشرے کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے اور صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس کا ازالہ نہیں ہو پاتا۔ آگے بڑھ کر اسی بناء پر انسانیت سسکنے کو رہ جاتی ہے۔

انسانیت جو آدمی (انسان) کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ جس کا بوجھ اٹھانے سے دنیا کی ہر شئے نے انکار کر دیا تھا یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں، تاریخ کے اوراق گردان کر دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ جو قادرِ مطلق ہے، اس کے سامنے کسی کی کیا حقیقت جو اس کی برابری کر سکے، زمین و آسمان میں جو کچھ بھی موجود ہے، اسی کی ملکیت ہے، ہر حرکت وقوت اس کی طرف سے ہے۔ اس عظمت والے کی طرف سے ایک ناچیز جس کی اپنی حیثیت وملکیت کچھ بھی نہ ہو، اس کے ہاتھ میں دی ہوئی پوری انسانیت کی امانتداری جس کی وسعتوں کا اندازہ اس کے امکان سے باہر ہو؛ جس کے لئے کہا جائے 'چہ نسبت

خاک را بہ عالمِ پاک؛ سمجھ میں نہ آنے والا عجیب رمز ہے! یہ اس کی عظمت کا کرشمہ ہے اور اسی کے حوصلے کی بات ہے۔ مگر اس کے یہاں کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ اس کے منصوبوں میں ہر امر کے لئے پہلے سے انتظام موجود ہے۔ اس عظیم امانتداری کو سنبھالنے کے لئے اس کی بے پایاں حکمت عملی کی تلاش، اس کتاب کا اصل مقصود ہے۔

عہدہ برآری

انسان اپنے خالق کا عبد ہے یعنی اس کا غلام ہے۔ اس کی غلامی ہی ہے جو اس کی عبادت ہے۔ عبادت کا دوسرا نام غلامی ہے، اپنے آقا یا مالک کے احکام کی فرماں برداری ہے۔ اپنے عبد پر اس نے اپنی عبادت (غلامی یا فرماں برداری) فرض کردی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آنکھوں کو کہاں سے لایا جائے جو اسے دیکھنے کی سکت و توانائی رکھتی ہوں۔ یا ایسے ہاتھ جو اُسے چھونے کی تاب لاسکیں۔ عملی طور پر اس کی فرماں برداری کس طرح کی جائے۔ وہ اس فرض سے کیسے سبکدوش ہو، جب اس کا تعلّق عقبیٰ سے بھی ہے، جس سے فرار ممکن نہیں۔ کیا کرے؟ اور ساتھ ہی وہ امانت داری جو اسے سونپ دی گئی۔ ان دونوں سے کیسے عہدہ برآ ہو؟

آیئے اس عقیدے کا حل تلاش کریں۔ مالکِ حقیقی کے بھیجے ہوئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین، ان کے ذریعہ بھیجے ہوئے صحیفے، ناقابل تحریف کتابِ خدا، قرآن، مرسلِ خاتم اور ان کی طاہر و مطہر آل؛ کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ امکان بھر نگاہِ عمیق کے ساتھ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو اللہ کی اشرف مخلوق ہے، ان پاک ہستیوں، صحیفوں، قرآن کے، اور احکامِ دین کے ہالے میں مرکز بنا ہوا نظر آتا ہے۔ اپنے آرام و آسائش کو بھول کر، ان ہستیوں میں سے ہر ایک جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کی حفاظت و سلامتی کے لئے کوشاں ہے۔ صعوبتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے میں عار نہیں، مگر اس اہم کام کو مقدم جانتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کے ساتھ مصالحت نہیں۔ خود اللہ کی ذات بے نیاز ہے (صمد)، اسے کسی شئے یا امر کی ضرورت نہیں، اس کی کوئی کیا اور کیسے خدمت کرے گا۔ چونکہ مستقیماً اس کی خدمت ممکن نہیں، اس نے اپنے بجائے انسان کی خدمت دنیا کے ذرہ

ذرہ پر فرض کر دی ہے، ؛نبات وحیوانات و جمادات سب کو اس کا مطیع بنا دیا ہے۔ اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں رکھی۔ انسان کے لئے بھی اس کے یہی احکام ہیں۔ چونکہ انسان کو ساری کائنات پر اشرفیت عطا کی ہے، اس حتمی حکم کو کسی حد تک اس کے مزاجی کیفیت کے ساتھ اسے اختیار دے دیا، مگر حدود مقرر کر دئے۔ جسے ہم اللہ کی تسبیح کہتے ہیں وہ رام رام جپنا نہیں ہے۔ بلکہ اسی امانتداری کو حمل کئے ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر از خدا سے اپنے کو منقطع کر کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اللہ کے احکام کی پوری پابندی کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔بغیر وقت ضائع کئے۔۔۔۔۔۔۔لگاتار جان توڑ کر، مشغول رہنا ہے۔ کسی کی صواب دید کا اس میں دخل نہیں۔ تسبیح کے دانے اسی لئے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں کہ تسلسل ٹوٹنے نہ پائے، درمیان میں خدا کے علاوہ دوسرے افکار دخل انداز نہ ہوسکیں اور اس سمت سر و دھڑ کی بازی لگی رہے۔ یعنی اس امانتداری میں کوئی آنچ آنے نہ پائے اور کاروانِ انسانیت ہشاش و بشاش رواں دواں رہے۔

اللہ نے انسان کو بتا دیا ہے کہ اس جہاان کی ہر شئے اس (اللہ) کی ملکیت ہے جسے اس نے اس قابل بنانے کیلئے کہ وہ انسانیت کی خدمت گذاری کرتا رہے، اپنی ملکیت کی اشیائے فراواں سے جو سارے جہان میں پھیلی پڑی ہیں بطور پیشگی اجرت، استفادہ کی اجازت دے دی ہے، بلکہ اس کے تابع کر دی ہے۔ اگر وہ اس کے حکم پر پورا اترا تو اس سے خوش ہوگا۔ اس خوشنودی کی بناء پر، اس دنیا کی مسافرت طے کر لینے کے بعد اس کی عبودی زندگی میں اسے ایسے انعامات سے نواز دے گا جس کا وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی یہی تنہا راہ ہے۔ گویا کہ اللہ کی عبادت و فرماں برداری وہی امانت داری ہے جو اس نے اسے سونپ دی ہے۔ انسان کا انسانیت کے ساتھ اللہ کی ہدایات کے مطابق انسانی برتاؤ ہی امانتداری پر پورا اترنا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری راہ اختیار کر لی تو بے راہ روی میں پڑ گیا؛ بے راہ ہو گیا، اس لئے کہ حق کی راہ صرف اللہ کی طرف سے ہے، جو عدالت پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی راہ اختیار کی جائے گی حق و انصاف سے عاری ہوگی، اللہ کی حکم عدولی کے مترادف ہوگی اور مالکِ حقیقی کی ناخوشگواری کا باعث بنے گی۔ جان بوجھ کر اس کے قہر کو اپنے اوپر

وارد کر لینے کا وسیلہ قرار پائے گی۔

یہی انسانیت، گذشتہ ادوار ہوں یا وہ ایام جن سے ہم اس وقت گذر رہے ہیں، کیسے کیسے ادبار سے ان کا واسطہ رہا ہے۔ تاریخِ عالم کے اوراق جنگ وجدال سے اٹے پڑے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت فقط جنگ کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ نہ فقط چین کی دیوار واحرامِ مصر بلکہ دنیا کے چپے چپے پر قلعے جن کی دیواریں ابھی بھی انسانی خون کے بہنے کا ثبوت دے رہی ہیں، میلوں لمبے قبرستان سیاستدانوں کی انا کے مظہر آثار قدیمہ بنے ہوئے ہیں۔ پھر جنگ جہانی اوّل و دویم کس قدر جان لیوا ثابت ہوئیں، ہیروشیما و ناگاساکی پر ایٹم بمب سے ان گنت جانوں کا ضائع ہو جانا، شیطان صفت صدام اور القائدہ و طالبان وغیرہ کے خودکش حملے اور بربریت۔ انسان کیسے کیسے اندوہگیں و کمر شکستہ حالات سے گذر رہا ہے، کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں۔ کیا یہ بے راہ روی کی نشان دہی نہیں کرتی؟ کوئی آنکھ بند کر لے اور منکر ہو جائے یا ان پر نقرئی پردے ڈالنے کی کوشش کرے، حقیقت کو چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اس کو راہ دکھائے، وہ خود اپنی راہ بنا لیتی ہے۔ بوسیدگی کا شکار نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے کچھ وقت لگے، مگر ہر سیاہ وسفید کو عیاں کر کے ہی رہتی ہے۔ دنیا کے نظام کو قائم رکھنے میں حقیقت کا بہت بڑا کردار ہے۔ قدرت اپنے دئے ہوئے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے، اس حقیقت سے کام لیتی ہے۔ ظالم اپنے چہرے کو کتنا ہی چھپا کر کیوں نہ رکھے، اس کے سامنے کتنی ہی دیواریں کیوں کھڑی نہ کر دے، وہ ان کے خون آلود درندہ صفت دانتوں کو نمایاں کرتی رہتی ہے، تا کہ موجودہ ایام اور آنے والے وقت کے باسیوں کے لئے انتباہ کا کام کرتی رہے اور انہیں چوکس و چوکنا رکھے۔

اتنے اہتمام کے بعد بھی ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ہوا و ہوس میں مبتلا درندے ابھی بھی بے خوف وخطر چیر پھاڑ میں مشغول ہیں، اس سے بعض آنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔

انوکھی خود فریبی و خود غرضی

مقدمہ میں اس بات کی وضاحت اس لئے محسوس ہوئی کہ اللہ کی عبادت عمومی طور پر واضح نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی میڈیا مسلمانوں پر طعنہ زنی کر رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی مقدس

ہستیوں یا اولیاء اللہ کی تعریف وتوصیف کو اصل اسلامی عمل اور اللہ سے مستقیم تعلق اپنا فریضہ قرار دیتے ہیں۔اپنے علماء کی اس ڈر سے تعظیم کرتے ہیں کہ جس طرح وہ قرآن کو پیش کرتے ہیں وہ نہیں کرسکتے۔جیساوہ بتادیں انہیں قبول کرنا ہوتا ہے۔میڈیا کی یہ بات ہماری کمزوری کی نشاندہی کررہی ہے۔کیااس کی تنقید درست نہیں؟اس کی اس نشاندہی پر ایک ہلکی سی نظر دماغ کو متغیّر کردیتی ہےاور کچھ باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ ہمارے سروں پر تھوپا ہوا یہ کیسا خودغرض جتھا ہے جو ہمیں کھلے بندوں دھوکے میں رکھے ہوئے ہے۔اصل عبادت کیا ہے؟اس کے سامنے دیوار کیوں کھڑی کردی ہے؟ ہم پر اس کی حقیقت واضح نہیں ہونے دے رہا ہے۔عجیب حسنِ زن پیدا کردیا ہے!!ہم کسی مقالے یا تحریر کو سمجھنے کی قوت نہ رکھتے ہوئے بھی یا اس کی فہم وادراک نہ رکھنے کے بعد بھی اس پر اپنا ایمان رکھتے ہیں۔کیسی خودفریبی ہے!!اپنے اوپر ہنسی آتی ہے۔ہم ہیں وہ مسلمان جس کے آگے علم وحکمت کے ذخّار خزانے کھول کر رکھ دئے گئے ہیں۔اسے کیا کہئے کہ اس ذخیرہ کو مضبوط آھنی صندوق میں بند کرکے گہرے سمندر کی تہہ میں دفن کردیا گیا ہے،تاکہ عوام اس سے مستفید نہ ہوسکیں۔ ایسا کیوں ہے؟

قرآن سے استفادہ کی قوت نہیں رکھتے، کہ زبان عربی ایک بنے بنائے منصوبے کے تحت ہماری دسترس سے باہر کردی گئی ہے۔ علماء کالبادہ تقدّس کا حامل نہیں ہوتا،ان کا وہ علم ہے جو انسان کو انسانیت کا سبق دے کر اسلام آشنا زندہ ملّت بنادے، حتماً مقام تعظیم رکھتا ہے۔خاک بہ دہن، اگر یہ کہا جائے تو بے معنیٰ نہ ہوگا کہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے وہ اس سازش میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کو جہالت وخودفریبی کا سبق دے رہے ہیں، ان کے عقل پر پردے ڈال دیئے ہیں۔اگر ان پر یہ قضیہ واضح نہیں تو ان کا عالم ہونا کس طرح قبول کرلیا جائے؟اس لئے ہم سب پر فرض ہے کہ ایسوں سے کنارہ کَش ہوکر، اس واجب امر پر غور کریں۔اس گرتی ہوئی دیوار کو اس کی اصل بنیاد پر دوبارہ قائم کردیں۔ مسلمان کیوں منہ چھپائے بیٹھا ہے۔علماء کا اس میں کس قدر ہاتھ ہے جلد از جلد وجوہات تلاش کرلینے کی ضرورت ہے۔یادرکھئے ہمیں اسلام کو صحیح وسالم حالت میں واپس حاصل کرلینا ہے جو سازش کے تحت ہم سے جدا کردیا گیا ہے، ورنہ بے راہ روی ہمارے اور ہماری اولاد کے ہاتھ مستقل چڑھ رہی رہے

گی، اور آئندہ نسلیں بھی اس سے اثر انداز ہو کر اپنی عاقبت خراب کر لیں گی! اور ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

یہ کہہ کر آنکھ بند کر لینا کہ ایسا تو ہوتا ہی چلا آ رہا ہے، ہم سے پہلے ہمارے بڑے بزرگ کچھ نہ کر پائے، ہم دریا کے اس تیز و تند دھارے پر کیسے بند باندھیں؛ کافی نہیں۔ زمانہ ہمیشہ ترقی پذیر رہا ہے۔ ترقی دینا روز اوّل سے قدرت کا خاصہ ہے، جس کی رفتار بقولِ دن دونی رات چوگنی رہی ہے، بلکہ اس کا ہر لحہ مضرّب ہے۔ اس کی سرایت کا اندازہ لگانا امکان میں نہیں۔ علم میں روز افزوں اضافہ کے ساتھ آگاہی کی راہیں نکھرتی چلی جا رہی ہیں۔ دریاؤں پر بند باندھنا اور اس سے آبیاری کا کام لے کر زمین کو سبزہ زار بنانا بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے۔ دشت و بیابانوں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ نکھر کر انسانوں کی صحت کا ضامن بنیں۔ متحدہ منصوبہ بندیاں ناممکن کو ممکن بنا رہی ہیں۔ عزم مصمّم اور استقلال اس کے لوازمات ہیں۔ انسانیت کے لئے دلسوزی و شفقت، خود بخود انسان کو اپنی انا کے زندان سے آزادی دلاتی ہے اپنے سے بالاتر ہو کر تہی دستوں کی بحالی کی طرف راغب کر دیتی ہے۔

سر بلندی بین کہ دائم سرم سودائی اوست قیمتِ ہر کس بقدر ہمّت والائی اوست

مقصد کے حصول کے لئے ہمہ وقت والہانہ طور پر سودائی بنے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے (جسے انگریزی میں آبسس شن کہتے ہیں) یہی اس کے بلندی کی قیمت مقرر کرتی ہے۔ ہمارا اصل مقصد حصول خوشنودئ خدا ہے جسے اس نے اپنی مخلوق کی خدمت میں رکھ دیا ہے۔ جسے وہ ہمہ وقت مشغول بہ پرواز یعنی ترقّی کی بلند چوٹیوں کو سر کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس میں رکاوٹ پسند نہیں کرتا۔ اس کی اس ترقّی کی راہ میں جو دیوار بن کر کھڑا ہو جائے یا اسے التوا میں ڈالنے کی فکر میں رہے اپنے مالک کی خوشنودی سے محروم ہو جائے گا۔

ناہنجار اولاد

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنھیں ہم نے مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر ہم نے انہیں گرفت

میں لے لیا اور بالآخر سب کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے۔ (حج۔ ۲۲/۴۸)

اس آیۃ میں قرآن، مہلت کی جو بات کر رہا ہے، اس میں گرفتاری ہی ہمارا موضوع ہے۔ خداوند کریم اسے ظلم کے خانے میں ڈال کر اس چند روزہ دنیا میں مستحقِ قہر قرار دیتا ہے، جبکہ اس کا اصل حساب آنے والی دوامی دنیا میں کرے گا۔ گویا کہ ان امور سے انحراف جو اللہ کی خوشنودی کا باعث بنتے ہیں بے راہ روی وظلم کے کھاتے میں آپڑتے ہیں، جسے ہر دو جہان میں بھگتنا پڑیگا۔

بے راہ روی کیا ہے، کیوں ہے، کن عوامل پر وہ مشتمل ہے، اس کے اثرات کہاں کہاں پڑتے ہیں؟ کتنے دوررس ہوتے ہیں؟ کیا کیا جائے کہ وہ اپنا اثر ڈالنے نہ پائیں؟ ان کا جائزہ ہم آئندہ ابواب میں لیں گے۔ سرِ دست ایک اہم مشکل کی طرف ہم نگاہ ڈالتے ہیں، جو ہم میں سے بیشتر کو بھگتنا پڑتی ہے، اور ناقابلِ برداشت ہونے کی بناء پر ہم ذہنی فشار کی زد میں جا پڑتے ہیں۔ زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔

یہ مسئلہ ہماری دلبند اور آنکھوں کو روشن کردینے والی اولاد سے متعلق ہے، ماحول کی رنگینیاں جس کی کمر میں اپنی بانہیں ڈال کر گرفت مضبوط کر لیتی ہے۔ اس کا نشہ ہماری خواہشوں کے برعکس معاشرے کی بدمستیوں کا حامل ہوتا ہے، جسے ہم پسند نہیں کرتے۔ چونکہ ہم اسے سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں اس کی فکر ہمیں گھیرے رہتی ہے۔ سر کا درد بن جاتی ہے کہ: ہائے ہماری اولاد ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ چونکہ اس دور میں جس میں یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے، ہماری عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے جب ہم میں اپنے مذہبی اخلاق کی سوجھ بوجھ بہتر طور پر پیدا ہوچکی ہوتی ہے، بالغ نظری ہماری آنکھوں کو روشنی عطا کر کے کچھ نہ کچھ اصلاح کر چکی ہوتی ہے، جوانی کی ترنگ کی خامیاں ہمارے سامنے ہوتی ہیں، ہمارے ساتھ گذرے ہوئے زمانے کی بدمستیاں، موجودہ دور جس میں ہماری اولاد قدم رکھے ہوئے ہوتی ہے، دس قدم آگے بڑھ چکی ہوتی ہے، زیادہ دلچسپ وسخت گیر ہوتی ہیں۔ جو قدم مذہبی دقیانوسیت نے جما رکھے ہوتے ہیں، یعنی بے سر پیر کے مقصد سے عاری رسم ورواج، جس کی خامیوں کی ہمیں شناخت بھی ہوچکی ہوتی ہے (چونکہ ان کے خلاف قدم اٹھانے کی اپنے اندر قوت نہیں

پاتے مجبوراً برداشت کرتے ہیں)، اس مبہم نظریہ کے تحت کہ، اصل نظریہ کی جو تھوڑی بہت رمق اس میں باقی رہ گئی ہے کہیں وہ بھی نہ جاتی رہے ہم انہیں قبول کر لیتے ہیں اور اس میں ملوث بھی ہوتے جاتے ہیں، ہمارا بچّہ چونکہ اپنے والدین کے مقابلے میں اپنے آپ کو پیشرفتہ دور کا انسان قرار دیتا ہے اور خود کو زیادہ روشن خیال سمجھتا ہے ان مہمل رسموں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اپنی آزاد و غیر پختہ فہم و ادراک کے پیشِ نظر اپنی من گڑھت راہ نکال لیتا ہے۔ اپنے کو حق بہ جانب سمجھ کر اس پر چل پڑتا ہے، اپنی سطحی سمجھ کے مطابق مذہبی اخلاق کی دور رس پابندیوں کو ترقی کی راہوں میں رکاوٹ سمجھ کر ان سے سرکشی کرتا ہے، دوسروں کی کچھ بھی نہیں سنتا۔ کوئی بھی جتن یا ترکیب کام نہیں آتی۔

ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم ان بے سر وپا رسموں کا تجزیہ کر کے اس کے اصل کو جسے پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے سمجھا دیتے کہ شاطر مطلب پرستوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے۔ وہ اپنی منفعت کے مدِّ نظر اصل مراسم میں تحریف کرتے رہے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس غیر معقول عمل کو روکنے کی کوشش کریں۔

بطور مثال، اس سلسلہ میں ایک نوجوان سے گفتگو جو اس مسئلہ کی عکّاسی کرتی ہے پیشِ خدمت ہے: امیگریشن سے متعلق قطار میں ایک نوجوان کے بغل میں بیٹھنے کا موقع ہوا۔ جب ناول پڑھتے پڑھتے وہ تھک گیا تو ہم مشغول گفتگو ہوئے۔ جلد ہی اسلام کی بات چھڑ گئی، جسے اس نے نہایت کمزور مذہب قرار دیا کہ اس میں ترقی کی راہیں مسدود ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ ہر ملّت شعبہ ہائے زندگی میں تیزی سے ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ مسلمانون ہیں کہ جن کے یہاں بھوک و ننگ، غربت، جہالت، کاہلی، بے حسی و نااہلی، عورتوں کے ساتھ ظلم و حق تلفی وغیرہ اپنے عروج پر ہے۔ بے آب و گیاہ صحراؤں میں پڑے سوکھ رہے ہیں۔ اتنی بھی سکت نہیں کہ کنواں ہی کھود کر پانی نکال لیں۔ دوسروں کے طوطی بول رہے ہیں، ان کی قُمری بھی بے جان ہے، پژمردگی و بے کسی و بیماری کے علاوہ ترقی جیسی کوئی چیز ان کے پاس سے بھی ہو کر نہیں گذری۔ اگر کہیں انہوں نے پیشرفت کی تو وہ مذہبی تفرقہ ہے، طالبان ہیں اور القاعدہ ہے، ہر چوتھے روز ایک نیا مسلمان فرقہ اگ آتا ہے، قتل و غارت شروع کر دیتا ہے۔ دوسروں

کے یہاں خوشحالی وفراوانی اور دھوم دھڑکا، فن اور مزاح۔ تفریح کے لئے مسخروں کے طائفوں کی فراوانی ہے، مرد وعورت کو خواہ وہ کسی بھی عمر کے حصّے میں ہوں آزادانہ ملنے جلنے کی کوئی بھی ممانعت نہیں۔ انہیں زندہ رہنے کا سلیقہ آتا ہے۔ ہمیں اپنے کو مسلمان بتاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ احساس کمتری دامن گیر ہوتی ہے۔ ایسے اسلام کو دور ہی سے سلام بہتر ہے۔ اس جوان کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ اسے اگر سمجھانے کی کوشش بھی کی جاتی کہ یہ خامیاں اصل اسلام کو معاشرے میں مرّوج نہ ہونے کی وجہ سے ہے، جس کے بہت سارے وجوہات ہیں۔ وہ سننے کو تیار نہ ہوتا۔ کہ، عیاں راچہ بیاں۔ اس کی پریشانی بے جا نہ تھی، جن حالات سے وہ دوچار تھا بیان کر دیا۔

بچوں میں اسلام سے روگردانی، ان ماں باپ کے لئے جو اپنے آپ کو دیندار پاتے ہیں بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہے، خصوصاً جو مغربی ممالک میں آن بسے ہیں۔ ٹین ایج ناچ گانے، پینے پلانے قبل از ازدواج متعدد افراد سے جنسی اختلاط اور سلمبر پارٹیاں۔ ان باتوں کا اپنے دائرۂ دوستاں میں فخریہ تشریح۔ بیٹے نے ہندو عورت سے اور بیٹی نے عیسائی مرد سے شادی رچالی۔ مندروں اور کلیساؤں کے چکّر لگ رہے ہیں، بقول ان کے کم از کم وہاں زندگی بے رنگ تو نہیں ہے۔ مسجد بیگانہ سی معلوم ہونے لگ جاتی ہے اس لئے کہ وہاں خشک، بیکار و بے مقصد، خود کو فریب دینے والے رسوم ادا ہوتے ہیں۔ نتیجہ میں ماں باپ عزیز واقربا سے اپنا منھ چھپاتے پھرتے ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی مصداق بن جاتے ہیں۔ ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت رے'' یہ وہ مقام ہے جب بیچارگی ومایوسی دامن گیر ہو جاتی ہے۔ چڑیاں تو اپنا کام کر گذریں وہ ان کا کام تھا۔ مصیبتیں تو آتی جاتی ہی رہتی ہیں کیا فقط ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا، رونا دھونا درست ہے۔ کیا اس سے یہ دھبّہ دور ہو جائے گا؟ ۔ ہار مان لینا کمزور لوگوں کی علامت ہے۔ مرد باید کہ ہراساں نہ شود۔ مشکل آن پڑے تو حوصلہ سے کام لینا وقت کا تقاضہ بن جاتا ہے، آئندہ کے لئے تدابیر واجب ہو جاتی ہیں کہ چڑیاں عاجز ہو جائیں، کھیت سے فصل حاصل کر لی جائے۔ کتاب کے مضامین اس مسئلے کا حل تلاش جاری رکھیں گے۔

ہمارے ذہنوں میں یہ حقیقت قائم رہنا چاہئے، کہ اسلام وہ دین ہے جو مکمل ضابطۂ حیات کو

اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جو اس کے دامن کو تھام لے گا، رخنہ اندازیوں کے باوجود وہ اپنے اعمال کو درست حالت میں قائم رکھے گا۔ اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں جو اپنے آپ کو اس سے دور کرلیں گے۔ گویا کہ مسلمان وہ ہے جو اس سے ملحق رہے۔ کہنے کے لئے کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہو جانا، جہاں اسلام صرف نام کے لئے ہو، کچھ بے سر پیر کی رسموں کو ادا کرتے رہنا مسلمان بن جانے کی ضمانت نہیں۔ بچّہ اگر بے راہ روی اختیار کرتا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس ماحول میں اس نے پرورش پائی تھی اسلام سے دوری اختیار کئے ہوئے تھا۔ اسلام قصوروار نہیں۔

منابع درس کی، روحِ ولا سے پہلوتہی

بے راہ روی فقط مغرب میں نہیں ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ مغرب میں چونکہ چرچ اپنا اثر کھو بیٹھا تھا، فاقد از ہدایت طرزِ زندگی کو فروغ ملا اور معاشرہ بے لگام ہوگیا۔ مسلمانوں کے درمیان، خواہ وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں: دینی ہدایت جو بے مقصد رسوم، تعصب و تحریفات سے پاک مخصوص منصوبہ بندی کے تحت ہونا چاہئے تھا رہے، ہدایت دہندگان و ذاکرین نے، باوجود کہ شرکاءِ مجالس کبھی کبھی ہمت کر کے قرآن و رسول کی ہدایات کے خلاف تعصب آمیز اذکار کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں (جسے وہ دخل در معقولات سمجھتے ہیں)، چھان بین نہ کی یا اس سے پہلوتہی کی، جس کی وجہ سے نارسا طرزِ ہدایت کو فروغ ملا۔ منبر سے بیان ہونا چاہئے تھا کہ لوگ کس طرح صالح زندگی اپنائیں؛ اس طرز کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ جن اداروں سے انہوں نے علمِ دین حاصل کیا، ان میں اس کے لئے کوئی شعبہ ہی نہ تھا ان صاحبانِ فضیلت نے ولائے اہلبیت کے نام پر مسموم مناظرانہ تقاریر کے ذریعہ، لوگوں میں مناظرہ سننے کا شوق و ذوق پیدا کر دیا ہے۔ اس میں انہوں نے مہارت حاصل کرلی ہے۔ جو جتنا زیادہ طنز سے لبالب دھواں دھار تقریر کرے گا، یا موازنہ آمیز سخن رانی کرے گا، تقدّس مآب کہلوا کر اتنی ہی زیادہ اپنی مانگ بڑھا لے گا وغیرہ وغیرہ!! عام مسلمانوں کی عاقبت کی پرواہ نہ کی گئی۔۔ آج اگر امامؑ زمانہ منبر پر جلوہ افروز ہوں؛ عام خاندانوں میں فقدانِ تقویٰ کے مدّنظر کیا اصلاحِ اخلاق کی باتیں نہ کریں گے؟ امام حسین علیہ السّلام نے دورانِ شہادت عظیم لشکرِ کفار کی اصلاح کی ہدایت جاری

رکھی، لعن طعن نہ کی۔ پھر اس کا جواز؟ ایسے ارکان، منبرِ رسول پر جا بیٹھے، جو منبر اصلاح معاشرہ کیلئے
طرح دیا گیا تھا فرقہ پرستی کو جلا دیتا رہا۔ لوگوں میں ڈانواں ڈول اور کمزور سوچ پیدا کر دی گئی۔ چونکہ حق
کی بات کہی نہ گئی، لوگوں کے دلوں میں محکم طور پر ایمان راسخ نہ ہو پایا۔ حق سے دور اس رویئے نے
مسلمانوں کو بے راہ روی میں مبتلا کرا دیا۔

حالانکہ مندرجہ بالا بلا شک وشبہ ایک حقیقت ہے۔ مگر اس اہم مسئلہ کو فقط علماء و ذاکرین کی
آڑ لے کر ہم اپنے آپ کو بری الذّمہ قرار دے لیں، حق بجانب نہ ہوگا۔ جب یہ بات مسلّمہ ہے کہ ان کو
ان کے مدرسوں نے اس کام کے لئے درس ہی نہیں دیا، تو اس کی رٹ لگائے رکھنا بے جا ہے۔ مساجد و
امام بارگاہوں کی روش بجائے سرچشمۂ ہدایت کے صرف سائن بورڈز کا کام کر رہی ہیں۔ یہ ادارے
لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کا وقت، کمائی اور ان کے ذہنوں کی برین واشنگ کے بعد معاشرے کو تنجلک
بیابانوں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے اعمال حمیدہ کے بخش کا مرکز بنیں، تعصب کا حربہ
ہاتھ میں لے کر سیدھے سادے عوام کو بے معنیٰ مراسم کے سحر میں گرفتار رکھتے ہیں۔ لوگ سوچنے پر مجبور
ہوتے جارہے ہیں کہ یہ کم وبیش مفاد آرائی کے مراکز بن گئے ہیں۔ عوام ان کے آگے اپنے آپ کو بے
دست و پا پاتے ہیں۔ وہ عزاداری کا برقرار ہونا اپنے امام کی محبت میں، واجب جانتے ہیں۔ خواہ وہاں
سے اصلاح کے ضمن میں کچھ بھی حاصل نہ ہو، جو اس کا اصل مقصد ہے، وہاں اکٹھا ہونا اپنا فرض جانتے
ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں، اصل صورتِ حال سے غافل رکھا گیا ہے۔ یہ ساری
باتیں ایک بڑے منصوبے کے تحت جاری ہیں۔ امامؑ نے امر بہ معروف و نہی از منکر پر قائم رہنے کی دمِ
آخر فریاد بلند کی تھی، اسے آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا۔ یہ بات اکّا دکّا نوجوانوں میں پائی جارہی ہے کہ
متحد ہو کر، تفرقہ ڈالنے والے ذاکرین کو منبر سے اتر جانے کی زحمت دیں۔ اکثر ایسی وارداتیں سننے میں
آنا شروع ہوگئی ہیں

ایک صاحبِ فکر کی اسی بات پر ان سے دریافت کیا گیا؛ اتنا سمجھنے کے بعد ہم اس صورت
حال سے کنارہ کش کیوں نہیں ہو جاتے؟ ان کا برجستہ جواب تھا کہ ہم اپنے باپ دادا کی روش پر چل کر

اپنے پوتوں پوتیوں میں یہاں آتے رہنے کی عادت ڈالنے میں ان کی بہتری پاتے ہیں۔ ہم بھی جب چھوٹے تھے ذاکرین کی باتیں سنتے رہتے تھے جو ہماری سمجھ سے باہر ہوا کرتی تھیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر ہے کے منبر سے جو باتیں ہوتی ہیں مفاد میں نہیں، مگر تقاضہ ولائے اہل بیت کی بنا پر وہاں نہ جانے میں ہم اپنے آپ کو مقصر پاتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ بن گیا ہے۔ اگر اس مختصری گفتگو پر غور کیا جائے تو متعدد مسائل سامنے آجاتے ہیں۔ بچّہ جب ایک گھنٹے تک مجبوراً تقریر سنتا رہتا ہے اور سمجھتا کچھ نہیں تو اس کے سامنے ایک مثال قائم ہو جاتی ہے کہ یہ بھی ایک طرز زندگی ہے۔ اس کا ذہن اسے قبول کر لیتا ہے۔ کسی کی بات کو بغیر سمجھے اور اس پر غور و فکر کے بغیر سننا، متواتر ایسے طور وطریق سے گذرتے رہنا اس کی عادت کا ایک حصّہ بن کر، اس کے لئے قرآن کی تلاوت، دعائیں، زیارات، نماز کے کلمات کو بغیر سمجھے اور غور کئے ادا کرنا قابلِ قبول امر بن جاتا ہے۔ یعنی اس میں جو ہدایات موجود ہیں مبہم بن کر عمل کی اہمیت سے خارج ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ اصل مقاصدِ اسلام سے گریز نہیں؟ اس طرح بچّہ بڑا ہو کر اس عادت کا مالک بنا رہتا ہے، یہ خود فریبی آئندہ زندگی میں اس کی ترقّی میں حائل رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور نماز وغیرہ میں جو ہدایات موجود ہیں، ہمارے ذہن میں جاگزیں ہونے سے قاصر رہتی ہیں، ہم اس سے بہرہ مند نہیں ہو پاتے اور بے راہ روی کو قدم جمانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ موجودہ دور میں ہماری اور ہمارے اولاد کی بے راہ روی اسی بناء پر ہے۔

رہی بات ولائے اہلبیت کی، جو اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوست داری، محبّت کے معنیٰ میں آتی ہے۔ محمدؐ وآل محمد کی ولائے دوست داری کے ہمراہ ولایت کے حلقہ میں آجاتی ہے، جو فرض کا درجہ رکھتی ہے۔ یعنی ان کی ہدایات پر بلا چون وچرا، عمل پیرا ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ اس سے گریز گناہ کے کھاتے میں آجاتا ہے۔

ہماری اس روگردانی اور خود فریبی کو کیا کہئے کہ جب یہی ولاء منبر کی طرف سے ہمیں سمجھائی جاتی ہے تو وہ ان کی سیرت جو ان کے پاک وپاکیزہ اعمال، مبنی بہ ہدایات الٰہی ہیں ------- اس کے عین مظہر ہیں، بقولِ ردّی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں۔ جیسے وہ بے

مقصد و بیکار ہیں، ان کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔قاری حضرات، شعراء وعلماء، ولاء کے مست کر دینے والے جام پر جام پلاتے جاتے ہیں کہ سامعین بدمست رہ کر ان کی سیرت سے بے بہرا رہیں۔ گویا کہ اگر ان کی پاک سیرت، جو اصل مدح سرائی ہے، سر پر آن پڑی تو اس کا پہاڑ جیسا بوجھ ناتواں کاندھوں پر کیسے سنبھالا جا سکے گا!! یہ بات بالکل عیاں ہے کہ یہ بے راہ روی جو ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے، ہماری محمدؐ وآلِ محمدؐ کی فرض اتباع سے گریز کی بناء پر ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں کوئی بھی چیز بغیر وجہ کے وجود میں نہیں آتی۔ ترقی ہو یا تنزّلی، عروج وزوال، راہ حق پر چلنا ہو یا بے روہ روی، دلائل کے ساتھ ہیں، آپ ہی آپ وجود میں نہیں آجاتے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اللہ نے بھی جب دنیا کو بنایا تب ہی موردِ وجود میں آئی / رونما ہوئی۔

بے شک ہم نے ہر شے کو ایک قدر یا سسٹم کے مطابق بنایا۔ (بقرہ/ ۲: ۵۴)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾

سنتِ الٰہی کے اندر ہرگز تغیر و تبدّل نہ پاؤ گے۔ (احزاب/ ۳۳: ۶۲)

مندرجہ بالا دو آئتیں نہایت واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ اللہ نے اپنی خلقت کی ہر شے کو خواہ وہ انسان ہو، حیوانات نباتات یا جمادات محکم نظم عطا کیا ہے اور اس میں وہ کسی قسم کی تبدیلی آنے نہیں دیتا۔ خصوصاً انسان پر اس کا یہ بڑا اکرم ہے یہ اس بات کی ضمانت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے دائرہ کار میں رہ کر فطرت سے ہم آہنگ اپنی سالمیت وثبات تا حیات برقرار رکھ سکتا ہے، اور اس میں کوئی فرق آنے نہیں پائے گا۔ البتہ اس منصوبے کے تحت جس رفتار سے دنیا کو ترقّی دینا اللہ کو مقصود ہے۔ اس کو محکم رکھنے کے لئے اس صاحبِ حکمت نے ان اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے مخصوص علوم کا علم اپنے چنے ہوئے اعتماد کے بندوں کے ذریعہ بھیجتے رہنے کا مستقل انتظام کر رکھا ہے، تا کہ ان کے ذریعہ یہ علوم عام لوگوں تک بغیر کسی ردّ و بدل کے پہنچ کر اپنے مقام پر قائم رہیں اور ہر فرد و بشر اس سے صحیح استفادہ کر کے انسانیت کی بہرہ آوری کے لئے استعمال میں لائے اور خود بھی بہرہ مند

ہوتا رہے۔ظاہر ہے کہ اگر یہ اہتمام نہ ہوتا تو لاعلمی کی بناء پر اشیاء سے غلط استفادہ نقصان کا باعثِ بن سکتا تھا۔

یہاں ہمیں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ موجودہ یا گذشتہ ادوار میں مقتدر عناصر جس بے راہ روی و بہیمانہ کشت وخون کے مرتکب ہوتے رہے ہیں، غیر عادلانہ طور پر محنت کشوں کی حق تلفی کر کے اپنے مطالب کی حصولی ان کی منشاء تھی۔تاریخ گواہ ہے کہ ان کی ہوس ومطلب پرستیاں، خون میں لت پت خزانے کبھی بھی ان کے مفاد میں نہ تھے،اس کو سنبھال کر رکھنا ان کے لئے سر درد کا باعث بنا رہا۔ان کا اپنے اقتدار میں دوام کا خواب ان کے یا ان کے ورثاء کے حق میں نہ رہا۔اس کی فقط یہی وجہ تھی کہ نہ فقط وہ اللہ کے ان بندوں کی ہدایات سے منحرف رہے بلکہ ان کی ہدایات کو بھی مٹا دینے کی کوشش میں مبتلا رہے۔انہیں سخت ترین اذیتیں پہچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی؛اللہ کو چھوڑ کر فراعین کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے ان باصفا ہدایت دہندگان کی نسلوں کو مٹا دینے کی پوری کوشش کی، مگر خود ہی مٹ گئے۔ بے رحمی ان کا آلۂ کار رہا ہے جو ظلم کے خانے میں پڑ کر انسانیت کی لغت سے خود کو خارج کر دیتا ہے۔

بے راہ روی نے کیوں بالا دستی اختیار کر لی جب کہ اللہ کی طرف سے اس قدر دقیق انتظامات کے بعد راہِ راست کو انسان کا معمول ہونا چاہئے تھا؟ یہ مسئلہ جس قدر اہم ہے، اسی قدر سنگین بھی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر غور کر کے اس کے مرکزی نقطہ کو تلاش کر لیا جائے۔کیا اللہ میں قوت نہ تھی کہ وہ حق کو لوگوں کے ذہنوں پر محکم کر دیتا؟ کہ انسان اس سے ایک قدم بھی ہٹ کر کوئی کام نہ کر سکتا۔دنیا میں فقط صلح وآشتی کا بول بالا ہوتا۔ہرن و بھیڑئے ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے۔کسی کو ایک دوسرے سے حق تلفی کا خوف نہ ہوتا؟

یہ مسئلہ اسی نظم کا حصّہ ہے جس کا مندرجہ آیت میں ذکر ہو چکا ہے۔بر سبیل تذکرہ ہم رسول اللہؐ کی حیات طیّبہ پر نظر ڈالتے ہیں: سارا عرب ان کی نیکی سچائی، امانتداری، فہم وفراست کا معتقد تھا، پھر ان کے بعد ان کے بتائے ہوئے احکام کی پاسداری کیوں نہ ہوئی۔ان کے بغل میں بیٹھنے والے، ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرات صاحب مقتدر ہونے کے باوجود تفرقہ میں جا پڑے اور اسلامی نظریات

کا تیہ پانچہ ہو گیا، فرقوں میں فرقے ابھر آئے؟ وہ کیسی کیسی سازشوں کا شکار ہوا؟ اس کے سیاق و سباق کو کتاب کے قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے فی الحال آگے بڑھتے ہیں کہ یہ موضوع تواریخ کے اوراق کی بے لاگ گردانی و گہری چھان بین کا متقاضی ہے۔ رسول کی صالح حیات سے بہتر مثال مسلمان کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے۔ جس میں متعصب، فاضل حضرات نے مسلمانوں کی آنکھ میں دھول ڈالنے والی ہزار ہا احادیث گڑھ کر ان کے حوالے کر دیا۔ یہ بھی کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے کہ اصحاب اقتدار کی طرف سے ہمّت افزائی اس میں شامل رہی ہے، تا کہ عوام کو اس میں الجھا کر انہیں منتشر رکّھا جائے، وہ آپس میں ہاتھا پائی کرتے رہیں، اور وہ اپنی گناہ زدہ رنگ رلیوں میں رچی بداعمالیاں جاری رکھیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے کو شیطان ہی کے حوالے پاتے ہیں! اس مسئلے نے مسلمان کو مسلمان بن کر جینے نہ دیا، ہم اور ہماری اولاد اب اغیار کے نرغے میں ہے۔ یہی بے راہ روی ہے اور اسی بے راہ روی میں ہم کسے ہوئے ہیں۔ یہ اس قدر ہمارے دماغوں پر چھا گئی ہے؛ رچ بس گئی ہے کہ اس کے شکنجے سے نکلنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اور ہم ہیں کہ ہمیں فرہاد کی تلاش بھی نہیں!

اس جہان میں کوئی بھی حرکت بغیر علت کے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رجس سے پاک رسولؐ کی سیرت کی پیروی کیوں نہ ہوئی؟ سبب کے بغیر نہیں۔ یہ ایسا سبب ہے، جو انسانی شعور پر حاوی ہو کر اسے بے بس بنا دیتا ہے۔ تحت الشّعور کی موٹی چادر میں چھپا بیٹھا ضرب کاری لگا تا رہتا ہے اور انسانی محرّکات اس کے حلقہ کو عبور کرنے میں بیشتر ناکام رہتی ہیں۔ جو لوگ اس نفسیاتی کیفیت سے کام لینا سیکھ لیتے ہیں، وہ مطیع بن کر اس کے لئے مفید اور فرماں بردار بن جاتی ہے۔ اس رمز کے چہرے کی آئندہ کسی باب میں رونمائی کرنے کی کوشش ہوگی۔

بے راہ روی کے میدان میں غیر مرغوب اور منفی اسلوب پر طائرانہ نگاہ ڈالنے اور درک کے بعد، کیا ہماری عافیت اسی میں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں یا اس بادِ صُرصُر سے بچنے کے لئے جو ہمارے خرمن کو جلا کر راکھ کر دینے پر تلی بیٹھی ہے کسی آڑ کا جتن نہ کریں۔ یہ خاکستر بن کر اغیار کو دعوت دینے سے کم نہیں کہ وہ ہمیں اپنے قدموں تلے روند کر نیست و نابود کر دیں۔ اس میں کسر ہی کیا رہ گئی ہے؟

تعصّب نے وہ کچھ کر دکھایا کہ، ہمیں نہ اپنی پرواہ ہے نہ اپنی اولاد کی۔ آگاہی عام ہونے کے باوجود ہم نے خوابِ گراں کو اپنے آپ پر طاری کر رکھا ہے۔

جب سفینہ غرق ہونے والا ہو!

موجودہ اخلاقِ انسانی کے آثار جن کا جائزہ ہم لیتے چلے آرہے ہیں، ہمارے سفینہ کو غرق کرنے کے درپے ہے۔ اور تند و تیز موجوں کی تاب لانے سے قاصر نظر آرہا ہے۔ بلند فکر کے مالک علامہ اقبال اس کا حل نماز کے کھلے دامن میں پاتے تھے۔ جہاں تک نمازی بننے کا معاملہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اس جھمیلے میں اپنے آپ کو الجھانا نہیں چاہتے تھے ورنہ نماز جو مجموعہ ہے 'قیامِ صلاۃ' کا، جس کا مفہوم اللہ کی ہدایات کی برآوری یا اطاعت کے لئے باجماعت، مل کر اٹھ کھڑے ہونا ہے، بار ہا قرآن میں نہ آتا۔ علامہ نے ''پل بھر بھی نمازی بن نہ سکا'' میں، سکا، کا لفظ جو استعمال کیا ہے یہ بتا رہا ہے کہ نمازی بن ضرور سکتا تھا مگر 'من اپنا پرانا پاپی تھا' کہہ کر اس کی تصدیق کر دی کہ صدیوں پہلے مفاد پرستوں نے اس کے سامنے دیواریں کھڑی کر دی تھیں، جو نمازی بننے کی کوشش میں مانع بنیں اور ہمّت جواب دے گئی۔ اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ہمّت کا تعلق قوّتِ ارادی سے ہے جو ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ جسے علم نفسیات سے کام لینا نہیں آتا، ٹیڑھی کھیر بن جاتا ہے۔ اللہ و رسولؐ کے مقابلے میں، جاہل باپ دادا بھی ظالموں کے دباؤ کی بنا پر اسے سبقت دیتے رہے۔ مسلمان ان کی منشاء کے خلاف، تفرقہ میں پڑ گئے، ان کا کہنا نہیں مانا۔ جب کہ اتباعِ رسولؐ جو ولایت کے درجے پر فائز ہیں، فرض ہے۔

آیا کوئی صورت ہے کہ سفینے کو حول دے کر اس بحرانی ہیجان سے بچا لیا جائے؟ جب کہ ساحل کا دور تک پتہ نہیں: مندرجہ ذیل عبارت، اختصار کے زیرِ نظر، استعارات و تشبیہات کے سہارے، ٹیڑھے میڑھے الفاظ میں، ایک دہقانی الاپ ہے۔ مسافر دیہاتی جب تنہائی میں ایک کان پر ہاتھ رکھ کر تیز آواز میں اپنے من کی بات ایک خاص دھن میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے الاپتا ہے، خواہ وہ دشمن سے مخاطب ہو یا محبوب سے۔ اسے بِرھا یا ڈھولے کہا جاتا ہے۔ گویا کہ مندرجہ ذیل غیر منظم

عبارت بے راہ روی کے سمندر میں غرق ہوتے ہوئے انسانی سفینے کو صحیح و سالم ساحل سے ہم کنار کرنے کی منّت کش ہے اور اس واجب کردار کو ادا کرنے کی طرف رغبت دلانے کی سعی کر رہی ہے۔

دہقانی برہا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ہے کچھ خبر؟ اے بندگانِ خدا، رسول کے پروانو: ذرا تاریخِ رفتہ کے اوراق گردانو: یہ تمہاری ہی زندہ فکر تھی!

جہل کی گھٹا جب چھائی تھی، درس تہذیب و تمدّن دیا، ترقّی کی راہیں دکھائیں، دنیا کو علم سے سنوارا۔

کیسی کایا پلٹی، کیسا روپ دھارا؛ با مقصد اسلام چھوڑ، کند رسموں سے ناتا جوڑا۔

کچھ پتہ ہے اے مورکھ، کیا کھویا کیا پایا؟

عربی جو زبان تھی ثقافت اسلام کی، قرآن، حدیث و اہل بیتِ رسول کی اور صلاۃ؛ قوّت دہندہ و سرچشمہ حیات کی عبادت و قیام کی؛ ہم سے جدا کر کے، بے راہ روی کا کیا اقدام ــــــــ ہوئے ہم بے مرام

مولوی جی نے نماز پڑھائی، طاق پر رکھ کر قیام: صلاۃ رو کر کہتی پھرے، کیا مجھے ناکارہ۔ جیت گیا شیطان

فکر سے عاری تلاوت کرائی! خرد ہوئی بیتاب۔ ہیہات! اللہ کی روشن راہوں پر آن پڑی ظلمات، ہوا رین بسیرا

عجب کرتب دکھایا! مسلمانوں کے گلے میں تفرقہ؛ جہل و۔ خود فریبی و، ضمیر فروشی و زندانی کا پھندا ڈلوایا۔

لٹ گئی متاعِ زندگی، کاشانہ تاراج

عجب غفلت و مدہوشی ہی۔ پشیمانی ہے، نہ حیرانی ہے!

اسلام کا دامن چھوڑا، کی اس سے بے وفائی؛ ڈال دیا گرداب میں سفینہ۔ اپنے کئے پر کس سے گلا، کیسا رونا

کہیں کبیر سنو بھئی ساد ہو!۔ دھرم کی نو کا بھنور میں ڈگمگ، اب ڈوبے کہ تب۔
راکھی بیٹھے؛ کریں تکائی، ہاتھ پر دھر کے ہاتھ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہائے یہ کیسی بپتا آئی؟، دیکھ کبیرا رویا!

گرسوتے رہے، قدم نہ بڑھایا،؛ اولاد ہوگی برباد۔ کہہ دے گی 'بادا باد'
سختیاں پر لگا کے آتی ہیں، اڑنے کو اونچی اڑان! گھبرانا کیسا، کیا تجھے نہیں ہے مدینہ علم و در کی پہچان؟

خود فریبی کو خیر باد کہہ، علم کا پرچم تھام،، مثنوعیت کا گلا گھونٹ، رخِ جعلیت موڑ، سوئے اسلام
مشکلیں؛ ٹھوکر کی منتظر ہیں تری۔ دیر نہ کر، سرکر، اوج ثریا، اے عقاب، تھام برقی کمان

ہے اللہ! مددگار،، نرالی شان والا، مضطر (نمل ۲۷ / ۶۲) کی دعاؤں کو مستجاب کرنے والا؛ مشفق و مہربان
دانا بن، گڑگڑاء، درِ رحمت کو کھٹ کھٹاء، توبہ کر سجدہ ریز ہو جا

کمر کس لے، خم ٹھوک، پل پڑ، ڈگ بڑھا
خود اعتماد بن، گڑا کر چنگ برق رفتار، دے سازشوں کا جگر پھاڑ
غیروں کا سہارا چھوڑ۔۔۔۔۔۔۔ راہِ اہلبیت سے، کاروان کا ناتا جوڑ
بدست علومِ اعلیٰ، تفکر، وتدبر، جہل کی کمر توڑ۔ تاریخ کہن کا دھارا موڑ

رتبوں کے اونچ نیچ چھوڑ! لے ہاتھوں کو تھام ۔۔۔ کر۔ ناخدا کی متابعت ، بن وحدانیت نگہبان

دفاع کی حکمت عملی، مبنی بہ حق جوئی،، پیش بینی، منصوبہ بندی، آمادگی، مشق ومہارت
منظّم ومحکم، بہ عزمِ مصمم ۔۔۔۔۔ عملِ پیہم، سینہ سپر، جاں بازی وسریع حرکت
کرکے ہست وبودنظر انداز۔۔۔۔۔ سر جوڑ۔ پاسداری کر، معتمد بہ آس وامیدِ بابرکت

بہت ضائع ہو چکا ہے، وقت پر کمند ڈال! لرزہ انداز یہ ہوا کے تھپیڑے، تنابیں تھام لے، ڈھیلی نہ چھوڑ

فضا کو چیرتی خونخوار لہریں؛ فشار اپنا بڑھاتی جا رہی ہیں ۔۔۔ سیلاب برپا کر رہی ہیں
بنالے منصوبۂ تابناک، اے دلیر، اے جانباز!
تیرا عزم محکم، تلاطم زیر کردے گا، ہوگی راہ ہموار
رب العالمین ہے مددگار پتواروں کی رو؛ بڑھاتا جا،، لڑا کر جان
ہے لنگر اندازی ضِدّ پیش روی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تیز تر جد وجہد، سرگرمی وتحرّک ، بڑھادی گی تیری شان
صبر واستقامت سے لبریز حکمتِ عملی،، اے مجاہد! پیروز ہوگی
پل پڑ۔ ٹھونس دے! بھنور کے خونخوار منہ میں، آتشیں پنجے؛۔ سفینہ کھینچ لا، کر ہمکنار بہ ساحل۔ برلا مسلمانوں کے ارمان

اکھڑ جائیں گے قدم ۔۔۔۔ شرم سار وسر خمیدہ؛ دبک کر بیٹھ جائے گا سرمست طوفان
سرفراز وبامراد ۔۔۔۔۔۔۔ سفینہ ہوگا ترے عزم وشجاعت پر نازان
ہشاش وبشاش، منزل کی طرف رواں دواں۔ تیری سرفروشی وجسارت کا نغمہ سراء

آفریں اے مجاہد صد آفریں! رب کے حضور سجدہ ریز ہوجا:

اے کریم و مہربان! ہم ترے غلاموں کے ہیں ادنیٰ غلام

علومہائے مرتفع واختراع؛ اپنے بندوں کے لئے کر دے دست رسا

بنادے ہمیں دوسروں کے بھی درد کا درمان

عجب حوصلہ ہے تیرا اے معبود؛ دے دیا ہے اپنی عبادت کو خدمت انسانی کی آن

اپنے بندوں میں شرفِ غلامی کر دے عام

برائے عروجِ دین وانسانیت، دلوں میں، کر دے اجاگر حسینی قیامؑ

ہوس واقتدار کی پستی میں غلطاں و پیچاں، عقل خوروں کو بھی عطا کر دے یہ مرام

اے ارحم الراحمین! بخش دے ہمیں شرفِ غلامی اپنی شایانِ شان

ہمارے دلوں میں روشن کر دے، متابعتِ قرآن وآہل بیت کرام

انسانی زندگی میں ناموافقیت وادبار کا وارد ہونا، سچ پوچھئے تو اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ کٹھن اوقات زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ جولوگ اس سے سبق حاصل نہیں کرتے یا فائدہ نہیں اٹھاتے ،صبر، استقامت وتحمل کے ساتھ پیش روی کے درس سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔اس وقت جو مصیبت ہم پر آن پڑی ہے، خوابِ گراں سے چونکانے اور حقیقتوں سے ہماری روگردانیوں کو جتانے کے لئے ہے۔نہ گھبرانے، نہ ہی سر پر ہاتھ رکھ کر دکھڑا رونے کے لئے ۔ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ انسانیت ساز، بے مثال درسگاہِ محمدؐ وآل محمدؐ نے، ہماری قسمت کو سنورنے کے لئے، اپنے دروں کو کھول رکھا ہے۔

موجودہ دور جس کا ہمیں سامنا ہے اور جسے ہم گرانبار سمجھے بیٹھے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نہایت سازگار ہے۔ چونکہ ایک عرصے سے جو چوٹ ہم کھاتے چلے آرہے ہیں اگر گریبان میں جھانک کر

دیکھیں تو ہمارا ضمیر ہمیں چونکاتا ہوا نظر آرہا ہے کہ عمل کی گہرائیوں میں اتر کے کوشش کو بڑھا دیں۔ ضرورت ہے کہ متحد ہو کر اس پر پِل پڑیں۔ مصیبت زدہ اوقات ہی ہم میں سے ہر اپنی خدا داد عظیم صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ قدم تنگ نظر مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام کی کھوئی ہوئی آب وتاب واپس لانے میں بخوبی کارگر ثابت ہوگا، فقط ایک جست لگانے کی بات ہے۔ ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہونے کی صدا بلند ہونی چاہئے۔ مقدمہ کے دامن میں زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ مسائل کو آئندہ ابواب کے حوالے کرتے ہیں تاکہ کچھ تفصیل سے درد کی درمانی ہو سکے۔

ایک مہلک مرض کا تذکرہ اس مقام پر لازم ہے، جس نے مسلمانوں میں وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی

گریز از کتب بینی

ایک جمع غفیر ہے جو اس میں مبتلا ہے۔ مطالعہ سے پرہیز کی اس بیماری نے ہمیں جہالت کی دہلیز پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ کتابوں کے دلدادہ زمین کے ثقل کو پھلانگ کر دوسرے سیاروں کی سیر کر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ کتابوں کو ہاتھ لگانے میں خوف محسوس ہوتا ہے۔ نتیجتاً کنویں کے میڈک بن کر رہ گئے ہیں۔ اکثر یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ جب کوئی پڑھنے والا ہی نہیں تو قلم کو کیوں زحمت دی جائے۔ اس سے متعلق دوسری سر دردیاں کیوں مول لی جائیں؟ مگر ایک ہلکی سی امید کی کرن ہے جو ہمت کو پست ہونے سے بچا لیتی ہے۔ کہ کچھ لوگ ابھی بھی وجود رکھتے ہیں جنہیں کتابیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ وہ دنیا کے غیر منفعت بخش مشاغل سے جان چھڑا کر کتابوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے امید وابستہ کی جا سکتی ہے کہ بے راہ روی کے اس دور میں جو جہالت کی پیداوار ہے مصلح کا کردار ادا کر سکیں گے۔ ان مٹھی بھر مگر عظیم اہمیت کے حامل حضرات سے استدعا ہے کہ وہ کتب بینی کو نئی پود کے ذریعہ فروغ دیں۔ ان میں ان کی عین صغرسنی سے اس کی داغ بیل ڈالیں۔ اپنے مطالعہ کے دوران انہیں بھی اپنا ساتھی بنائیں۔ اس کے مثبت پہلوؤں کو ان کے گوش گذار کر کے ان کی عادت کا حصّہ بنائیں۔ دوستوں میں بھی اس اہم ذوق وشوق کی پرورش کی کوشش کریں۔ بے راہ روی کو بھی چونکہ وقت

درکار ہوتا ہے، جب وہی وقت کتب بینی میں صرف ہوگا، اسے پنپنے کا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ امید ہے کہ قارئیں اس کارِثواب کو ملحوظ خاطر رکھیں گے، اور بے راہ روی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ اس امر کو ہاتھ میں لے کر اللہ کی خوشنودی کے حصول کا بلا مبالغہ مستحق بن جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتب بینی ایک ایسا عمل ہے جو اس انسانیت کے لئے نادانی اور غفلت کے خوابِ گراں میں پڑی سوئی چلی جارہی ہے، جہالت اور گمراہی یا بے راہ روی سے نجات حاصل کرنے کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ پس ماندہ عوام میں اس کا پرچار از حد ضروری ہے۔ اس کے لئے عوام کو عوامی پلیٹ فارم سے سنجیدہ مباحثہ و مذاکرہ میں دعوت دے کر شامل کریں۔ بے راہ روی کو خیر باد کہہ دینے کا یہ ایک بڑا ذریعہ ہے۔ جسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔۔ مولف کی استدعا ہے کہ جہالت کی بناء پر جہاں بھی، کتابت یا افکار میں اس سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں زحمت کر کے آگاہ فرمائیں، وہ اسے اپنی ہمت افزائی محسوس کرے گا اور دعا گو ہوگا۔

بسمہ سبحانہ

ا۔ بگولۂ بے راہ روی

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اس لئے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون ہے جو بغیر دیکھائی دیئے اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑا صاحب قوت اور صاحب عزّت ہے۔(حدید ۵۷/۲۵)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾

بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا وہ نامراد رہا جس نے اسے آلودہ کر لیا۔(شمس۹۱/۹۔۱۰)

رسول خدا نے فرمایا: جو دانشمندوں کو حقیر سمجھتا ہے، میری منزل کو گرادیتا ہے۔اور جو مجھے اپنی نظر میں کمتر شمار کرتا کافر ہے۔(ارشاد القلوب؛ص ۱۶۵)

پروردگار مجھے بلندیٔ اخلاق عطا فرما۔صحیفہ سجادیہ

وہ انسان جو نادان و جاہل ہے اور اس کی فکر کوتاہ ہے، ترقی اور خود سازی کی طرف راغب نہیں۔وہ اپنی جہالت و نادانی کے ساتھ، سامنے آکر میری بدگوئی کرتا ہے، مگر میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا، وہ اپنی بدگوئی کو بڑھاتا جاتا ہے۔میں اس بو کی طرح اپنا صبر بڑھاتا جاتا ہوں جسے آگ جتنا زیادہ جلاتی جاتی ہے اس کی خوشبو بڑھتی جاتی ہے۔حضرت علیؑ

اس جہاان کی ہر شیئے: انسان کے علاوہ، حیوانات و جمادات ونباتات دقیق خوش اخلاقی کے حدود میں رہ کر مقرر فطری منصوبے کے مطابق اپنی معموریت و وظیفہ کوانجام دینے میں عار محسوس نہیں کرتے، جس کی بناء پر نظام فطرت درہم وبرہم ہونے سے بچا ہوا ہے اور رو بہ ترقی ہے۔

حضرت انسان کو پروردگار عالم نے بغیر روک ٹوک کے محدود اختیار دے کر صاحبِ اقتدار بنایا۔ چونکہ اللہ عادل ہے، ان اختیارات سے تجاوز کی روک تھام کے لئے ایک مستقل ہدایت کا تسلسل قائم رکھا تاکہ وہ بھٹکنے اور نقصان اٹھانے سے بچا رہے۔ یہ امر اس لئے اور بھی لازم تھا کہ انسان کے علم میں یہ بات قائم رہے کہ یوم الدین پر اس کے اعمال کا حساب ہونا ہے۔

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش کر رہا ہے، تو ایک دن اس کا سامنا کرے گا۔ (الانشقاق ۸۴/۶)

یہ انتباہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے اعمال کے معاملے میں ہمیشہ ہوشیار رہے، بے خبر نہ رہے۔ اگر بغور دیکھا اور سمجھا جائے تو دنیا کی ہر شئے علم و ہدایت کا مجسمہ نظر آئے گی۔ فقط چشمِ بینا درکار ہے۔ مگر چشمِ بینا کور رہ جاتی ہے اگر علم ودانائی برسرکار نہ ہو۔

بے راہ روی کو سمجھنے کے لئے کہ وہ کیا ہے، کتنی قوت کی مالک ہے، کن عوامل کی بناء پر وہ سر اٹھاتی ہے علم کے سہارے کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے خوش اخلاقی کو سمجھنا اس کی ضد یعنی بے راہ روی کے معدن ومخرج کو جانے بغیر امکان سے باہر ہے۔

چونکہ دین کا دونوں: دنیا وآخرت سے، واسطہ ہے، علوم عالم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اس پر ایک نظر لازم ہے

علم کا دائرہ کار ادیانِ عالم میں الٰہی ہدایات سے گریز

حضرت علیؑ نے فرمایا:

وہ لوگ جنہیں قوت دلیل بخشی گئی ہے، انہیں علم کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح فصل کو

بارش کی۔

ہمارے مشاہدے میں ہے کہ مذاہب جو دنیا میں رائج ہیں، معمولات کے علاوہ خالق عالم کی بابت بھی مختلف عقیدے رکھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ انسانِ اوّل حضرتِ آدمؑ اور ان کے بعد دیگر ادوار میں نبوّت کے منصب پر فائز اللہ کی طرف سے ہادی بھیجے جاتے رہے تھے کہ نظریۂ وحدانیت اور اس سے متعلّقہ علوم کو رائج کریں۔ اس زمانہ جاہلیت میں انسانی ذہن انسان کی شکل سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا۔ ان کی سمجھ کے حدود سے ان دیکھے اللہ کی بابت توحید کا نظریہ باہر تھا۔ منکر ہو کر رد کرتا رہا۔ چونکہ اسے ایک ایسی قوت کی ضرورت تھی کہ ان کی مرادوں کو پورا کرتا رہے، جہالت اور ناسمجھی کی بنا پر بھکی ہوئی راہ کو حق بہ جانب جان کر مٹّی، لکڑی، پتّھر میں گڑھے انسانی شکل کے خدا وجود میں لاتے رہے۔ اس طرح ہاتھ کے گڑھے ہوئے خداؤں کی پوجا وجود میں آئی۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ان کے رسوم میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ ان کے پجاریوں نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق خدا کا نظریہ قائم کیا اور جاہل عوام میں اس کی پرستش کو مختلف سازشوں اور قوت کے بل بوتے پر اس طرح قائم کیا کہ ان کا مفاد پورا ہوتا رہے۔ ان میں سے جنھوں نے ان کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا، کسی نہ کسی طریقہ سے راہ سے ہٹا دیا جاتا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ، شب و روز کے تجربات اور ہمسایہ ممالک سے رابطے قائم ہونے کی بناء پر جو بھی ان کے علم میں جس قدر محدود اضافہ ہوا، پرستش کے طریقوں پر ان کا اثر پڑتا رہا اور تبدیلیاں آتی رہیں۔ جب کبھی ایک بہتر و برتر نظریہ پیش کیا گیا ان کے پنڈوں کے مفاد سے ٹکرانے کی بناء پر ٹھکرا دیا گیا۔

وحدانیت کے قائل مذاہب: یہودیت، مسیحیت اور اسلام، خدا کو خالقِ عالم جانتے ہیں۔ ان میں سے یہودیت متعدد فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اسی طرح مسیحیت، نظریہ خدا، اس کا بیٹا اور روح کے ساتھ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ انجیل جو اولڈ اور نیوٹسٹامنٹس پر مشتمل ہے، اگر بغور پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحدانیت سے متعلق اصل علم کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور ان میں تحریفات کر دی گئیں۔ چونکہ ان تحریفات میں بنیادی تعلیمات سے گریز موجود تھا پائداری وجود کھو بیٹھی۔ یہ مذاہب

مختلف فرقوں میں بٹتے چلے گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اسلام کی بابت معروضات پیش کریں علم کے عوامل پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر آفاق کا نظام قائم ہے اور انسانیت اسی سے بہرہ ور ہو کر زندگی کو توازن میں رکھ سکتی ہے۔ جہالت جو علم کی ضد ہے اور اس کے برعکس دائرہ کار کی مالک ہے اس کی نکھار و خوبیوں کو اسی پر رکھ کر پرکھا جا سکتا ہے۔:

اندازِ جہالت

اس جہان میں ہم مسافر ہیں، اگر ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہماری منزل کیا ہے، کدھر ہے۔ یا وہ کون سی راہ ہے جو ہمیں صحیح وسالم منزل تک پہنچا دے گی، تو ہم کس طرح اس مسافرت کو طے کر سکتے ہیں؟ یہ سوال جہالت و نادانی کو دو نوع میں تقسیم کر کے اس کی درجہ بندی کر دیتا ہے۔

ایک وہ انسان ہے جو نہایت سادگی کے ساتھ یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ میں اس راہ سے واقفیت نہیں رکھتا۔ گویا کہ اس نے اپنی اس نادانی کو علم کی جگہ رکھ کر اپنی جہالت کو قبول کر لیا۔ وہ اس پر نازاں نہیں ہے کہ وہ جاہل ہے، مگر اسے نادانستہ طور پر اس کا دکھ ضرور رہتا ہے کہ وہ ایسا کیوں ہے، دانا کیوں نہ ہوا۔ اس میں علم کے حصول کا مدھم سا ولولہ باقی رہتا ہے، جو تھوڑی سی کوشش کے بعد حصول علم کی طرف راغب کر سکتا ہے۔ یعنی وہ اپنے لئے علم حاصل کرنے کے در کو بند نہیں کر لیتا۔ قدرت کی طرف سے علم کے دریا ہمیشہ جاری رہتے ہیں، ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو جانے بوجھے منصوبے کے تحت ان کے اصل معنی و مقاصد سے ہٹا کر دوسرے معنیٰ پہنا دئے جاتے ہیں جو غلط العام ہو کر اپنا اثر کھو بیٹھتی ہیں۔ ان کو دوبارہ ان کے اصل مفہوم سے متصل کیا جا سکتا ہے اگر جستجو موجود ہو۔ انسانی جذبۂ تجسس، علم کی مدد سے، تلاش کر کے انہیں دوبارہ صحیح مقام پر استوار کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ہمیشہ دعا فرماتے تھے: 'پروردگار مجھے تجسس کی دولت سے مالا مال رکھ' رسولؐ نے اس ارشاد کے ذریعہ ایک بڑی حقیقت کی نشاندہی کر دی ہے کہ یہ بڑی نعمت ہے۔ اس کے ذریعہ مسائل کے حل آسان ہو جاتے ہیں اور علوم کے ساتھ برائے بحالیٔ انسانیت اختراع کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ علوم

کی لامحدودیت کے مدّنظر وہ اپنی استعداد میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

ایک دوسرا آدمی ہے جو تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھتا ہے مگر جس قدر علم پر اسے وارد ہو کر عالم کہلانے کا حق ہے، اس پر پورا نہیں اترتا؛ یہ کہنے میں تامل نہیں کرتا کہ وہ اس معاملے میں وارد ہے۔ اپنی اس کیفیت پر فخر بھی کرتا ہے؛ جبکہ اسے اصل علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں نیم حکیم خطرہ جان کہا جاتا ہے۔ تھوڑا سا علم حاصل کر کے عالم کی پگڑی باندھ لیتے ہیں۔ اپنی بے عقلی اور چرب زبانی کے سہارے وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ دوسروں کی اصلاح ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے جبکہ علمِ مصلح کے حامل نہ ہونے کی بناء پر وہ خود اصلاح شدہ نہیں ہوتے۔ چونکہ انہیں اپنی کم علمی کا درد محسوس نہیں ہوتا وہ اپنے علم میں اضافہ کی کوئی احتیاج محسوس نہیں کرتے، اور اپنے دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ ان جیسا کوئی نہیں، من چنی دیگرے نیست کی مصداق بن جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے لئے علم کے سامنے جہالت کی دیوار کھڑی کر لیتے ہیں۔ اس انداز جہل کو جہل مرکّب کہا جا سکتا ہے۔ دینی معاملات میں خصوصی طور پر ان سے بڑا نقصان پہنچتا ہے، اس لئے کہ وہ دوسروں کو بھی غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ ان کی بتائی ہوئی مبہم باتیں جہلاء میں عام ہو کر دین کی محکم حقیقتوں کو مخمصے میں ڈال دیتی ہیں، زرررساں بن جاتی ہیں اور معاشرے کو صحیح ڈگر سے ہٹا کر بداخلاقی کے سامنے کھڑی کر دیتی ہیں۔ یہی وہ علمائے سوء ہیں، جنہوں نے اصل اسلام کو طرح طرح کے ناقص افکار سے وابستہ کر کے دوسرے مذاہب کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور فرقے در فرقے وجود میں آتے گئے۔ اگر وہ صحیح علم کے مالک ہوتے تو منبر پر بیٹھ کر لوگوں کے اخلاق کو درست حالت میں رکھنے کی باتیں کرتے اور معاشرہ بیراہ نہ ہوتا۔

جہل بنائے فرقہ بندی

یہ مسئلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا، آگے بڑھ کر بڑی اور مہلک ضرب لگاتا ہے۔ دوسرے مسائل کو چھوڑ کر جب ہم دین اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ جہالت میں پڑے محدود ذہن کے مالک، ایسے لوگ؛ مطلب پرست و اسلام دشمن سازش کاروں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں۔ جن کا اصل مقصد اسلام کے پرخچے اڑا کر فرسودگی کے حوالے کر دینا ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنی قوت کھو کر معدومیت کا

شکار ہو جائے۔ایسے ناعاقبت اندیش عناصر اللہ کے دئے ہوئے دین کے مدمقابل،قرآن وسنت سے سوء استفادہ یا استنبات کر کے گڑھا ہوا، بے ڈھنگ کا اسلام لا کھڑا کرتے ہیں۔ استعمار نے وہابیت،قادیانیت،طالبانیت وغیرہ کو انہیں جہل مرکّب کے مارے جہلا کے ذریعہ ساخت کر کے معاشرے کے حوالے کردیا۔جاہل عوام کے درمیان یہ فرقے پشت در پشت جڑیں پھیلاتے جائیں گے جوان کی گمراہی کا باعث بنے رہیں گے۔

بے راہ روی کے وجوہات

جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے علاوہ، ساری خلقت میں دقیق صفا و پاکیزگی موجود ہے، متجسّس ذہن سوال کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے؛انسانی معاشرے کا توازن کیوں بگڑا ہوا ہے، بے راہ روی نے کس طرح راہ پیدا کرلی، بداخلاقی کیوں بڑھتی جارہی ہے؟

اس سوال کے جواب میں کہ کر اگر یہ جن کا الگ ہو جایا جائے کہ حربۂ وسوسہ سے لیس ،شیطان نے انسانیت کے وجود میں آتے ہی ،حملہ شروع کر دیا تھا،اس سے بچنا کبھی بھی آسان نہ تھااور نہ اب ہے۔یہ کہہ کر اپنادامن بچالے جان کر حق بہ جانب نہ ہوگا،اس لئے کہ اس نے خود ہی اس کا جواب بھی دے دیا تھا کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا وار کارگر ثابت نہ ہوسکے گا۔گویا کہ مسئلے کا حل خلوص کے خانے میں پر آن پڑتا ہے۔اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ خلوص کا دائرہ کار نادانی سے جدا ہو کر علم سے وابستہ ہو جاتا ہے۔خلوص کا پتہ معلوم کرنے کیلئے علم کی چوکھٹ پر دستک دینا پڑے گا۔اس لئے کہ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا علم اللہ کی ہدایت سے مربوط ہے، جسے اللہ نے حضرت آدم کے دم میں پھونک دیا تھا، جو شیطان کے علم میں نہیں تھا۔اس طرح وہ اس کے دائرہ کار سے باہر تھا۔یہی وجہ ہے کہ جس کے نتیجہ میں وہ خلوص کے میدان میں وسواس کا جادو چلا نہیں پاتا، بلکہ ناکام ہو جاتا ہے۔خصوصاً اس لئے کہ وہاں اللہ کے اخلاق (۳۰/۳۰) سے مرجع علم کا دور دورہ ہوتا ہے، جو حقیقتوں پر مبنی عدل وانصاف ،سچائی ودانائی ہے۔شیطنت پوری کی پوری ان کے برعکس حقیقتوں سے دور بے انصافی دروغ ونادانی ہے ۔تو اس کے (چونکہ وہ درست طور پر علم حاصل نہ کر سکے تھے) اس کی جھولی میں خود جا بیٹھیں اور عوام کو

بیراہ کریں۔بطور موازنہ:۔

نادانی کیا ہے؟

اس کی کامل فہرست پیش کرنا آسان نہیں؛اختصار کے ساتھ ؛جو نکات سرِ فہرست ہیں وہ ،تکبر،خود بینی،انا پرستی ، دوسروں کو حقیر نگاہوں سے دیکھنا ،انہیں کمتر سمجھنا،تعصّب ، بے جا اثر ڈالکر دوسروں کو اپنانا' اپنے فاقد از علم یا مبہم خیالات کا انہیں موافق بنانا، بے جا نکتہ چینی ،حسد و عداوت، بے نکیل آسودہ جوئی، بے اعتنائی و سرد مہری، مایوسی: ہر شے میں برائی نظر آنا یا کم عقلی اور جہالت کی بناء پر سوچ لینا کہ دنیا کو اللہ نے انسان کو تنگ کر کے رکھنے کے لئے بنایا ہے ؛رہنے کے قابل نہیں وغیرہ،انسان کو منفی ذہن کا مالک بنا کر ترقی کی راہوں سے دور کر دیتی ہے،اس میں خود سازی کا ولولہ باقی نہیں رہتا۔جمود طاری رہتا ہے۔یعنی نادانی، بے راہ روی میں مبتلا کر کے قہرِ الٰہی کے لئے راہ کھول دیتی ہے۔

علم کیا ہے؟

جب کہ علم:تعریف و وضاحت کا محتاج نہیں:علم' آفاق میں جو کچھ بھی موجود ہے اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے، دنیا کی ہر شے کے لئے دلیل رکھتی ہے،نفسیات و منطق یا قابلیتِ مناظرہ و تقابل کی مالک ہے،محتسب ہے،منعکس پاکیز گی وصفا ہے،عقل،فہم و فراست،دوراندیشی،تحقیق و اختراع،ضابطہ ،حاملِ مفادہائے انسانی،سکون قلب کے بند و بست کے ساتھ تحمل ،مصالحت،موافقت،اخلاق،لا متناہی علوم جو دنیا کو حرکت میں رکھے ہوئے ہیں اور وہ انھی کی وجہ سے مائل بہ ترقی ہیں یا ترقی کرتی چلی جا رہی ہے،سب اسی کے حدود میں آتے ہیں،وہ انسان کو وسعت نظر عطا کرتا ہے۔مجموعی طور پر ان سب محاسن کا دائرہ کار انسانیت کو خسارے اور شیطانی حیلوں سے بچانے' اس کی فلاح اور احتیاجات کی بر آوری کے لئے ہے،تا کہ وہ عنانِ جہاں ہاتھ میں لے کر اس کی رہبری کرے اور اسے،سریع ترقی کی راہ پر رواں دواں کر دے۔یہ ربّانیت رب العالمین سے متصل کر دیتی ہے،(جسے حاصل کر کے انسان

ذہنی فرحت حاصل کرتا ہے)، کاملیت کے درجۂ عروج پر پہنچا دیتی ہے اور سرِ آخر حصولِ خوشنودیٔ پروردگار کا مستحق بنا دیتی ہے۔

کیا علم و نادانی خودکار ہیں؟

یہ بہت ہی اہم سوال ہے؛ ضرورت ہے کہ اس کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر اس کا جواب حاصل کیا جائے۔ "ہر عمل کا برابر و بالمقابل ردّعمل"، ایک کلّیہ ہے جو ہمیں بتایا گیا ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے۔ اس عمل کے اثرات ماحول پر کس قدر پڑتے ہیں، اور کتنے دوررس ہوتے ہیں اندازے سے باہر ہے۔ انسانی روش پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ بہت سارے دوسرے وجوہات کے ہمراہ، نادانی، غفلت و جہالت کی پیداوار ہے، جو بے روک ٹوک تیزی سے انسانوں کو اپنی گھیرے میں لئے چلی جارہی ہے۔ وبائی بیماری کی طرح پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں جا پڑا ہے۔ کسی میں ہمّت نظر نہیں آتی کہ اس کی روک تھام کرے۔ اگر کہیں سے ہلکی سی آواز اٹھتی ہے تو اتنی مدّھم و بے اثر ہوتی ہے جیسے، بقولے قمار خانے میں طوطی کی آواز۔ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ اس کی صدائے بازگشت نے، اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے سروں پر اتنے ہتھوڑے چلائے ہیں کہ وہ بھی، بے چون چرا بے راہ روی کے اسی کاروان کے ساتھ ہو لئے، سر پر جوں بھی نہ رینگی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب خودفریبی ہے!! بے حسی نے قابو پالیا ہے۔ اس کی بابت مقالہ خودفریبی میں کچھ مواد پیش کیا گیا ہے۔

انسداد بے راہی کے ضمن میں، حصول علم کے لئے جس قدر اسلام بہ بانگ دہل صدا بلند کرتا ہے، یعنی جس قدر قرآن و اہل بیتؑ نے اس کو حاصل کرنے کی تاکید کی ہے، کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ مگر حیرت کا مقام یہ ہے کہ اقوامِ عالم میں اگر کوئی ملّت جہالت میں سب پر سبقت رکھتی ہے تو وہ ملّتِ مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان اس بات سے واقف ہی نہیں کہ اسلام کی اصل روح ہے کیا؟ جو مقاصد اس سے وابستہ ہیں کیا ہیں؟ اور ان مقاصد کے حصول میں اس کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ ان سے اس کی آشنائی صفر سے زیادہ نہیں۔ (وجہ اس کی وہی ہے کہ ہدایت دہندہ ادارے وارفتی سی غفلت میں پڑ کر بے ہواس، نادانی جیسی الٹی باتیں عوام کے کان میں ڈالتے رہے)

خودکاری کے میدان میں جب ہم وارد ہوتے ہیں تو بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جہاں ہمیں خودکاری یا ان کا آٹومیٹک ہونا نظر آتا ہے وہیں اس کو خودکاری پر ڈالنے والا بھی نظر آتا ہے۔ مشین کتنی ہی آٹومیٹک کیوں نہ بنا دی جائے اس کو حرکت دینے کے لئے چابی بردار لازم ہے' خواہ وہ آواز دے کر یا اپنی دماغی شعاؤں سے کام لے کر اس کو خودکاری پر ڈالے۔ بغیر حرکت دہندہ کے دنیا میں کوئی بھی شئے حرکت میں نہیں آتی۔ یہی دلیل اس بات کی عقدہ کشائی کرتی ہے کہ ذات باری تعالیٰ دنیا کی ہر شئے کو متحرک رکھے ہوئے ہے۔ اس کی ساری توانائیاں اسی کی عطا کی ہوئی ہیں' آپ ہی آپ وجود میں نہیں آگئیں۔ اس کی حرکت، روانی وترقّی اسی کی طرّاحی ومنصوبہ بندی کا نتیجہ ہیں' بغیر اس کے اذن کے کوئی شے وجود میں نہیں آسکتی، اس کی منشاء کے بغیر کوئی حرکت وقوت اس جہان میں نہیں اور نہ ہی کوئی واقعہ وقوع پزیر ہوسکتا ہے۔ غیب جس کا ابھی ہمیں علم نہیں اس کا بھی وہی مالک ہے۔ لازم ہے کہ ہم اس کے مطیع وفرماں بردار بنے رہیں، اس لئے کہ اس سے ہٹ کر کوئی اور راہ نہیں۔ اس کی عطا کی ہوئی خودمختاری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، کہ وہ ہر دو جہان میں نقصان کا باعث بنی رہے گی۔ دوسروں سے کٹ کر، اطاعت کے ساتھ اس کی کبریائی وبڑائی کے حضور سر بہ سجود رہیں' سر تسلیم خم رکھیں۔ اس سے ہٹ کر کسی اور کی راہ اختیار نہ کریں۔ مطلب پرست دنیاداروں نے مفاد حاصل کرنے کے لئے عارضی دنیا سے عارضی آسودگی کے حصول کیلئے ،تماشہ، ناچ گانا، جوا، عیّاشی وشراب خوری اور اس سے متعلّق دوسری اخلاق سے گری ہوئی مصروفیات کا بندوبست کیا ہے، جس سے وہ عام انسان کو برائے نام وقتی ونہایت عارضی خوشی مہیہ کر کے ان کی کمائی ہوئی خون پسینے کی دولت کو بٹورتے ہیں اور اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں ۔ اس طرح بیچارے نافہم عوام کا قیمتی وقت کو ضائع ہوتا ہے اور وہ مالی مشکلات سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ ان ہی مفاد پرستوں نے اسے ہوا دے کر اپنی ثقافت کا حصّہ قرار دے دیا ہے۔ اگر یہی وقت اور دولت عوام کے مفاد؛ خصوصاً تعلیم میں صرف کر دیا گیا ہوتا تو انسانیت کے لئے دائمی سکون وفرحت کا باعث بن جاتا اور اس کا اخلاق بھی مرضئ خدا کے موافق رہتا۔ یعنی وہ بے راہ روی کی لعنت سے بچ جا تا۔

مندرجہ بالا حقائق اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ دانائی اور نادانی کی خود کاری کو بھی اللہ نے ایک نظم عطا کیا ہے۔ دانائی انسان کو کثافت و بے راہ روی سے بچا کر رکھتی ہے اور نادانی کثافت بردار ہو کر اسے بے راہ روی پر ڈال دیتی ہے۔ ایک دانا انسان زہر کے اثرات کو معلوم کر کے اس سے دوری اختیار کرے گا، سلامتی سے ہمکنار رہے گا، جب کہ نادان نادانی کی بناء پر ہوسکتا ہے کہ اسے حلق سے اتار کر ہلاکت کے حوالے ہو جائے۔

بے راہ روی کو کیسے راہ ملی

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

زمین و آسمان کا ہر ذرہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور وہی صاحب عزت و صاحب حکمت ہے۔ ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ (صف ۶۱/۱۔۳)

یہ مسئلہ حل طلب ہے، جس کے لئے اس کی چھان بین لازم ہے۔ ہم نے ابھی سمجھنے کی کوشش کی کہ سارا معاملہ علم اور اس سے صحیح استفادہ کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کا ہے۔ علم کا درحقیقت عمل سے مستقیم رشتہ ہے۔ ہم کسی فکر یا اس سے متعلق عادت کی اچھائیوں کو جاننے کے باوجود اسے نہ اپنائیں تو اسے کیا کہا جائے۔ اس دور میں یہی ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ کو معلوم کرنے کیلئے اگر ہم زمانہ جاہلیت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو امید ہے کہ وہاں سے اس کا کچھ سراغ یا اتا پتہ ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ اشیاء اور ان کے وجوہِ محرکات کا علم نہ ہونے کی بناء پر، اس زمانے کے لوگ، خوف و ہراس میں مبتلاء رہتے تھے، جس کی بناء پر مختلف قسم کے توہمات نے انہیں گھیر لیا تھا۔ اللہ کی ذات اور ان کی فہم وادراک سے باہر تھی۔ مگر چونکہ ان کو ایک مافوق البشر قوت کی ضرورت تھی جس کے ذریعہ وہ مشکل اوقات میں اپنے مسائل کا حل حاصل کر سکیں، کم عقلی رلا علمی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے مقررہ ہدایت دہندگان کی

ہدایات نہ مانتے، اپنی محدود سمجھ کے مطابق، مٹّی، پتھر ولکڑی وغیرہ کے انسانی شکل کے قدآور خدا گڑھ لیتے‘ اسے خوش رکھنے کے لئے اس پر چڑھاوا چڑھاتے، جو ان خداؤں کے پنڈوں یا مالکان کا حق بن جاتا۔ یہ مفاد پرست پنڈے جو خود بہکے ہوئے ہوتے تھے، ان مورتیوں کی ملکیت کی بناء پر اپنی ذات کو مقدّس منوا کر ناجائز مفادات حاصل کرتے تھے، ناسمجھ عوام کو اپنے مقاصد کی برآوری کے لئے بھٹکا کر بے راہ کر دیتے۔ بتوں کے سامنے انہیں خوش کرنے کیلئے بیہودہ قسم کے ننگے ناچ اور گانے وغیرہ رچاتے: بداخلاقی‘ بے انصافی‘ حق تلفی‘ تکبّر‘ تحقّر و جنسی بے راہ روی وغیرہ وجود میں آئیں، اور فروغ پاتی رہیں۔

اس ضابطہ کو ہم سمجھ چکے ہیں کہ ایک انسان جو جہل مرکّب میں مبتلاء ہو‘ ضدی بھی ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی بات نہیں مانتا، اس لئے کہ وہ خود کو عقل کل سمجھ بیٹھتا ہے۔ یہ حقیقت بھی چھپی ڈھکی نہیں کہ انسان کو وجود میں لا کر اللہ نے اس کی ہدایت کے لئے مستقل ہدایت کا سلسلہ جاری رکّھا تاکہ وہ بھٹکنے نہ پائے اور دنیا میں اس کی ہدایات کے مطابق ترقی کرتا ہوا صحیح وسالم زندگی بسر کر کے اس کے پاس واپس آجائے۔ اس کے بھیجے ہوئے اس کی ہدایت سے لیس انبیاء ومرسلین، جان ہتھیلی پر رکھ کر دنیا کے چپّے چپّے پر علم و دانائی کی باتیں بلاخوف وخطر لوگوں تک پہنچاتے رہتے۔ چونکہ مطلب پرست عناصر کے حق کی راہ سے ہٹے ہوئے مفاد، ان کی ہدایات سے ٹکراتے، وہ انہیں قتل کروا دیتے۔ اس طرح بے راہ روی کو بے خطر راہ ملتی رہی اور اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس زمانے میں جو لوگ صاحب فہم وادراک ہیں منھ چھپائے بیٹھے ہیں۔ اگر آواز اٹھائیں بھی تو وہ قمار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پشت در پشت جاری رہا اور بے راہ روی کے لئے راہ ہموار رہی۔ اس کے علاوہ ایک فطری عمل بھی ہمیشہ برسرِ کار رہا جس کا بیشتر حصّہ نفسیاتِ انسانی سے تعلّق رکھتا ہے، کاری اثرات کا مالک ہے۔ یہ ہے ایامِ طفلی میں ماحول کے ڈالے ہوئے نقوش۔

تربیتِ طفل و تشکیلِ عادات

بچّے کی پیدائش کے بعد، بلکہ رحمِ مادر میں جب بچّے کے دماغ کی اعصابی رگیں وجود میں

آ کر تیزی سے اپنا کام شروع کر دیتی ہیں' اس وقت کو لے کر تقریباً سات سال تک، اپنے ماحول میں جو کچھ بھی وہ دیکھتا' سنتا' اور محسوس کرتا ہے، یا جو باتیں اس کے تجربات میں آتی ہیں، بڑی پائداری کے ساتھ اس کے ذہن پر نقش ہوتی جاتی ہیں۔ اس کے اس دوران کے تروتازہ وتوانا، نیورونز (رگ وریشہ دماغ) سرعت کے ساتھ یادداشت میں ایسی پوختگی کے ساتھ ثبت کر لیتے ہیں' کہ ان سے آج کی پیشرفتہ دنیا میں بھی چھٹکارا حاصل کرنا امکان سے تقریباً باہر ہے۔ یہ یادداشت بچّے کے لاشعور میں فعّال رہتی ہے' اور آئندہ زندگی کے ہر موڑ پر حاکم بن کر اسے انہیں ثبت شدہ نقوش کے دائرہ کار پر گامزن رکھتی ہے، ان سے ہٹ کر کسی کام کو انجام دینے کی آسانی سے اجازت نہیں دیتی۔ اس کے معاملات میں انہیں حدود کے اندر رہ کر راہ متعیّن کرتی رہتی ہے۔

عاداتِ انسانی کی تشکیل کا بھی انحصار ان ہی عوامل پر ہے۔ وہ آئندہ زندگی میں کس قدر سنجیدگی سے اپنے اعمال کو انجام دے پاتا ہے، اس کا بھی دارومدار اسی پر ہے جو اس کو بچپنے کے ماحول سے حاصل ہوئی تھی۔ اس سے ہٹ کر کوئی اور سنجیدہ راہ اختیار کرنا اس کے امکان سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس کی سوچ وسمجھ اسی دائرے کے اندر کام کرتی ہے۔ اس میں سدھار کے لئے فنِ تحلیلِ نفسی سے کم وبیش کام لیا جا سکتا ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس سے مکمل آزادی کے لئے بڑی محنت اور سنجیدہ مزاجی درکار ہوتی ہے۔ وہ بھی پوری طرح اثر انداز نہیں ہو پاتی۔ بے بسی کا عالم ہوتا ہے۔ لاشعور میں ثبت یادداشت اگر ایامِ طفلی کے صاف ستھرے دیندار ماحول سے حاصل ہوا ہوتا، اسے سعید اعمال کی مالک بنا کر کامیابی سے ہمکنار رکھتا۔ اگر اس دوران کا ماحول بے دینی کا شکار تھا، تو وہ بے راہ رہ کر ناکام زندگی بسر کرے گا اور بندگیٔ خدا سے محروم رہ کر عاقبت خراب کر لے گا۔

چونکہ یہ فطری عمل بلا روک ٹوک پشت در پشت آگے بڑھتا رہتا ہے، اس کی گرفت محکم تر ہوتی جاتی ہے۔ اس کے اثرات اطرافِ عالم پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ دقیانوسی خیالات یا ضعیف اعتقادی، بے سروپا وہم وگمانات، توہم پرستی، بھوت پریت، قدامت پرستی کا نتیجہ ہیں جو انسان کو اپنے چنگل میں سختی سے جکڑے ہوئے ہیں۔ ان برائیوں کو جان لینے کے بعد بھی، آدمی ان

سے اپنی جان کو چھوڑ نہیں پا رہا ہے۔ اس کلّیہ کو ذہن نشیں کر لینے کے بعد، اگر ہم اس کا اطلاق زمانہ جاہلیت سے نسل در نسل سفر کرتی ہوئی ہم تک پہنچی بے راہ روی پر کریں تو بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کیوں کہ ابھی تک انسان اس میں مبتلا ہے۔ بے بس ہو کر ان سے جان چھڑانے میں ناکام ہے؟

گریز از عقل

اللہ کی بھیجے ہوئے انبیا و مرسلین، اوصیا اور آئمہ کو کیوں زمانے کے مطلب پرست حکمران، تہہ تیغ کراتے رہے؟ وجہ یہی تھی کہ وہ جاہل، جبر سے کام لے کر حکمرانی کرنے والے، اصل علم دین سے مزیّن حضرات پر جہالت کے احکام نافذ کرنے میں ناکام تھے۔ الٰہی علم سیسہ پلائی دیوار بن کر ان کے آگے کھڑا ہو جاتا تھا، جس کے سامنے وہ اپنے آپ کو بے بس پاتے۔ ظلم میں رنگی ہوئی پر افتخار حکمرانی کو بر قرار رکھنے کے لئے ان کے پاس چارہ ہی یہ رہ جاتا تھا کہ انہیں راہ سے ہٹا دیں۔

اکثر آدمی کو فکر لاحق ہوتی ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ان ظالم حکمران نے کبھی انجامِ کار پر ایک ہلکی سی نظر ڈالی نہ ہو؟ بعید از قیاس ہے! سب ہی کو یہ فکر دامن گیر رہی ہوگی۔ ان میں سے زیادہ تر حکمرانوں پر آبا و اجداد کی طرح ہوس مسلّط تھی۔ کچھ کو اپنے حواریوں سے خطرہ تھا، وہ اپنے مقام کو قائم رکھنے کے واسطے انہیں گدّی نشیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہی ان کا روزگار تھا۔ ان میں زیادہ تر کو تخت کے امیدواراں کا خوف تھا جو گدھوں کی طرح منڈلاتے پھرتے تھے۔ ان سب نے اپنی فکر و عقل سے کام نہ لیا بلکہ دوسروں کی عقل ان پر حاوی تھی، خواہ وہ لاشعور میں پڑے بچپنے کا فشار ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے حالات میں عقل اپنا اثر ڈالنے سے لاچار رہی۔ ان ہی کی صف میں ایک معمولی سی اقلیت ایسی بھی تھی جنہیں عقل نے حقیقت کی طرف متوجّہ کر لیا اور انہوں نے حالات سازگار ہونے کے باوجود، ظلم کے اقتدار سے کنارہ کشی کی۔ یزید کے بیٹے کی کھلی مثال موجود ہے۔ زمانہ قدیم اور بعد میں بھی چند مثالیں نظر آتی ہیں، جنہوں نے حالات سے مصالحت نہیں کی اور کنارہ کش رہے۔

ہر زمانے میں مفاد پرست حکمرانوں کی عقل سے کنارہ کش ناعاقبت اندیشی تھی جس نے بے راہ روی کو جاری رکھّا، جو انسانی بے کسی کا باعث بنی رہی۔ آخرت کو بھلا کر، ریت پر دھری اپنی زوال

پزیر قوت وشان وشوکت وآسائش کو ہر قسم کے ظلم وجور کے سہارے برقرار رکھنے کے دھن میں وہ مست رہے۔ ظلم انسان کو کس قدر کرب و بے چینی میں مبتلا رکھتا ہے، یہ حکومت کا نشہ تھا جو انہیں خود فریبی میں غلطاں و پیچاں رکھے ہوئے تھا، اور ان کے بہلاوے کا باعث بنا رہا۔ ظلم نے کرب سے انہیں نا آشنا رکھا، اور وہ خون ہولیاں کھیلتے رہے۔ حقیقتوں سے بے رخی کے ساتھ کارہائے مظالم انجام دے کر، کیا وہ اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے؟ کیا انہیں سکون سے نیند آتی تھی؟ اخوشحال تھے؟ اپنی جان و مال اور اولاد کی حفاظت ان کو پریشان رکھتی تھی، جوان کے لئے معمولی دردسر نہ تھا۔ ایک بے چین زندگی تھی جو وہ گذار رہے تھے، جس نے ان کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ یہ ان کی ناعاقبت اندیش ہوس تھی جس نے انہیں ان مصیبتوں کو جھیلنے پر مجبور کر رکھا تھا، جو انہیں اپنے علمِ حقیقی سے نا آشنا باپ داداؤں سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ گم کردہ راہ تھے۔ عشرت زدہ ہوس قدرت وحکمرانی کی آس میں کٹتے مرتے رہے، مگر آنکھ نہ کھلی۔ ان میں اتنی قوت نہیں تھی کہ ان سے اپنی جان چھڑا سکتے۔

جناب امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں: عقل انسان کے لئے بڑی اساس ہے، یہ پستی اور تحقّر سے نجات دلا کر وقار و بزرگی عطا کرتی ہے۔ گرتے کو سنبھال لیتی ہے، اگر راہ سے بھٹک جائے تو ہادی بن جاتی ہے، اس کے کلام کو استحکام اور راستی سے نواز دیتی ہے'

تعلیماتِ اسلامی میں عقل کو انبیاء اور حجت خدا سے تعبیر دیا گیا ہے۔ تفکّر و تدبّر کو اسی سے قوّت ملتی ہے۔ دنیا نے جو بھی ترقّی کی ہے اسی کی مرہونِ منّت ہے۔

مآب مغفرت

از درس و بحث مدرسہ ام حاصلی نشد کہ مجو ان رسید بدریا از سراب (خمینی)

یہ داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ موجودہ دور کی فضاء اتنی مکدّر نہیں رہی، جتنی کہ غاصب اموی وعباسی خلفاء، اس کے بعد بادشاہان کے زمانے میں تھی۔ ہے وہی کچھ فقط روش بدل گئی۔ سانس لینے کی تھوڑی گنجائش باقی ہے۔ ہمیں یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ وہ ادارے جنہیں اخلاق کو درست

رکھنے اور انسداد بے راہ روی کے لئے مقرّر کیا گیا تھا' یعنی ادارے جو صاحبانِ تقدّس سے متعلق ہیں اس بے راہ روی کی روک تھام میں ان کا کوئی کردار رہا ہے یا نہیں؟ اگر انہوں نے مثبت کردار ادا کیا تھا تو اس کا انجام کیوں ایسا رہا کہ بے راہ روی پروان چڑھتی رہی؟ اور اس قدر آگے بڑھی کہ نوک قلم میں اتنی قوت نہیں کہ قلم بند کر پائے۔ جسے ہم اور ہماری اولاد بھگت رہی ہے جب کہ عوام کا ان اصحاب کے لئے ادب واحترام اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ ان کے پیروں کا دھوان پینے کو ہمیشہ تیّار رہے۔۔۔۔۔۔اسقدر تضاد کیوں وجود میں آیا؟ وہ ادارے تو حقیقتِ یوم الدّین پر عدل وانصاف کی حکمرانی سے پوری طرح واقف تھے رہیں، انہوں نے حق پر مبنی اس حقیقت کو کیوں مدّنظر نہیں رکھا؟ جب اس زمانے کے جابر حکمراں عوام کو اسلام سے منحرف کرنے کے درپے تھے، اور ان صاحبان پر ان کا دباؤ پڑ رہا تھا، مخفی نظم کے ذریعہ عوام میں آگاہی پیدا کر کے ان کو ایسی ہدایات دیتے کہ وہ اس انحراف کے دھارے سے اپنے کو بچالے جاتے (خمینیؒ نے اسی سے کام لیا تھا) تقویٰ کے حدود میں رہ کر، کشت وخون وتصادم سے مبرّا، دقیق منصوبہ بندی کے ساتھ، اقدار اسلامی مسلم عوام میں نشر کر کے، ان کے اخلاق کو درست حالت میں رکھتے۔ضروری نہیں تھا کہ وقت کے ظالم حاکموں کے خلاف کوئی احتجاجی نعرہ ہی بلند کیا جاتا؟ (خاک بردہن) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادارے ان کے ساتھی بنے رہے۔

کچھ بزرگوں کو اب بھی، وہ اکھاڑا جو برطانیہ کے ایما پر فریقین نے لکھنو میں خم ٹھوک کر لڑا تھا ، یاد ہوگا۔اس کی سربراہی کس کے ہاتھ میں تھی، وہ کون سے مآب مغفرت تھے جنہیں شہادتِ محسنؑ پر، علیؑ وفاطمہؑ کی ضبط وخاموشی یاد نہ آئی اور محاذ آرائی کے فتوے جاری کئے۔ملت نے کتنا بڑا خسارہ اٹھایا۔طلباء تعلیم سے خاصے عرصے کے لئے دور رہے، عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر دے دیئے، پتہ بھی نہ چلا خالص سونے کے خزانے کہاں محفوظ کر دیئے گئے، زمین کھا گئی یا آسمان؟ بلتستان، پاراچنار سے لے کر بنگال تک، پورے ہندستان کے ہزاروں نوجوانوں کا تانتا بندھا رہا۔مومنین کے کاروبار معطل رہے۔کس امام کی تاسّی میں مسلمانوں میں تفرقے کو فروغ دینے کا یہ قدم اٹھایا گیا؟۔فاقد از خلوص، یہ سانحہ اس بات کا بھی پتہ دیتا ہے کہ مسلمانوں میں عمامہ کی کتنی قدر ومنزلت ہے۔تاریخِ شعیانِ علی کے

مولف، شعیوں کے حالات رقم کرتے وقت اپنا آنسو بہاتے جاتے؛ 'ہائے شعیوں نے اپنے آئمہ کا کبھی بھی کہنا نہ مانا'؟!

باوجود اس کے کہ انہوں نے علمِ دین حاصل کر لیا تھا؛ زمانہ جاہلیت سے نسل در نسل بے گناہ انسانوں پر جو ظلم و جور ہوتا چلا آ رہا تھا' اسے نہ روکنے یا جانتے بوجھتے خاموش رہنے ہی میں اپنا مفاد کیوں پایا؟ شاید انہیں خوف تھا کہ اس وقت کے حکام کے احکام کا کہنا نہ ماننے میں یا ان کے خلاف احتجاج ان کے اپنے حق میں نہ تھا۔ اگر احتجاج کرتے تو وہ بھی حاکم کے زد میں آ جاتے، اور انکی دستار فضیلت بھی اتار پھینکی جاتی۔ اسی بناء پر شائد ان کے ساتھی و ہم نوا بنے رہنے ہی میں انہیں اپنی فلاح کی صورت نظر آئی، حال آں کہ آئمہ اطہار کی حکمت عملی روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں تھی۔ ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ ظالم حکمرانوں کے حواری بنے رہنے میں آسانی کے ساتھ انہیں بھی قوت و دیگر مراعات حاصل ہوتیں اور امان بھی۔ کہنا تو نہیں چاہئے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبانِ زہد و تقدس اور مآبِ مغفرہ، پر معاذ اللہ! حکمراں کا خوف اللہ کے خوف پر حاوی رہا، اسی لئے تو اسے جائز قرار دے رکھا تھا۔ شائد قدامت پرستی سے وہ اپنی جان چھڑا نہ پائے تھے، نتیجتاً دینی علوم ان کے ذہنوں پر باور کرنے کی حد تک اپنے نقوش ڈال نہ پائے۔ مسلم عوام، عبا، قبا کے رعب و دبدبہ کے بناء پر اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں پاتے کہ ان سے کھل کر باتیں کر سکتے۔ انہیں تو بتا دیا گیا تھا کہ ان کے آگے فقط زانوئے ادب ہی تہہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے دریافت نہیں کر پاتے کہ اصل دینی ہدایات سے وہ کیوں انحراف کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ تضاد کیوں ہے؟، دین کے واجبات کو نئے روپ دے کر دھوم دھڑکے سے بھرے ہوئے رسوم سے مزین کیا اور بیچارے عوام جو جاہل بنا کر رکھ دئے گئے تھے' ان کے سر پر تھوپ دیا۔ عوام کو تو پہلے ہی سے احساس کمتری میں مبتلاء کر دیا گیا تھا۔ ان سے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے تھے، اپنے کو جاہل پانے کی بناء پر ان میں اتنی سمجھ و صلاحیت کہاں تھی کہ احتجاج کرتے۔

یہ کہتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ ان مآبِ مغفرہ نے جو اپنے بھاری بھر کم علم کے خزانے کو عوام کی دست رس سے اس لئے محفوظ رکھا کہ کہیں جہلا کے ہاتھ نہ چڑھ جائے کہ ان کی اپنی

فضیلت اور شان جاتی رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر جاہل ہے، تب ہی تو عالم ہے۔ یہ علمی تضاد ہی تو ہے، جو عالم کو جاہل کے مقابلے میں بلند مقام پر رکھتا ہے۔ اسی لئے جاہل کو جہالت کے مقام پر رکھنا ان کی ضرورت کا تقاضہ بنا۔ اگر یہ خفیہ خبر عام ہو جاتی تو لوگ شائد ادھم مچا دیتے کہ ہائے! انبیاء مرسلین اور مطہر ائمہ کی لائی ہوئی عالم اسلام کو ترقی دے کر اوج ثریا سے بالاتر پہنچانے والی علمی میراث اس کے واقف کاروں کے نظر ہوگئی؟؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بھول کر بھی بتایا نہیں گیا کہ: "اے مسلمانو! صلاۃ (نماز) میں جو رٹے ہوئے کلمات تم زبان سے ادا کرتے ہو، سمجھ کر دل پر اتارو، اور ان میں جو ہدایات موجود ہیں ان کے مطابق اپنے اعمال کو استوار کرو، اس میں وہ قوتِ محرّکہ موجود ہے کہ جو تمہارے علم و اخلاق کو بلند کر کے بہ سمت تکامل ترقّی کے اعلیٰ ترین مدارج تمہارے حوالے کر دیں گی۔ یہ تمہاری غفلت ہے کہ وہ غیروں کے ہاتھ چڑھ گئیں اور تم خالی ہاتھ رہ گئے"

تقدّس کی دستار فضیلت عطا کرنے والے اداروں نے انہیں بھول کر بھی نہیں بتایا کہ جاؤ لوگوں کو بتاؤ کہ زبان عربی، (جس نے علماء کو، زبان عربی نہ جاننے والے عوام پر فضیلت عطا کر رکھی ہے!؟) جو سازش کے ذریعہ مسلم عوام کو پس ماندہ رکھنے کی غرض سے ان سے چھین لی گئی تھی، اس پر دسترس حاصل کرو، ورنہ ترقّی پر گامزن رکھ کر غلامی سے بچا رکھنے والا اسلام تمھارے ہاتھ سے ہمیشہ دور رہے گا۔ قرآن و احادیث اور تمہارے رسول و اہل بیت کی یہی زبان تھی۔ اسی کو اپنا کر تم اسلام آشناء رہ سکتے ہو، بے راہ روی اور زوال سے بچ سکتے ہو۔ اسے اپنے گھروں میں رائج کرو۔ دوست و احباب، بیوی بچوں کے ساتھ اسی زبان میں بات کرو۔ سارے مسلمان جب اپنی اس اسلامی زبان میں گفتگو، حساب و کتاب، لکھت پڑھت کریں گے تو شرک سے پاک اللہ کی عدالت انسانیت کی معاونت کرے گی۔ قوتِ اسلامی کا اندازہ لگ سکے گا۔ اقتصادِ اسلامی دنیا کی بھوک و ننگ کا مداوا بن جائے گی۔ تم عالم بن کر بھی عوام کے خدمت گذار بنے رہو۔ سر پر عمامہ کی وجہ سے مغرور نہ بن جاؤ، دوسروں کو اپنا خدمت گذار نہ بناؤ، بلکہ ان کے خادم بن کر دکھاؤ!! کہ اس وقت جو معدومیت مسلمانوں پر طاری ہے، اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ اپنی دینی زبان سے ناواقف ہیں، یا ناواقف کر دیا گیا ہے، تا کہ انہیں اپنے

دین کی شناخت نہ رہے، اس کے مقاصد کی سمجھ نہ رکھنے کی بناء پر، اس پر عمل پیرا نہ ہوسکیں، اپنی شناخت کھوبیٹھیں اور ہمیشہ بے راہی کا شکار بنے رہیں۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، موجودہ زمانے میں بھی جب کہ پڑھے لکھوں کی اچھی خاصی بڑی تعداد موجود ہے، آگاہی کے باوجود، بے مقصد اور بے سود مراسم کو درست نہ پاتے ہوئے بھی کاندھوں پر لادے (خاموشی کے ساتھ) پھر رہے ہیں۔ کہیں سے بھی چوں وچرا کی صدا بلند نہیں ہوتی۔

یہ کرشمہ! ایّامِ طفلی کی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چونکہ بچّہ اوائل عمری ہی سے اپنے بڑوں کو مستقل طور پر یا گاہے بگاہے، بے مقصد مراسم ادا کرتے دیکھتا چلا آتا ہے، اس کے لئے وہ معمول زندگی بن جاتے ہے۔ بڑا ہوکر بھی وہ انہیں بے حیل وحجت قبول کئے رہتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ ان مراسم پر تنقید بھی کرتے ہیں مگر، پھر بھی ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ بچّہ اسے بھی اپنے بڑوں کو قبول کرتے دیکھ کر زندگی کے معمول کا حصّہ قرار دے لیتا ہے۔ اس قسم کی ساری باتیں نفسیاتی طور پر بچّے کے نازک وحساس ذہن پر ثبت ہوتی جاتی ہیں اور اس کی آئندہ زندگی کے لئے رہ نمائی کا کام کرتی ہیں۔ یہی فلسفۂ حیات موجودہ دور میں بھی بے سود و بے مقصد دینی رسموں کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے (جس میں فلاح انسانی ناپید ہے) اور اپنے اوپر کوئی دوسرا نظریہ وارد ہونے نہیں دیتا۔ کتاب کے پچھلے اوراق میں ہمنے سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ یہ مراسم حق کی راہ سے ہٹا دینے کے لئے، حکمرانِ وقت نے' اپنے ملازم بہروپئے علماء کے ذریعہ تنظیم دیئے تھے۔ اگر انہیں بے راہ روی کے فروغ کا وسیلہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟۔ اور اگر انہیں جائز قرار دے بھی دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے اس کا جواز کہاں سے لایا جائے؟

ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ہم مسائل کو اہمیت نہ دینے کی عادت میں بری طرح مبتلاء ہیں، غور وفکر، حساب وکتاب کو اہمیت نہیں دیتے۔ جب کہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ پیش رفتہ قومیں، ہوشمند، کوندتی ہوئی تاباں فکر کے سہارے دنیوی ترقّی کی دوڑ میں اتنا آگے نکل گئی ہیں جو ہمارے سوچ وگمان کی رسائی سے باہر ہے۔ ہم ہیں کہ ہمارے سر پر جوئیں بھی نہیں رینگتیں!

ہمیں کبھی بھی فکر نہیں ہوتی کہ ہم نے اپنے اوپر جو کاذب یا جھوٹے مراسم کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے کیسے اتارا جائے کہ ہماری زندگی کم از کم با مقصد بن کر ترقی کی دوڑ میں شامل ہی ہو جائے۔ اور یہ بھی نہیں سوچا کہ انہیں بے سر پیر کی مراسم نے ہمارے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں، جس کی وجہ سے ہم دیگر قوموں کے غلام بنے بیٹھے ہیں۔

یہ بات بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے کہ سرمایہ داری یا کیپیٹل ازم کا نظام زبردستی اقتدار و غلبہ کا معتقد ہے، جو سازشوں کے ذریعہ اپنے سیاسی و اقتصادی ڈھانچے کے مطابق دوسروں کو زیرِ دست رکھ کر، بلاشرکتِ دیگرِ اپنی ترقی میں برق رفتاری دیکھنا چاہتا ہے۔ ہر قسم کی ہیرا پھیری اور مسلّح زور آوری جائز قرار دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں دوسروں کے حقوق سے بےتعلّق ہوکر، ہر قسم کی انسانیت سوز، بیراہ روی و خود غرضی جیسی گراوٹ نے گھر کر لیا ہے۔ جبکہ اسلام: انسانیت ساز عدالت، ہمدردی و مساوات، جو نہ فقط مسلمانوں کے لئے ہو بلکہ پوری انسانیت کی بہبودی کو مدّنظر رکھے ہوئے ہو، دنیا کے سارے سرمایہ کو اللہ کی ملکیت قرار دے کر ہر فردِ انسانیت کو اس کا مستحق بنا دینے اور سب کو ساتھ لے کر برق رفتار ترقی کی راہیں طے کرنے کا حامی ہے۔ کسی کا پیچھے رہ جانا دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسلام میں آقا وہ ہوتا ہے جو آقائی کے تخت پر نہیں بیٹھتا بلکہ جو فقیر ترین کے احساسِ کمتری کو دور کرنے کے لئے اس کے بغل میں بیٹھ کر ان ہی جیسی روکھی سوکھی کھاتا ہے۔ ان میں ہمّت پیدا کر کے ترقّی کے راہوں پر گامزن کر دیتا ہے۔ مگر (مندرجہ ذیل کے بعد ملاحظہ فرمائیے)

سرمایہ داری اور عورتوں کی رسوائی

مغربی ممالک میں ازدواجی زندگی کیوں تقریباً متروکہ نظر آتی ہے؟ اس کی جگہ گرل اور بوائے فرنڈ شپ کیوں زور پکڑتی جا رہی ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر خاندانوں میں عورت کو علم سے دور رکّھا گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ مالی طور پر شوہر کی دستِ نگر رہی ہے، اور شوہر کی بالا دستی عام رہی ہے۔ اسے برابری کے حقوق سے محروم رکّھا جاتا، اور وہ غلاموں جیسی زندگی بسر کر کے زندگی گذارتی۔ ایک ناقابلِ برداشت صورت جسے اس کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا۔

کل پرزوں کے بل بوتے پر مغربی اقتصاد نے پر نکالے، مردوں کے مقابلے میں آدھی اجرت پر عورتوں نے جہاں وہ مردوں کے برابر کام انجام دیتی تھیں، بلا چون و چراء ملازمتیں قبول کر لیں۔ جو بھی تھوڑی بہت رقم اس کے ہاتھ آتی اس کے جذبات کو سکون پہنچاتی۔ اب وہ شوہر کی غلامی کے معاملے میں سودابازی کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ جہالت کی بناء پر معاملہ سازی میں اس کی کمزوری نے زوجیت کو دھچکا لگایا اور وہ چکنا چور ہوگئی، جس کی جگہ دوستی نے حاصل کر لی، کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ مگر ماں اور دادی سے ملے ہوئے باحیا محجوب لباس کو سر سے پیر تک پہننے میں اسے ابھی بھی فخر تھا، (روزنامہ اسٹار لیجر نے ۸۰ اسی سال پرانی فوٹو چھاپی جس میں سر سے پیر تک ملبوس عورتیں دریائے کلوریڈو میں نہاتی نظر آرہی تھیں۔ ان کے سروں پر بھی ٹوپی تھی)

کارخانے دار آجر کی دولت میں اضافہ کی بنا پر فراوانی کی مستی نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ وہ ترقّی دینے یا بے روزگار کردینے پر قادر ہوگیا تھا۔ اس کی للچائی ہوئی آنکھیں اپنی ملازمہ کی رعنائیوں کی دید کی منتظر بنیں۔ دین، آئین میں اپنی جگہ نہ پاکر پہلے ہی مفلوج ہو چکا تھا۔ اس نے آپس میں عدالت اور حق جوئی پر مبنی رواداری کی جو عمارت کھڑی کی تھی منہدم ہوگئی (دعائے مکارم الاخلاق، از امام سجّاد کا مطالعہ فرمایئے) ہر دو کے احتیاجات نے وہ گل کھلائے کہ دھیرے دھیرے پورے معاشرے نے رسوائی کی پرواہ کئے بغیر مغرب میں فخر میں لپٹی محجوبیت کے سورج کو ڈوبتے دیکھا۔ جسے اب ہر دو مغرب و مشرق نے پر شکوہ بنا کر ایسا عام کر دکھایا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔ شراب خانوں، رسٹورینٹس، لباس بریڈز میں، بلکہ برسر عام سڑکوں پر منی سے گذری ہوئی، نرم و نازک جسم دکھاتی ہوئی لخت عورت بغیر ڈھونڈھے حیا کا جنازہ سر پر اٹھائے نظر آئے گی۔ اس صورت حال کے ساتھ ہی جو دوسری بد تماشیاں ہمراہی کر رہی ہیں سب پر عیاں ہیں۔ ادارہ زوجیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔ نگاہیں دوررس نہ ہونے کی بناء پر، حیا جو چادر و چہار دیواری سے منسلک تھی، تاب لا نہ پائی، جاں بحق ہوئی۔

اس سوال کو بارہا دہراتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ جب اسلام کے آئین میں، حق و انصاف، بھائی چارہ کی بنیاد پر رکھا اقتصادی نظام موجود تھا، تو کیا کسی اور کی پوتھیوں میں ہم جھانکتے

پھریں کہ اس کا حل کیا ہے۔ کیوں بیچاری عورت کو جاہل رکھا گیا کہ عقل سے کام نہ لے سکے اور رسوائی کے دام میں مجبوراً جا پڑے؟ فاضل قارئیں ہی اس ذمہ داری کو قبول فرمائیں!! اور رہنمائی کریں کہ ہم بتلائیں کیا۔

گذشتہ سے پیوستہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر سرمایہ داری کا آقا، اپنی آقائی کے مفاد کے پیش نظر، خفیہ طور پر انسان سوز افکار کو برسرِ کار لاکر ان کا استحصال کرنے کا حامی ہے۔ مسلمانوں کو کمزور رکھنے کے لئے انہوں نے مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کی داغ بیل ڈالی اور ان میں جو پہلے سے اموی وعباسی، بعد میں مغل اور دیگر حکمرانوں کے ذریعہ بے سود و بے جا مراسم کو ترقی مل رہی تھی، متعدد حربے اختیار کر کے انہیں اور بڑھاوا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے بڑی تجرباتی وفکری کاوش سے کام لیا:۔ ۱۹۴۰ کے لگ بھگ اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سول انٹیلیجنس کے ایجنٹس جو معمر اور بڑی معلومات اور اعلیٰ تعلیمات کے مالک تھے، کرتہ و پائجامہ رشلوار میں ملبوس، جلسہ وجلوس میں شامل ہو کر، لوگوں سے دوستی کرتے، ان کے گھروں میں جا کر اکثر علمی و مذہبی باتیں کرتے نظر آتے تھے؛ مشہور سازش کار ہمفرے نے جو مسلمانوں کے خلاف بیج بودئے تھے، (وہ لوگ) اس کے اثرات کا معائنہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، اور مطمئن ہو کر جاتے، کہ مسلمان سرتاپا خوابِ غفلت میں غرق ہے، اس میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی تاب نہیں، جدھر چاہو بھیڑ بکری کی طرح ہانک دو۔

فرسودہ مراسم اور تحریفات، جن کا ذکر انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آتا رہے گا، کہاں کہاں چوٹ لگا کر ترقّی کی راہوں میں دیوار بن کر آن کھڑی ہوئیں۔ لازم ہے کہ ایک ایک پر نظر ڈالی جائے۔ چونکہ مراسم عام طور پر حقیقتوں کو چھپا کر فریب کاری کی بنیاد پر تشکیل دیئے جاتے ہیں، اس کی طرح وتوسیع کے لئے بڑی سازش کاری کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی، خود غرض حکمران خزانوں کے منہ کھول دیتے تاکہ جاہل ذہنوں پر اس کا سکّہ بیٹھا رہے۔ اندھوں میں کانا راجہ ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ اس فکر کو اپناتے ہوئے، وہ پیشہ ور شاز کاروں کو بھاری رقم کے عوض، یہ کام

سونپ دیتے۔ ان کی ایجاد کی ہوئی ترکیبیں ان کے فریب کار، درباری علماء (سوء) جھوٹ میں لتھڑے ہوئے جعلی تقدس کے بل بوتے پر سیدھے سادے بیچارے عوام کے دلوں میں اس فریبکاری کا ٹکور لگاتے رہتے، اور آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں بٹھا دیتے۔ اس طرح ان کے اپنے گڑھے ہوئے، جھوٹ و دھوکے سے لیس اخلاق ذہن انسانی پر ثبت ہو جاتے ہیں اور ان کے اخلاق پر ضرب کاری لگتی۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کی بناء پر خودفریب معاشرہ وجود میں آتا ہے اور بداخلاقی کو دن بدن فروغ ملتا چلا جاتا ہے۔ ایسی باتیں جب عادت کا حصہ بن جاتی ہیں تو اس سے نجات حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا۔ درباری علماء ہر زمانے میں موجود رہے، جن کی وجہ سے مسلمانوں کو دینی احکام کا پابند بننے میں ہمیشہ دشواری رہی۔ انہوں نے دین کو ناقابل عمل بنا کر لوگوں کو اس سے منحرف کر دیا۔

انسانیت کو فطری تقاضوں سے دور رکھنے والے مراسم کا دوسرے مذاہب پر جو زمانہ غار کے خوف کی پیداوار تھے' شروع ہی سے پورا قبضہ تھا۔ چونکہ خودغرض مسلمان حکمرانوں کے ذہنوں میں اسلام مذکورہ وجوہات کی بناء پر جگہ نہ پا سکا تھا، انہوں نے بھی اسے اپنے مقاصد کی حصول یابی میں مفید پایا اور جہالت میں گرفتار مجبور عوام کے اوپر وارد کر دینے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی اور فطرت سے موافقت کرتے ہوئے احکام اسلامی جو ان کے اس مقصد میں رخنہ انداز تھے راہ سے ہٹا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی نظریے پر عمل پیرا ہونے سے پہلے اس کو باور کر لینا ضروری ہوتا ہے' جو اس نظریہ پر یقینِ قطعی و شرط مطلق کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈھل مل یقینی کی حالت میں' دماغ' انسان کو مجوّزہ نظریہ پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی طرف راغب نہیں کر پاتا۔ اسے ایک گرم اور حتمی خواہش بصورتِ محکم حکم کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام قبول کرنے کا عمل حصول خوشنودیٔ خدا سے مستقیم تعلق رکھتا ہے' حضرت آدمؑ کا مسجود ملائکہ بنایا جانے کا تذکرہ اسے سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

آدم مسجودِ ملائکہ کیوں بنائے گئے؟

(سجدۂ آدم: بموجبِ احکامِ الٰہی، تکاملِ انسانیت میں معاونت کا وعدہ تھا)

کسی بات کو باور کر لینے کے لئے لازم ہے کہ اس کی بابت کاملیت کے حدود کو چھوتا ہوا علم بھی

موجود ہو، اسلئے کہ وہ انتہائے قبولیتِ فکر ہے، جس تک رسائی، بغیر علم کے ممکنات سے باہر ہے۔ اصل علم وہ ہے جو ہر شئے کا علم رکھنے والے اللہ کی عبادت: اس کی اتباعِ یا احکام کی برآوری سے تعلق رکھتا ہو، یعنی ان اعمال کی نشاندہی کرتا ہو جس کا نتیجہ اللہ کی خوشنودی ہو۔ چونکہ اسلام اللہ کا عطا کردہ دین ہے، اس کی خوشنودی اس میں ہے کہ انسان ہمیشہ، سیدھی و سچّی اسلام کی بتائی ہوئی راہ سے پیوستہ رہ کر تکامل کی جانب قدم بڑھاتا جائے۔

کلمات جو اللہ نے حضرت آدم کو، ان کے سامنے ملائکہ کو سجدہ ریز ہو جانے سے پہلے سکھا دئے تھے، ایسے اخلاق کے اجراء میں ہمکاری سے متعلق مکمل ضابطہ کے مالک تھے؛ جو منشائے الٰہی کے مطابق، طبعیتِ دنیا و مافیہا کو خلق کرنے کے مقاصد میں موجود ہیں، اس کی متجوّزہ کتاب اور آئندہ بھیجے جانے والے رجس سے پاک بندوں کی متفقہ ہدایات سے مطابقت رکھتے تھے، اور انسان کا انسان کے ساتھ انصاف رحم و رواداری اور ہمدردی و معاونت کے ساتھ تکامل کی جانب تدریجاً ترقی کرتے رہنے میں امداد پہنچاتے رہنے کے لئے نظم وضبط کے حامل تھے۔ مجموعی طور پر یہی وہ علم تھا جسے اللہ نے اس سجدہ سے پہلے آدم کو سکھا دیا تھا۔ اسی علم کی بناء پر وہ نبی کے درجہ پر فائز ہوئے۔

اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی مرضی کے حضور سب سر تسلیم خم رکھیں۔ اسی لئے جب اللہ نے حضرت آدمؑ کا پتلہ خلق کیا، ملائکہ اور جنات کو حکم دیا کہ اللہ کی خلق کی ہوئی مخلوق میں (احکام الٰہی سے مزّین تعلیم سے آراستہ، جسے اس واقعہ سے قبل اللہ نے انھیں سکھا دیا تھا) اشرف ترین علم کے حامل؛ آدم کے سامنے سجدہ میں چلے جائیں۔ بہ الفاظ دیگر اللہ کے احکام کی پیروی میں، (ملائکہ) ان کے ساتھ ہمکاری کریں۔ اور اولادِ آدم کے لئے یہ واقعہ سبق آموز تھا۔ اس لئے کہ وہ ان کے وارث کی حیثیت سے احکام الٰہی کو بہ رضا و رغبت ہمیشہ اپنے اعمال کا حصّہ بنا کر رکھیں۔

اس امر کا تعلّق، آدمی کا آدمیوں کے ساتھ انسانیت کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا تھا اور ہے، تاکہ وہ پرسکون رہ کر اللہ کے امر (تدریجاً ترقی بہ روئے تکامل) کو بغیر کسی پریشانی کے مستقل طور پر انجام دیتا رہے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسانی رواداری سے مربوط' اللہ کے دئے ہوئے 'نظم' کے تحت

اخلاق کی پاسبانی نگہداری میں کسی چوں وچرا سے کام نہ لیا جائے۔اس سے ہٹ کر اگر کوئی عمل انجام پایا' تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا اس لئے کہ وہ اس کی دنیا کو عطا کردہ فطرت سے ہم آہنگ نہ ہوگا، اور نقص کا باعث بنے گا۔یعنی جو بھی عمل اللہ کی ہدایات سے ہٹ کر ہوگا نقص کا حامل ہوگا۔نتیجتاً اللہ کی مقصود دنیا کی ترقّی میں حائل ہوگا، اور وہ خوشنودیٔ خدا کا (جو نعمتِ الٰہی ہے' اور ضامن ہے عاقبت میں سرخروئی کا' حصول جنّتِ دائمی کا) مستحق نہیں رہے گا۔

اللہ کا ہر کام حدف اور مقصد رکھتا ہے؛ حضرتِ آدم کو بیکار مسجود ملائکہ نہیں بنایا۔اسے ان کی اولاد سے وہ کام لینا تھا جو کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کے فرشتے بھی جو اپنے کو دنیا کی عنان سنبھالنے کا اس لئے امیدوار پاتے تھے کہ آدم سے قبل مخلوق کو کشت وخون میں لت پت دیکھا تھا اور اپنے آپ کو صلح وآشتی کا پیکر جانتے تھے؛ مگر احتمامِ سجدہ سے قبل ان اسماء کو جسے اللہ نے آدم کو تعلیم کردیا تھا (انسانیت کو اوج تکامل کی طرف رواں رکھنے میں پہاڑ جیسی بھاری بھرکم مشکلات پر بے دریغ قابو پاتے رہنا) ان کی زبان سے سنتے ہی بے دست وپا' پا کر اپنی امیدواری سے دست بردار ہونے کا اعلان کردیا۔وجہ یہ تھی کہ ان کی خلقت اس فلسفہ (تکوینی کیفیات) کا احاطہ کرنے سے قاصر تھی جو ان اسرار وکیفیاتِ خاص کے ساتھ جوڑ دیئے گئے تھے' یعنی وہ خصوصی امتیازات جو ان اسماء میں مضمر تھے ان کے بس سے باہر تھے کہ ان پر عمل پیرا ہوسکیں۔حقیقت یہ تھی کہ ان مخصوص کیفیات کا تعلق ایسے انسانی رجحانات یا میلان طبع سے تھا جو اللہ نے انسان کی طبعیت میں شامل کردئے تھے۔اور جو فرشتوں میں مفقوٗد تھے۔فقط انسان کو اس قابل بنایا گیا تھا جو اس سخت وسنگین کام کو انجام دینے میں کامیاب ہو سکے۔

ربّانیت الٰہی

وہ ہدف جس کے لئے اللہ نے اس قدر احتمام کیا اس کی ربانیت ہے جسے وہ ہر اوج سے بالاتر درجہ پر دیکھنا چاہتا ہے، یعنی اسے اپنی بنائی ہوئی اس وسیع وعریض دنیا کو تکاملِ ترقی کی طرف تیزی کے ساتھ رواں دواں دیکھنا مقصود تھا رہے۔اس حدف کی حصولی کے لئے اس نے انسان کو ایسے میلانات و

اوصاف سے مزین کیا جو اس مقصد کے حصول میں اس کیلیئے مددگار ثابت ہوں اور وہ واس کی نسلیں پشت در پشت، کامیابی سے اس امر ربی کو آگے بڑھاتی جائیں۔

چونکہ انسان کو کسی کام کے انجام دینے میں گہری فکر درکار ہوتی ہے؛ قلبی سکون جو اس کالازمہ ہے، ضرورت بن جاتی ہے۔ اسے دنگا فساد و کشت وخون جیسے انتشار و ہیجان پیدا کرنے والے حالات سے دور رہنا وقت کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ اس کے بغیر اسے یکسوئی حاصل نہیں ہو پاتی۔ ظاہر ہے ذہنی فشار کی موجودگی میں جو یکسوئی کے لئے سم قاتل ہے کوئی فکری و عملی اہم کام انجام نہیں پاسکتا۔

خداوند کریم نے جو عالم الغیب ہے، ایسے اخلاق کا اہتمام کیا جو اس امرِ مہم میں سکونِ قلب (ضدِ ذہنی فشارِ) فراہم کر کے فروغ جہانی میں معاون ثابت ہو۔ ہر آنے والا زمانہ گزشتہ زمانے سے سخت تر مشکلات کا حامل ہوتا ہے، اس کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے مستقل ادارہ قائم کیا۔ جس کی فعالیت کو جاری رکھنے کے لئے اپنے مخصوص بندوں کو ان اسرار سے جو پوری کائنات کی خلقت کی بنیاد ہیں، مزین کر کے دنیا میں وارد کرتا رہا، تاکہ ان کی کامل ہدایات کے ذریعہ، انسان دنیا میں صلح و آشتی برقرار رکھ کر، اپنے مالک کی امر ربّانیت کا مظہر بنا رہے۔ چونکہ اخلاقِ حمیدہ کو ہاتھ میں لئے بغیر ذہنی سکون حاصل نہیں ہوسکتا اور مشکلات پر عبور حاصل کرنے کے لئے قوت فکر پیدا نہیں ہوسکتی اللہ کے یہ ہدایت دہندگان اس کے مرقّع تھے، عملاً ان کی تعلیم دیتے رہتے۔

اس حقیقت کو ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ترقی، گہری فکر کے ساتھ تحقیقات واختراع کی مرہون منّت ہے، اور اخلاق حمیدہ اس کی بنیاد ہے۔ چونکہ بے راہ روی فطری تقاضوں کی ضد ہے، انسان کو ذہنی تذلیل میں گرفتار رکھتی ہے۔ یعنی جہاں بے راہ روی ہوگی وہاں سے ترقی کا عمل ودخل جاتا رہے گا اور تنزّلی حاوی ہوتی جائے گی۔

اللہ کی اس مہربانی کا یہ سلسلہ جاری ہے، تاکہ ترقی کے اس کام میں کوئی بات رخنہ انداز نہ ہو۔ یہ بندے ہر کمزوری سے پاک بنائے گئے تاکہ جان کی بازی لگا کر اس امرالٰہی پر محکم رہیں۔ یہ اللہ کے بھیجے ہدایت دہندگان ہمیشہ کمزوریوں اور کسافتوں سے پاک، ومتوازن اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب

دیتے رہے تا کہ سکون قلبی قائم رہے اور انسان بے کھٹک تکامل کی طرف ترقّی کی راہ طے کرتا جائے اور کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہ کرے۔

انسان سے اللہ نے ہمیشہ یہی امید رکھی کہ اپنے اعمال میں وہ اس کی ربّانیت کے شایانِ شان اخلاقِ حمیدہ کا حامل رہے، یعنی اس کا اخلاق مستقل طور پر رو بہ ترقی رہے۔ چونکہ اخلاق اور ترقّی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر اخلاق میں گراوٹ آئی تو ترقّی حتماً اثر انداز ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اگر ترقّی نہیں تو جمود ہے، جو زنگ آلودہ کر کے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اسی لئے اللہ نے اسے اپنی عبادت یا اطاعت وفرماں برداری قرار دے کر فرض بنا دیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر فرماں برداری کو واجبیت کا درجہ دے کر انسان کیلئے اپنی خوشنودی کا باعث بنا دیا۔ آدم کو اللہ نے اپنی ربّانیت کو عمل کرنے اور اس کی اجراء کے لئے علم اور قوت سے مزیّن کر دیا تھا۔ فرشتوں اور جن سے اس نے ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے کہا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ تسلیم کرلیں کہ وہ اس امر الٰہی میں آدم کے ساتھ ہمکاری کریں گے۔ وہ سجدہ دراصل اسی امر ربّی کا سجدۂ تسلیم تھا۔ چونکہ آدم اس امر کے حامل تھے، اس لئے حکم ہوا کہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔

اللہ کے حضور انسان کا سجدے میں ربی الاعلی کی تکرار خوشنودیئے خدا کے حصول میں ہمہ وقت مشغول رہنے کا اپنے آپ سے وعدہ ہے، جو دراصل دنیا کو کمالِ ترقی پر پہنچانے میں اللہ کے منصوبہ کو انسان کی ہمکاری کا وعدہ واقرار ہے، جسے ہم عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر بغیر سمجھے صلاۃ (نماز) میں بار بار اپنی زبان سے جاری کرتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ عملی طور پر ہمیں کیا کرنا ہے۔ مشکل یہ رہی کہ ہمیں اس ماجرے سے آشنا کرایا ہی نہیں گیا، اسی وجہ سے ہم ترقّی کی راہوں سے دور ہو کر پسماندہ رہ گئے جو ہماری روش نادانی کا نہایت افسوس ناک نتیجہ ہے، ارشادِ ربّی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔـوْلًا ۝

اور جس چیز کا تمھیں علم نہیں اس کے پیچھے مت جانا کہ روز قیامت سماعت، بصارت اور قوت

قلب، سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یٰسین ۱۷/۳۶

مقصد یہ ہے کہ ہماری زبان سے جو کلمہ جاری ہو اس کے مطالب و مقاصد کو سمجھنا ہمارے لئے لازم ہے تا کہ ہم اس سے استفادہ حاصل کر کے اپنی زندگی کو مفید بنا سکیں۔ جس بات کی ہم سمجھ نہیں رکھتے وہ بے اثر ہوتی ہے۔ اللہ کی ربانیت: سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ: میرے علی و اعلیٰ، سارے جہان کا پالنے والا، اسے تدریجاً کمال تک پہنچانے والی اللہ کی ذات پاک ہے۔ ہم اس کی اتباع کرتے ہیں۔ (حمد اتباع پر منتج ہوتی ہے)

صلاۃ میں ان کلمات کے رکھے جانے کا مقصد یہ ہے کہ مجموعی طور پر اولادِ آدم تکامل کی سمت ترقّی کے مدارج طے کرتی رہے۔ دنیا نہایت سرعت کے ساتھ ترقّی کرتی جارہی ہے، ہر کوئی جو اس کے ساتھ چل کر ترقّی نہیں کرے گا تو پس ماندگی کا شکار ہو کر نقص میں مبتلاء ہو جائے گا اور اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھے گا۔ جس طرح گڈھے میں ٹھہرا ہوا پانی گندا ہو کر بدبو دینے لگ جاتا ہے، خرافات میں مبتلا ہو کر بے راہ ہو جائے گا جمود میں جا پڑیگا اور دنیا کے تیز رو دھارے سے کٹ کر معدومیت کا شکار ہو جائے گا ۔ یہ منافئ خواست خدا ہے۔ اگر اللہ کی اس فرماں برداری سے روگردانی کی گئی، ترقّی کی طرف قدم بڑھا یا نہ گیا، تو غیر از خدا کی راہ اختیار کی گئی۔

دین سے جدا ترقّی بے راہ روی کو دعوت دیتی ہے

دنیا میں جو بھی علوم موجود ہیں، اگر وہ اسلام سے تصدیق شدہ نہیں ہیں، تو ان کا قابل اعتبار ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ اس میں بھکے ہوئے علوم کی آمیزش بعید از امکان نہیں۔ اسلام کے ہاتھ میں قرآن، واحد کتاب ہے جسے اللہ کی ضمانت حاصل ہے کہ تحریفات سے مبرا ہے۔ مدلل فطرت سے ہم آہنگ اور با مقصد ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایسی کتاب ہے جو کسوٹی کا مقام رکھتی ہے۔ اس میں جو علم موجود ہے، اس کے ذریعہ دوسرے علوم کی پاکیزگی کو پرکھا جاسکتا ہے۔

مغرب میں، بظاہر دورِ جاہلیت سے باہر آنے کے بعد جن علوم پر مشینی ترقی ہوئی ہے، یعنی کل پرزوں کے ذریعہ چرخائی ہوئی مادّی ترقی، جس نے انہیں مشرق پر فوقیت دے دی، اس کی صداقت کو

پرکھنے کے لئے اس ترقّی کے ساتھ ان کے اخلاق پر نظر ڈالنا ہوگا۔اس کے بعد ہی یہ پتا چل سکے گا ،آیا کہ حقیقتاً وہ دور جاہلیت کو پیچھے چھوڑ آئے تھے یا اس کا تسلّط ان پر ابھی باقی رہ گیا ہے۔ ہر وہ اخلاق جو عدل وانصاف کا مالک نہ ہو، خدمت واحترامِ انسانیت کا قائل نہ ہوتو وہ چنگیزیت کے خانے میں جا پڑتا ہے۔

اس کتاب کے پچھلے اوراق میں ہم علم اور جہل کو سمجھنے کی باتیں کرتے چلے آرہے ہیں۔علم کا سیر حاصل بیان سورج کو چراغ دکھانے سے کم نہیں۔ چونکہ علم انسانی اخلاق پر گہرا اثر ڈالتا ہے، اپنے آپ کو متعارف کرادیتا ہے۔اخلاق کے اچھے برے ہونے میں جو فرق ہے، اسے معلوم کرنے کے لئے صاحب علم کی ضرورت ناگزیر ہے۔ابتدائی صورت میں ضروری نہیں کہ وہ علم کے اعلٰی درجے پر ہی فائض ہو۔اس لئے کہ جاہل اپنی جہالت سے آگاہ ہوتا ہے۔اگر جہل مرکب میں مبتلاء نہ ہو اور متجسّس ذہن کا مالک ہوتو جہل کے حصار کو عبور کرکے حلقہ علم کے کسی نہ کسی گوشے میں اپنے لئے جگہ تلاش کرلیتا ہے۔اس طرح ایک اَکھڑ جاہل بھی اچھے اخلاق کی سوجھ بوجھ پیدا کرلیتا ہے، بشرط کہ جستجو موجود ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اچھے اخلاق کا تعلّق فطری رجحانات سے ہے، جس کی بنیاد اللہ نے انسانی رواداری وہمدردی، صلح وآشتی اور ہر وہ عمل جو مفاد انسانی میں ہو، اس پر رکھی ہے۔لڑائی جھگڑا، قوت کے بل بوتے پر کسی کے مال پر قبضہ کرلینا، حقائق سے تجاوز اس کے حدود سے باہر ہوتا ہے۔اگر نادانی کی بناء پر کوئی مسئلہ کھڑا ہوجائے تو اس کے لئے عدل وانصاف کا دروازہ کھٹکھٹانا، یا گفت وشنید سے اسے حل کرنا اس اخلاق کا حصّہ ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس کو حق بہ جانب سمجھنا، خواہ وہ کسی بھی حکمت عملی کے ذریعہ ہو، کسی پر غالب آنا یا غلبہ یا فوقیت، لغت اخلاق سے باہر ہے۔گویا کہ، اگر متجسّس ذہن کے مالک انسان کو تعصب میں جو جہالت کی بہت بڑی نشانی ہے مبتلا نہیں کردیا گیا ہے، تو اچھے اخلاق کی پہچان اس کے لئے مشکل نہیں، اس لئے کہ وہ فطری اخلاق سے ہم آہنگ ہے۔

زیادہ دور کی بات نہیں، جنگِ جہانِ دوم ہی کو لے لیجئے، جو بقولِ مغربی نشاط ثانیہ (یعنی جہالت کی تاریکی سے باہر آکر علم کی روشنی میں جاگزیں ہونا) کے بعد وقوع پزیر ہوئی، کوئی ہے جو

اطمینان دلا سکے کہ مندرجہ بالا حقائق کی کسی طرح آئینہ داری کرتی ہے۔روشن علم سے آراستہ حقائق کی پابندی کیا ،قوت کے بل بوتے پر ناحق غلبہ پانے کی جنگ وجدال اور کشت خون سے ہوتی ہے؟ اگر صورتحال عملاً، نشاط ثانیہ کے مطالب کے برعکس ہو،تو اسے کس خانے میں رکھا جائے گا۔حقائق کی زبان میں اس تضاد کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟ یہی وہ پراندیشہ نکتہ ہے جہاں عقل ٹھٹھک کر رہ جاتی ہے اور انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ علم جو انسانیت ساز ہے اس سے اس صورتحال کا کسی طرح بھی رشتہ قائم نہیں ہوسکتا۔ چونکہ وہ فطری اخلاق کے برعکس ہے، باطل ہے۔بے راہ روی اختیار کیے ہوئے ہے۔

جب اخلاق میں ایسی کثافتیں آن پڑیں تو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی تطہیر کی جائے۔اس کام کو انجام دینا ہرایرے غیرے کا کام نہیں۔اس کے لئے ایسوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے جو مجسّم پاکیزہ خصلت ہوں، طاہر ومطہّر ہوں، طاہر دینِ مبین کی طہارت کے پاسدار ہوں۔ایسے دین کا مختصر تذکرہ مقالے کے شروع میں آچکا ہے اور وہ فقط اسلام ہے۔اس کے قوانین عین اس فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں جس پر اللہ نے، پوری کائنات کو خلق کیا ہے،اور جس کی پاکیزگی شکوک سے مبرّا اور مسلّم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے شرع کی بنیاد کاملاً عدالت پر رکھی گئی ہے۔یعنی کوئی بھی شئے،مکافاتِ عمل یا فکر عدالت سے ہٹ کر نہ ہو۔اللہ کی خلق کی ہوئی کسی بھی چیز میں ذرّہ برابر اس سے تضاد نہ ملے گا۔قدرت نے یہ اہتمام اس لئے کیا ہے کہ، انسان جسے وہ، اپنی شانِ ربّانی کے تحت ہمہ وقت تکامل کی سمت ترقّی کے مدارج طے کرتے دیکھنا چاہتا ہے،اس سے متعلق مقصود ترقّی کے کام میں رکاوٹ آنے نہ پائے۔ترقّی کی راہوں کو طے کرنے میں علم کے ساتھ فکر کی ضرورت ہوتی ہے، جو بغیر ذہنی سکون کے ممکن نہیں۔اور ذہنی سکون فقط فطرت سے مزیّن اخلاق کی مطابقت سے ہوسکتا ہے۔اس کے برعکس ،فطرت سے دور، غیر عادل اخلاق ذہن کو منتشر کر کے رکھے گا۔

چونکہ اللہ رب العالمین ہے: عالمین کو ترقّی کی راہ پر گامزن رکھنے والا ہے، دنیا کی ترقّی کی راہ میں کسی قسم کا رخنہ اندازی جائز قرار نہیں دیتا۔باوجود اس کے کہ، انسانی جہل و نادانی کی بناء پر عدل

الٰہی کے حدود میں متجاوز ادوار، زوال کے مراحل سے گذرتے رہے ہیں، اور ترقی کی رفتار میں تھوڑی بہت رکاوٹ آتی رہی ہے، مگر اس کی ربانیت کے تحت (منشاء الٰہی کی مطابقت میں) دنیا ترقّی کے منازل طے کرتی رہی اور کرتی جا رہی ہے۔ بلکہ ترقّی کی گزشتہ دور سے اس مشکل وقت میں ترقّی کی رفتار میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہوا اور آئندہ کے لئے راہ ہموار ہوئی یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں: غار کے زمانے کو لے کر دنیا کی فضائی حدود سے باہر کی موجودہ دوڑ تک مستقل جنگ و جدال، مار دھاڑ پر نگاہ غائر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جنگ میں برتری قائم رکھنے کیلیے، اس سے متعلق نفسیات، کیمیا سازی، خبر رسانی، کشتی رانی ہوائی پرواز، اسلحہ سازی اور دیگر ٹکنالوجی میں امن کے زمانے سے کئی گنا زیادہ اضافہ ہوتا رہا ہے جس کی بناء پر اس سے متعلق علم میں اضافہ ہوا۔ یہ اخلاقی گراوٹ تھی کہ کروڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اس کے باوجود ترقی کا سلسلہ جاری رہا۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کی نظر میں جو ترقی کا مقام ہے، اس کی راہ میں کتنی ہی رکاوٹیں کیوں نہ ڈالی جائیں مقامِ ربانیت لا زوال رہے گا۔ زوال، دینی حقائق سے کشیدہ روی کا ماحصل یا پیداوار ہے۔ دانشگاہی یا یونیورسٹی تعلیمات گو کہ مادیت کی طرف زیادہ رجحان رکھتی ہیں اور بد اخلاقی کو ہوا دیتی ہیں، مگر چونکہ وہاں تحقیق و اختراع کا سلسلہ تیزی سے جاری ہے انسانی ذہن میں سوچ و بچار کی قوت میں تیز روی پیدا ہو رہی ہے۔ اس تیز رو ذہن کو اخلاقی گراوٹ کو دور کر کے خوش اخلاقی کو بھی تیزی سے اپنا لینا چاہئے تھا۔ ایسا نہ ہو سکا، اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ دین کا محافظ کٹھ ملا، خواہ اس میں دوسرے مطلب پرست عناصر کا سازشی ہاتھ ہی کیوں نہ ہوں بک کر، خود مادہ پرستی میں جا پڑا اور دین کے دئے اخلاق کے معاملے میں تحریفات میں ملوث ہو گیا، مسلمانوں کے درمیان فرقہ پیدا کرنا اس کے لئے مقدم رہا ہے: طالبان اور القاعدہ، اور دوسرے عمامہ پوش ملّے و ذاکرین وغیرہ اسی کی پروردہ ہیں، جنہوں نے امن کے خلاف جنگ جاری رکھی ہے۔

چونکہ انسانی دماغ، علم میں اضافہ کی بناء پر غور و فکر کی طرف راغب ہوتا جا رہا ہے، مّلا کی یہ چال واضح ہوتی جا رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں کہ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے اپنی اس بد اخلاقی سے دست بردار ہونا پڑے اور دنیا درست اطوار پر ترقی کے مدارج طے کرے اور اخلاقِ انسانی درست

اسلامی بنیادوں پر رو بہ ترقّی ہو۔ علم کو جس رفتار سے دین کی قربت حاصل ہوتی جارہی ہے، خواہ وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، اس میں اسی قدر نکھار پیدا ہوتا جارہا ہے۔ بے راہ روی اسی رفتار سے چھٹتی جارہی ہے۔ چونکہ بے راہ روی علم کی روشن فکری سے نا آشنا ہوتی ہے زمانہ جاہلیت سے پرورش پاتی چلی آرہی ہے، دینی تعلیمات کو جذب کرنے کی کم تر صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ علم و دانائی کی ترقی کو اپنے امکان بھر روکتی رہی تھی، تاہم دین سے ملحق علم فطرت سے مطابقت کرتے ہوئے اخلاق کو عمل کرنے کی بنا پر، مدّہم مگر مسلسل چال کے ساتھ ترقی کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہا۔

جیسے جیسے انسان علم سے قریب تر ہوتا جارہا ہے اس کی آنکھیں کھلتی جارہی ہیں، غور وفکر کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اخلاقِ احسن کی گرفت مضبوط ہوتی جارہی ہے، چونکہ موجودہ دور میں لوگوں کا علم کے حصول کی طرف رجحان مقابلتاً بڑھتا جارہا ہے، حالانکہ بے راہ روی انسانیت کی بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں رکّھے ہوئے ہے، اس کی ضرر رسانی واضح ہوتی جارہی ہے۔ لوگ، خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اس سمت میں اپنی ذمّہ داری محسوس کرنے لگے ہیں۔ احسن اخلاق کے مالک افراد اقلیت میں شمار ہونے کے باوجود، مقابلتاً ان کی درصد تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بے راہ روی کی بھیانک شکل نمودار ہوتی جارہی ہے۔ خوش آئندراہ اخلاق کو لپک کر اپنانے کی طرف راغب افراد کی تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ نتیجہ اللہ کی ربّانیت کے تقاضے ہی کی بناء پر ہے۔

زمانہ جاہلیت کے بے دینوں نے اگر انبیاء و مرسلین کی ہدایات کو تسلیم کرلیا ہوتا تو بے راہ روی کا غلبہ اپنی قوت کب کا کھو چکا ہوتا۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم دقیق منصوبہ بندی کے تحت، دانشگاہی علم کے اعلیٰ ترین مقامات کو سر کرنے کے ساتھ دینی تعلیمات کو جو اس وقت دقیانوسیت کا شکار ہے، مشارکت کو ہاتھ میں لے کر صیقل کریں اور دونوں کے امتزاج سے استفادہ کر کے اپنی اولاد کو اس سے مزیّن کریں، تا کہ انسانیت بے راہ روی سے نجات حاصل کرے اور سکون کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ بچّوں کے ذریعہ یہ کام آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ نادانی یا علم کی کمی، مثل اس کے ہے کہ جیسے تاریکی میں راہ پیمائی کی جائے جہاں کچھ نظر نہ آئے؛ خوف و ہراس کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے، انسان

کو ہمیشہ حالتِ فشار میں رکھتی ہے، اسے اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی حادثہ نہ پیش آجائے۔ جیسے جیسے نادانی کے بادل چھٹتے جاتے ہیں، خوف و ہراس سے چھٹکارا ملتا جاتا ہے، ذہنی فشار میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے اور سکونِ قلب اس کی جگہ لیتا جاتا ہے۔ یہ آگاہی لوگوں میں بیداری پیدا کر رہی ہے۔ علم کے حصول کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ درسگاہوں میں روز افزوں اضافہ نشاندہی کر رہا ہے کہ انسان کی موجودہ حصولِ علم کی رفتار آنے والے وقتوں میں نسبتاً کہیں زیادہ تیز گام و تیز دم ہوگی، اور کثافتوں سے پاک، اخلاقِ حمیدہ کی روشنی جو وابستہ بہ اسلام ہے، انسانی شہ رگ میں داخل ہو کر دنیا کو بقعہ نور بنا دے گی۔ بند راہیں کھل جائیں گی۔ شیطان گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ جس طرح اس وسیع و عریض دنیا کو ذاتِ حقیقی چلا رہی ہے، وہ خود کار نہیں ہے؛ اس وقت یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ امرِ الٰہی کی حامل، موجود مگر آنکھوں سے اوجھل ہستی نے، اپنے جد جن کو مکارمِ اخلاق کے لئے مبعوث بہ رسالت کیا گیا تھا، جس کی راہ میں حقیقتوں سے ناآشنا؛ نادانی میں مبتلا، اغیار دیوار بن کر کھڑے رہے ، اسے ترقی دینے والے رب کی مرضی کے مطابق مکرّم بنا کر پیش کر دیا، اور ترقی کی مسدود راہوں کو ایمان رکھنے والوں کے لئے ہموار کر دیا۔

انسانی پسماندگی، درمقابل عدلِ الٰہی

یہ ایک ایسا سوال ہے جو متعدد سوالات کو جنم دیتا ہے۔ سب سے پہلے ہم انسانی پس ماندگی کا تجزیہ جو اصل سوال ہے اور انسانیت کا بیشتر حصّہ جس کا شکار ہے۔ ایک سادہ سا مگر نامکمل جواب یہ ہے کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئے جو پسماندہ تھا، جسے قسمت کا لکھا مان کر، اگر ایک وقت کی بھی روٹی مل گئی تو کھا کر شکر ادا کیا اور سو گئے۔ انہیں کسی سے گلہ نہیں ہے اور نہ شکایت۔ پسماندگی کا سوال پسماندہ لوگوں کا نہیں، وہ تو اسے قسمت کا اٹل فیصلہ مان کر خاموش بیٹھے ہیں۔ یہ زیادہ تر ایسے کھاتے پیتے مفکرین کی طرف سے ہوتا ہے جن کے دل میں پسماندہ انسانیت کا درد تو ہے، مگر اس کی ذمّہ داری، چونکہ ان کی نابالغ فکر کے مطابق اللہ کی ہے؛ اس لئے کہ وہ قادرِ مطلق ہے، اس کے حکم کے بغیر پتّہ بھی نہیں ہلتا۔ یا ورثہ میں ملی طمع زر و جواہر و امارت ہے۔ مسئلے کے حل کے معاملے میں خود کو دست بردار پاتے ہیں۔

ایسی فکر رکھنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ: ایسے خدا کا کیا فائدہ جس نے، ایک طرف دنیا میں جہالت و ناخواندگی، بھوک ننگ، ظلم و جور، کشت وخون، بداخلاقی و بے راہ روی کا زور وشور سے بازار گرم کردیا ہے۔ دوسری طرف مغربی دنیا کے کسی ملک پر نگاہ ڈالئے، ہرایک ترقّی یافتہ، وسیع وعریض فطری فراوانیوں سے مالا مال ہے۔ بارانی، زرخیز زمین، بیش بہا معدنیات، تعلیمی ادارے، تجربہ گاہوں کی بہتات پیدا کرکے متموّل بنادیا ہے۔ اس تضاد کا خاموشی سے نظّارہ کررہا ہے۔ ہر دوطرف اخلاق، بلا روک تھام کے گرتا چلا جارہا ہے۔ وہ ان خرابیوں کو روک دینے پر قادر نہیں؟ انہیں اللہ کے عادل ہونے پر شک ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ نے اس جہان کو پیدا کرکے انسانوں کو شیطان کے حوالے کردیا، اس کی زندگی وبالِ جان بن گئی، وغیرہ۔

یہ سوال اللہ کی نہ فقط عدالت بلکہ اس کی قوتِ خدائی پر بہت بڑا حملہ ہے! اس قسم کی تنقید ان لوگوں کی طرف سے کی جاتی ہے جن میں بلوغیت کی بدرجہ اتم کمی ہے، کہ انہوں نے دین کا دامن تھاما ہی نہیں۔ ان سوالات کو اگر وہ خود اپنے آپ سے کرلیتے اس کے جواب میں، قرآن، ہدایت محمدؐ وآل محمد اور ان کے سوئے حسنہ سے حاصل ہوجاتے۔ مندرجہ ذیل آیت قرآنی ہماری رہنمائی کرتی ہے:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝

"ہم نے جب بھی کسی قریہ کہ ہلاک کرنا چاہا تو اس کے ثروتمندوں پر احکام نافذ کردئے اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی، تو ہماری بات ثابت ہوگئی، اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کردیا۔" (اسراء ۱۷:۱۶)

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝١١ إِنَّ لَدَيْنَآ أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝١٢ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝١٣ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝١٤

ہمیں اور ان دولتمند جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں، انہیں تھوڑی مہلت دے دیں۔ ہمارے

پاس ان کے لئے بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے، گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔جس دن زمین وآسمان لرز جائیں گے اور پہاڑ ریت کا ٹیلہ بجائیں گے۔(مزمل ۱۱ تا ۱۴)

پہلی آیت، ثروتمندوں کا تذکرہ کر کے، ان کے درمیان بسے ہوئے ناداروں کی بھی نشاندہی کر رہی ہے، کہ اللہ کے ہدایت دہندگان کی ہر زمانے میں موجودگی سے استفادہ کر کے کیوں تفاوت دور نہیں کیا۔ جب کہ جو مال اسباب، ان کے پاس تھا، اللہ کا دیا ہوا تھا۔ ناداروں کا بھی اس میں حق تھا۔ ثروتمندوں نے حق ادا نہ کر کے اپنے یہاں فراوانی پیدا کر لی، تن آسانی میں مبتلا ہوئے، اخلاق کی گراوٹ انہیں لے ڈوبی، تباہ ہو گئے۔

دوسری آیۃ: فقط بے پائداری و بے ثباتیء جہاں کی باتیں نہیں کر رہی ہے، بلکہ مہلت کا لفظ استعمال کر کے ماجرائے انسانیت کو کھل کر بیان کر رہی ہے، جس میں دولتمندوں اور ناداروں (یا پسماندہ لوگوں) کے درمیان جو غیر متوازن تفاوت موجود ہے؛ ترازو کے پلڑوں کو برابر کرنے کیلئے ایک پلڑے میں نادار کو رکھ کر دوسرے میں دولتمند کے ساتھ بیڑیاں اور نا قابلِ برداشت بھڑکتی آگ رکھ دیا۔ یہی طرز توازن، اللہ کی عدالت کا غماز ہے۔ پورے قرآن میں مختلف طریقوں سے مذکورہ تفاوت کو دور کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ کی طرف سے جو ہدایت دہندگان بھیجے گئے، ان کی بھی یہی ہدایت رہی ہے، کہ تفاوت کو دور رکھا جائے۔ سب نے پسماندہ لوگوں کی خون و پسینہ سے حاصل کی ہوئی گاڑھی کمائی غصب کر کے غیر حقیقی طور پر متموّل بنے ہوئے لوگوں کی مذمت کی۔ فقر میں جکڑ دیئے گئے لوگوں کو اپنے دل سے لگائے رکھا۔ مالدار کو احساس دلایا کہ مال جو دبائے بیٹھے ہیں تمھارا نہیں ہے، اللہ کا ہے۔

قیامت کے آنے سے پہلے ہی اللہ کی طرف سے دنیا دار متمول لوگوں پر جو کچھ گذر چکا ہے اس کی نشاندہی قرآن میں ہو چکی ہے۔ جن کے بنائی ہوئی بلند و بالا عمارتوں کا حشر کھنڈرات کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

اگر غور سے مسئلہ پسماندگی کو دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اللہ نے اسے مٹانے کے لئے ہر قسم کا جتن کیا ہے۔ پورا دین اسلام پس ماندگی کو دور کر کے انسان کو ترقی کے راہوں پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ کی

ربانیت کا تذکرہ پیش کیا جا چکا ہے جو کلاً ترقّی سے وابستہ ہے۔اللہ کے فرستادہ مرسلین،انبیاء وائمہ ، علمائے بزرگ، ہرچند کہ ظالموں کے ہاتھوں فقرومصائب میں مبتلا کئے گئے،عوام کی بحالی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔انہی جیسی روکھی سوکھی کھا کر،اسی روشِ زندگی کو اختیار کر کے جوان کی تھی،ان کی احساس کمتری دور کرتے رہے۔ناداری وغربت سے چھٹکارا دلانے کیلئے انہیں ساتھ رکھ کر زمین کھودتے اور آب پاشی کے لئے کوئیں وچشمے نکالتے ،بند باندھ کر اس کی باریکیوں کو سمجھاتے،کھیتی باڑی کا انتظام کرتے ،ان کی تعلیم کا بندوبست کرتے ،ترقّی کی راہوں پر گامزن کرنے کیلئے نت نئے طریقے بتاتے ۔گویا کہاان کی پوری کوشش ہوتی کہ تفاوت بین تونگری و بیچارگی دور ہو۔اللہ، چونکہ انسان سے کوئی کام جبراً کرانا نہیں چاہتا اس نے کوئی زمانہ خالی نہیں رکھا جو ہدایات کے دائرے سے باہر رہا ہو۔اس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔اس کی مطابقت کرتی ہوئی،آیاۃ قرآنی ملاحظہ فرمائے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

بے شک اگر اللہ چاہتا تو جبراً سب کو ہدایت پر جمع ہی کر دیتا لہٰذا آپ اپنا شمار ناواقف لوگوں میں نہ ہونے دیں۔(انعام ۶/۳۵)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ.

کہہ دو کہ حق تمہارے خدا کی طرف سے ہے،جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہوجائے۔(کہف ۱۸/۲۹)

عدالتِ الٰہی پر نکتہ چینی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے مفاد کے سامنے انسانی خدمات پر اپنا وقت صرف کرنا نہیں چاہتے۔وہ یہ کہنے سے بھی باز نہیں آتے کہ اللہ نے شیطان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ انسان کو بہکانے کا کام کرے، جب کہ انہیں ان مراحل کا پتہ ہے جو حضرت آدم کا مسجود ملائکہ بنائے جانے سے مربوط ہے۔یعنی شیطان اس واقعہ سے پہلے اللہ کا برگزیدہ عبادت گذار تھا،مٹّی کے عناصر کی قوّت اس کی سمجھ میں نہ آئی، آگ کو نسبتاً بالا مقام پر سمجھ بیٹھا۔اس پر مشتمل اپنی خلقت پر مغرور ہو کر نافرمان بن گیا اور راندہ درگاہِ رب العزت قرار پایا۔اللہ کے حضور مغرور ہونا ایسا ہے کہ معاذ اللہ،

اس کا علم اللہ کے علم سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ مغرور ہونا، وہ بھی اس کے حضور جس نے اسے پیدا کیا اور علمِ کامل کا مالک ہے!؟ کم علم مغرور کا عالمِ کل سے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان عناصر کی جس پر وہ خلق کیا گیا، جس کی وہ واقفیت نہیں رکھتا، اللہ اس سے مکمل طور پر واقف ہے۔

دنیا میں کشت وخون کا جو عمل بڑھتا جا رہا ہے شیطان کی طرح نادانی وجہلِ مرکّب کی بناء پر مغروریت کی نشانی ہے۔ منکرِ عدالت خدا ہو جانا عاقبت کا منکر ہو جانا ہے۔ خود مختاری اور مہلت، ہر دو: انسان وشیطان کو ملی ہوئی ہے۔ ہدایاتِ الٰہی جو مبنی بہ عدلِ الٰہی ہے، اس کے مقابلے میں دونوں اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ شیطان بہکا کر اور انسان اس کے بہکائے میں آکر اپنے بھکے ہوئے اعمال کو بھگتیں گے۔ اللہ کی عدالت اپنے مقام پر سالم ہے۔ ہم اسے قبول نہ کریں ہماری سمجھ کا پھیر ہے۔ اللہ غلطیوں سے پاک حکمت پر لاتعداد کہکشاؤں کا پیدا کرنے والا، انہیں ترقّی دینے والا، ان کا مالک، کیا نافہمی کے شکار افراد کی نکتہ چینی کے لئے اپنے عادل ہونے میں بٹہ لگنے دے گا۔ ہمیں چاہئے کہ گہری وبا سعادت سوچ کے مالک بنیں ورنہ اللہ کی عدالت پر شک، ناپائدار فکر غیر خالص اعمال پر نتیجہ خیز ہوگی؛ جب تک عدل کا دامن ہاتھ سے چھوٹا رہے گا لوگوں کے ساتھ تعلقات میں بے انصافی، جھوٹ وفریب وقتی طور پر کام نکال لے جانے کا مشکوک مگر بااختیار حربہ برسرِ کار رہے گا، اخلاقی برائیاں، برائی معلوم نہ ہوں گی اور عاقبت کی خرابی کا باعث بن جائے گی۔ ظالم اپنے مفاد کے حصول کے لئے ہزار حیلے وبہانے بنالیتا ہے، جسے اس میں عدالت کی عدم موجودگی جنم دیتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے ہاتھوں دوسروں کے حقوق تلف ہوں اور ہم انہیں میں سے ایک گردانے جائیں۔

معاشرے میں پس ماندگی انہی غیر عادل مغرور لوگوں کی ایجاد ہے۔ نسل درنسل اقتدار کی بھوک جو انہیں ورثہ میں ملی ہوتی ہے، ان پر اس قدر حاوی ہو جاتی ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں پاتے کہ وہ اس سے ہٹ کر کسی اور فکر پر مبنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اگر اس سے ہٹ کر کوئی فکر دامن گیر ہو بھی جائے تو ان کی ہوس اس سے گریز ناممکن بنادیتی ہے۔ ان کی یہ خود فریبی انہیں مجبور کر دیتی ہے کہ حقیقتوں سے گریزاں جہل ونادانی کو اپنے اوپر روا در رکھیں۔ یہاں ان کی کمزوری بن جاتی ہے اور وہ ایسے بوجھ تلے جا

پڑتے ہیں کہ سر اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی اس ناگزیر حالت کی بناء پر وہ اللہ کی بزرگی کا اندازہ نہیں کر پاتے۔ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ہر ناحق اعمال کو جائز قرار دے لیتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنی محکوم رعیت کے واسطے علم کا دروازہ بند کر دیتے ہیں تا کہ ان کی سوجھ بوجھ جاتی رہے اور وہ ان سے زبردستی کام لے کر اپنی تجوریاں بھرتے رہیں۔ حق کو چونکہ انہوں نے باور کیا ہی نہیں؛ حقیقتوں کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل ان کے یہاں فراوانی پیدا کر دیتی ہے اور وہ زیاں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ایک فرد کی عیش وعشرت کے لئے ایک جمِ غفیر جہل وفقر کو بھگتی رہتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت کا ہدایات سے گریزاں یہ تحفہ بے روک ٹوک چلا جارہا ہے! روشن وفراواں ہدایاتِ الٰہی کو وہ اگر جانتے بوجھتے نظر انداز کرتے ہیں تو وہاں ان کی ذمہ داری ہے۔ یوم الدین پر رتی رتی کا حساب چکالیا جائے گا۔

تفاوت و ناہمواری کو کیسے روکا جائے کہ پس ماندگی دور ہو؟

عوام میں خوفِ خدا پیدا کر کے، علم جس میں قرآن سے ماخوذ دینی افکار شامل ہوں، عام کیا جائے۔ وہ علوم جنہیں ہم دنیوی کہتے ہیں، وہ بھی دین ہی کا حصّہ ہیں۔ علوم مدارسِ دینی اور علوم دانشگاہی کو آپس میں اس طرح جکڑ دیا جائے جیسے دونوں ہاتھوں کے پنجے انگلی میں انگلی گاڑ کر گرفت میں لئے جاتے ہیں۔ ان کا اعلیٰ و ارفع ہونا لازم ہے؛ زندگی کے دوڑ میں کامیابی بغیر اس کے آسان نہیں۔ برائیوں کی بابت بھی علم ہونا لازم ہے کہ ان سے بچنا بغیر ان کی پہچان کے ممکن نہیں۔ عوام میں علم کی کم سے کم مقدار اتنی ہو کہ ایک شخص روز مرہ کے مسائل جو پیش آتے ہیں ان کے موافق اور مخالف دلائل تلاش کر کے، یا چھان بین کر اس کا حل پیدا کر سکے۔ مگر اسے موقّتی ہونا چاہئے یعنی ایک نہایت محدود عرصہ کے لئے۔ لوگوں میں آگاہی پیدا کی جائے کہ وہ تاحیات علم حاصل کرتے رہیں۔ ہر وہ لمحہ جو گذر جاتا ہے، اس کی لو مدہم پڑ جاتی ہے، اس لئے کہ ترقّی کے ساتھ ترقّی یافتہ زمانہ اس سے روشن تر علم وجود میں لے آتا ہے۔ انہیں بتایا جائے کہ جہل کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، وہ علم کو فروغ دے کر ترقّی کی راہیں دکھانے والا دین ہے۔ اسی لئے علم کا حصول اسلام نے واجب قرار دیا ہے۔ اسے حاصل نہ

کرنا بے راہ روی کو اپنے اوپر وارد کر لینا ہے۔ اس کو حاصل کئے بغیر بے حس و حرکت مسلمان ترقی نہ کر سکیں گے اور ہمیشہ دوسروں کے محکوم بنے رہیں گے۔ جہاں اور جیسے بھی ممکن ہو علم کے حصول میں اس سرعت سے جھپٹا مارنا چاہئے جیسے مجاہد دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے، اس میں معمولی سا بھی ڈھیلا پن جان کو ہلاکت میں ڈال دینے سے کم نہیں۔ اسلام کے اس پیغام کو چاروں طرف سے اس قدر نشر کیا جائے کہ دھوم مچ جائے؛ اس طرح علم عام کیا جائے۔ اس فرض میں ہر شخص کو حصّہ لینا چاہئے یعنی خود اعلیٰ وارفع علم حاصل کرے اور دوسروں کی بھی مدد کرے۔ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک مقتدر لوگ، خواہ وہ گھر ہی کے افراد کیوں نہ ہوں، اپنے اقتدار کے غرور کو دور کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ پس ماندگی اپنا سر اٹھا کر رکھے گی۔ اس سے نجات ممکن نہ ہوگا۔ اس کے لئے امام سجّاد کی دعائے مکارم لاخلاق کے مندرجہ ذیل ٹکڑے کو حاضر ذہن کے ساتھ وردِ زباں رکھ کر اپنے اوپر اس کا اطلاق کرتے رہیں۔ اپنا احتساب کرتے رہیں؛ آیا کہ اس کیفیتِ افتخار و رعونت میں متواتر کمی ہوتی جا رہی ہے؟ اس کی جگہ منکسر مزاجی و خوش اخلاقی لے رہی ہے یا نہیں؟۔ اس موزی بیماری سے بچاؤ کی امکانی ہر کوشش لازم ہے۔ ہمارا یہ عمل دوسروں کے ساتھ تعلقات میں نہایت خوش گوار اثر ڈالے گا اور ہم انسان بن کر ابھریں گے۔ اس کا اتنا تکرار کیا جائے کہ غرور کا سر نیچا ہو جائے۔

امامؑ کی دعا: 'پروردگار، تو لوگوں میں میرے درجے کو جتنا بلند کرے، اتنا ہی مجھے خود اپنی نظروں میں پست کر دے اور جتنی ظاہری عزّت دے اتنا ہی میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس پیدا کر دے'

اس کے علاوہ کیپیٹل ازم کی لعنت کو، جو دھوکا دھڑی کا نظام ہے، لوگوں کو ترقّی سے دور رکھ کر محکوم رکھنے کے علاوہ کچھ نہیں، مساواتِ محمدی پر مبنی ترقّی کی راہوں پر ڈال دینے والے نظامِ اقتصاد اسلامی سے بدل دینے کی سعی کی جائے۔ فراوانی، انسان میں تن آسانی پیدا کرتی ہے۔ اس کی بناء پر ناچ گانا، تاش کے کھیل، شطرنج وغیرہ میں صرف کیا ہوا وقت جو مفید و ترقّی کی راہوں پر گامزن کر دیتا، ان میں مشغول رہ کر غفلت کے حوالے ہو جاتا ہے۔ یہی خرافات، عادت کا حصّہ بن کر دنیا کی دوسری

برائیوں میں مبتلاء کر دیتی ہے، جونری بے راہ روی ہے۔ تاریخ گواہ ہے، اس طرزِ زندگی نے گذرے زمانے میں پنپتی ہوئی تہذیبوں کو ملیامیٹ کر دیا؛ یہ اسی نظام کا تحفہ ہے، لوگ اس میں دوسروں کے دیکھا دیکھی پھنس کر مقروض بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے ادائگی کی صعوبتوں کو بھگتے رہتے ہیں۔ اگر لذّت تفریح ہی مقصود ہے تو ان بے سود حرکات میں ضائع کئے اوقات کو اپنی نشوونما، کے لئے: مطالعات، لکھنے پڑھنے، اعلیٰ علوم کے حصول، مستحقین و ناداروں کی امداد میں صرف کر کے اپنے اخلاق کو درست حالت میں رکھنے کے ساتھ حلال کی کمائی کا وسیلہ بھی بنایا جا سکتا ہے، اس کے حصول پر جو راحت و خوشی محسوس ہوگی ناجائز تفریحات پر ضائع شدہ دولت و وقت سے کہیں زیادہ ہوگی۔ گاڑھی کمائی سے حاصل شدہ آمدنی سے اپنے واجب اخراجات کے بعد انسانی بحالی کے امور پر صرف کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے، جو اصل عبادت ہے۔ اللہ دولت اس لئے دیتا ہے کہ اپنے اوپر کم سے کم خرچ کر کے بقیہ رقم اس کے حقداروں کو بلا چون و چرا اور جلد تر پہنچا دیا جائے، تا کہ عدالت کے ترازو کے پلڑے ہم سطحی برقرار رکھیں۔ یہ ہماری دین سے ناواقفیت اور اس کے قوانین: اصول و فروعِ کو باور نہ کرنے اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ یوم الدین کی مصیبتوں کو اگر ہم زیرِ نظر رکھیں، خود فریب بے راہ روی کے گناہ سے بچ سکتے ہیں اور اللہ سے ثواب حاصل کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾

ہر نفس اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔ (مدثر ۷۴/۳۸)

اسلامی درسگاہیں، مساجد و امام بارگاہیں، منبر و علماء؛ سب عدل کے مقام کو بلند رکھ کر لوگوں کے اعمال کو حق سے متصل رکھنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اخلاق اسلامی کی طرف لوگوں کو رجوع کرنے کے بجائے تعصب آمیز باتیں کی جاتی ہیں، اور وہ کام جو ان کے ذمّے تھا یعنی اصلاحِ اخلاق، انجام نہیں پا رہا ہے۔ اس بناء پر وہ مسلمانوں کی پسپائی و پسماندگی کے فروغ کے جرم میں تعاون کر رہے ہیں۔ نتیجتاً، مسلمان اپنا وقت اور گاڑھی کمائی جو وہ ان اداروں میں آ کر صرف کر رہے ہیں، ذیاں کا شکار ہے۔ اگر یہی برائے ترقّی اور انسداد بے راہ روی ہوتا، عمل احسن ہوتا۔ ان اداروں کا کام تھا کہ مفکّر و

مدبّر حضرات کی ایک کمیٹی بنا کر منصوبہ بندی کرتے، اس کے ذریعہ عوام کو ترقّی وکمال کی طرف راغب کر کے اعلیٰ وارفع علم کے حصول کے ساتھ، انسانی خدمت کا ولولہ پیدا کردیتے۔

ضرورت ہے کہ مفکّرین وعلماء یک جا ہو کر اس کی اصلاح کی صورت تلاش کریں۔۔

ہمارے ہادیان برحق نے ان اداروں کی طرّ احی، بے راہ روی کی تلافی وتدارک ہی کے لئے کی تھی۔ یہ ادارے چل تو رہے ہیں مگر اپنے صحیح مقاصد سے گریزاں رسوم میں پھنس کر بے روح ہو گئے ہیں، ضرورت ہے کہ جلد از جلد ان کی تشکیل نو کی جائے، تا کہ بے راہ روی کی بیخ کنی کر کے اصلاح کا وہ کام جو ان سے حاصل کیا جانا تھا پورا ہو سکے۔

۲۔ مراکزِ بے راہ روی

يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

جس دن ظالموں کے لئے کوئی معذرت کارگر نہ ہوگی اور ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہوگا۔ (غافر ۴۰/ ۵۲)

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴿۱۰﴾

بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنا لیا، اور وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔ (شمس ۹۱/ ۹۔ ۱۰)

خوش آئند وروح پرور صورت حال یہ ہے کہ خداوند کریم نے آفاق کی ہر شے کے وجود تخلیق کو مخصوص ودقیق علل سے نوازہ اور قدر ومنزلت عطا کی، راہ ورسم کے نرم ونازک مگر قوی بندھن کو ایک دوسرے میں ہم آہنگی وپیوستگی، عطوفت رمہربانی ومواصلت کا وسیلہ بنایا۔ انسان کو افلاح انسانی کے لئے اپنی فیضِ بے کراں سے، نباتات وحیوانات وجمادات پر حقِ تصرّف سے سرفراز کیا۔ اس کی سرشت میں ضمیر جیسا روشن رہنما چراغ اور عقل کی تمازتوں کے ہمراہ علم وحکمت کی کامل دستاویز مرحمت فرما کر اپنے مخصوص پاک وپاکیزہ ہدایت دہندگان کی طرف اشارہ کر کے متنبہ کر دیا کہ اس کے رموز فقط ان سے معلوم کرنا: ان کی دی ہوئی ہدایات تمہیں رشد وارتقا کی راہ پر گامزن کر دے گی۔

فلاحِ انسانی کیلئے ترقّی عین عبادت ہے

عبادت کیا ہے؟ بہت سادہ الفاظ میں ؛ 'حقوق العباد ادا کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کر لینا' جو خدمت انسانیت میں مضمر ہے۔ موضوع کے اعتبار سے، اسے جہالت کی ظلمات سے نکال کر ترقّی کی روشن راہ پر گامزن کر دینا ہے۔ بے راہ روی سے اسے نجات دلانا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم مراکز بے راہ روی کی تلاش شروع کریں، اس حقیقتِ گم کردہ "ارتقاء" کی نشاندہی ضروری ہے، جسے اللہ نے انسان کو دنیا کی مسافرت میں خوش وخرّم دیکھنے کے لئے بنایا ہے۔ افسوس کہ ان مسرور کن اسباب کے سامنے دیواریں کھڑی کر کے اس کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا۔ دینِ اسلام نے جو زرّین اصول مرتب کئے ہیں، انہیں اعمال کا رہنما بنا کر انسان سکون وچین کی زندگی بسر کر سکتا تھا، مگر ان میں مسلمانوں کو متحرّک رکھنے والے جو مقاصد و وسائل و جود رکھتے تھے یا بر سرِ کار تھے انہیں دانستہ طور پر خارج کر کے بے روح بنا دیا گیا۔ چونکہ وہ یادرفتہ کی نذر ہو کر ہماری دست رس سے باہر ہو گئے تھے اور ہم ان پر عامل ہی نہ رہے۔ ان کی غیر موجودگی نے جو خلا پیدا کیا تھا، غیر اسلامی طرزِ زندگی نے اسے پُر کر دیا اور غیر صالح حیات ہمارے سر پر سوار ہو گئی۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلام کے بیشتر ارکان ادا کرتے تو ہیں مگر چونکہ ہم ان کا ادراک نہیں رکھتے اور بے دھیانی میں بطور رسم ادا کرتے ہیں اصولہائے اسلامی درست اثرات مرتب کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں؛ ہم میں خلوصِ عمل پیدا نہیں ہو پاتا۔ مثال کے طور پر "قیامِ صلاۃ"، ہم جانتے ہی نہیں، کیوں یہ ہم پر واجب کیا گیا، وہ کون سے مقاصد ہیں جو اس سے وابستہ ہیں؟ سر دست ہم فقط ایک کلمہ کو جس کا تذکرہ اس سے قبل بھی آچکا ہے، اور اس کی اہمیت کے مدّنظر آئندہ بھی آتا رہے گا بار دیگر موضوع بنا لیتے ہیں۔ یہ کلمہ بیشتر اوقات وردِ زباں رہتا ہے: سورۃ حمد کی عام حالت میں اور خصوصاً دورانِ صلاۃ (نماز) میں بار ہا تلاوت کرتے ہیں، جہاں دوسرے کلمات بے دھیانی میں ادا ہوتے ہیں 'ربّ العالمین' (تربیت کرنیوالا، تدریجاً کمال تک پہنچانے والا) بھی اس کی نظر ہو جاتا ہے۔ رکوع وسجود، استغفار ودعاؤں میں بھی اس کی تکرار کرتے ہیں، وہاں بھی یہی کیفیت رہتی ہے۔ نتیجتاً اس کے بلند و بالا مقامات، ہماری

آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔اسی وجہ سے اس سے جو مفادات وابستہ ہیں ان سے ہم محروم رہ جاتے ہیں۔،ساختمانِ اخلاق ڈھے پڑتا ہے۔

مثال کے طور پر: دورِ حاضر کی ترقّی کی طرف جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خلا کو چیرتی ہوئی انسانی نظریں، دوسرے سیاروں کے جھرکوں میں کوندتی ہوئی، وہاں کے آثارِ ارتقاء کے نوادرات کی تلاش میں سرگرم ہیں۔بہ نظر غائر اگر اس ترقّی وکمال کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے تو اس سے دو متحرک مگر متضاد راہیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ایک جس پر مادّیت کے ساتھ جڑی ہوئی عاقبت سے بے پرواہ آدمزاد کی ٹولی ہے، جو شمشیرِ برہنہ ہاتھ میں تھامے ترقّی کے لمبے لمبے ڈگ بھرتی آگے بڑھتی چلی جارہی ہے؛ راستے میں جو آتا ہے بے خوف بزن کا نعرہ لگا دیتی ہے۔اور دوسری طرف علم کی قوت قیام سے نا آشنا، بھوک وننگ میں مبتلاء ادبار تلے دبی ہوئی مرجھائے ہوئے انسانوں کا بے آب وتاب سمندر ہے جو اپنے وجود کی شناخت نہیں رکھتا۔بہ الفاظ دیگر: ایک طرف مادّیت کے حامل تیز تر ترقّی اور دوسری طرف انسانیت سے بندھی نقاہت آمیز ترقّی۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ انسان کو اللہ نے اپنی مخلوقات میں اشرف ترین مقام عطا فرمایا ہے۔اشیاء پر حقِ تصرّف دیا ہے، تاکہ اس سے استفادہ کر کے ترقّی کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے، اور شرفِ اشرفیت کا تقاضا پورا کرے۔

عجب کیفیت ہے۔اللہ نے دنیا کی ہر شئ کو دلیل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ایسے حالات کیوں رونما ہوئے؟ دلائل کے سہارے یہ سوال ان مراکز کا پتہ بتائیں گے جن کی ہمیں تلاش ہے۔یعنی مراکز بے راہ روی۔

ان گذارشات میں ہم سمجھتے چلے آرہے ہیں کہ اس مادّی دنیا میں کوئی ایسی چیز وجود نہیں رکھتی جو بے دلیل ہو اور ماحول اس پر اثر انداز نہ ہو۔گویا کہ بے راہ روی بھی حتماً ماحول کے دباؤ کو قبول کر کے مخصوص علّت کے تحت رونما ہوتی ہے۔کتاب کے گذشتہ مضامین میں یہ مسئلہ سامنے آچکا ہے کہ غیر عادل حکمران کی بیشتر تعداد غیر صالح رہی ہے۔ان سے حق کی توقع بے معنی تھی، حق سے دور ہی رہ کر وہ اپنے بے راہ مفاد پورا کر سکتے ہیں۔انسان کی خلقت کے بارے میں قرآن کی زبان میں نہایت واضح الفاظ

میں اعلان ہے:

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

یہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا (یوسف ۳۰/۳۰)

اس آیۃ کی رو سے انسان کی خصلت میں بھی وہی سب کچھ ہونا چاہئے جو الٰہی فطرت میں موجود ہے۔ رب کے معنیٰ ومقاصد کو گذشتہ صفحات میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اللہ نے دنیا کی ترقّی کو سرِ برنامہ رکھا ہے۔ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے، اس کی خصلت میں ربّانیت موجود ہے۔ یہی وہ کچھ ہے جو انسان سے توقع رکھتا ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر، یہاں کی ہر شئے کو جو اس نے اس کے تابع کردی ہے مصرف میں لائے اور ترقی کے اس کام میں، بغیر کسی وقفے کے ہمہ تن مشغول رہے۔ کوئی فرد بشر ایسا باقی نہ رہے جو ترقّی کی طرف قدم بڑھاتا نظر نہ آئے۔ اس میں مخصوص شرط فلاحِ انسانی رکھی۔ یہ شرط اس لئے رکھی گئی کہ اگر انسان کی زندگی تنگ دستی وپریشانی کے عالم میں گذاری تو وہ حصولِ علم وحکمت میں ناکام رہے گا؛ جو پریشان حالی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر ترقی کی راہ سے کٹ کر حالتِ جمود میں پڑ جائے گا تو پسماندگی کا شکار ہو کر ناکارہ ہوجائے گا؛ اپنی ہستی کھو بیٹھے گا۔ مرتبت ربّانیت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اس کے نتیجے میں اس کے حصّے کا کام معطل ہو کر ترقی کے بزرگ منصوبے کو دھچکہ لگائے گا۔ علاوہ براین، چونکہ اللہ ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے، مندرجہ آیۃ کے تحت اس نے انسان کو ضمیر یا وجدان جیسی قوّت بھی اس کے باطن میں قرار دے دی کہ وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کے قابلیت کو برقرار رکھنے میں اس کی مدد کرتی رہے تاکہ وہ بھٹک کر ترقّی کی راہ سے ہٹ نہ جائے۔

باوجود اتنے اہتمام کے چونکہ زمین پر زندگی بسر کرنے والوں کی بڑی اکثریت علم وحکمت کی رسائی سے دور ہے، ہمیں اس مسئلۂ ناشائستہ کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ اوّل ان منابع کو تلاش کرنا ہوگا، جنہوں نے آگاہی کے ذرائع کو ان کی رسائی سے دور کردیا اور بے بس بنا کر، اپنے مفاد کے قید خانے میں مقیّد کر رکھا ہے۔ نہ فقط ان کی ترقّی میں حائل ہیں بلکہ اللہ کی دی ہوئی خود مختاری کا غلط فائدہ اٹھا کر دنیا کی

ترقی کی راہیں تنگ کردی ہے۔ اگر اس پس ماندگی کی شکار جم غفیر کو علم وآ گاہی سے دور رکھا نہ گیا ہوتا تو ان کی قوت وتوانائی کی شمولیت کے ساتھ دورِ حاضر کی مجموعی ترقی انسانی خیال وخواب سے باہر ہوتی اور پوری انسانیت چین کی بنسی بجاتی نظر آتی۔

یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے کہ انسانی جہالت و پسماندگی کے ذمہ دار عناصر، غیر معقول، بے انصاف، جابر حکمراں اور ان کے ساختہ معاون: تقدس کا لبادہ اوڑھے ہوئے خودفریب دکھاوے کے علماء ہیں، جن کے دل و دماغ میں ان کی مطلب پرستی کے روبرو دین اسلام کی تعلیمات جگہ نہ پا سکیں۔ یہی دو عناصر ہیں جن کے وجود سے بے راہ روی کو جنم ملا۔ ضرورت ہے کہ معلوم کیا جائے؛ کن وجوہات کی بناء پر ان عناصر سے چوک ہوئی اور دوسروں کو بے راہ کر کے خود بے راہ ہوئے۔ جب کہ اللہ کی طرف سے ہدایت وآ گاہی کے ساتھ انتباہ کا بھی سلسلہ ہمیشہ جاری رہا؟ اس سے متعلق چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

اولادِ آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبردار شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا کہ یہی سیدھا راستہ ہے (یٰسین ۳۶/ ۶۰-۶۱)

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا
وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾

ہمیں اور ان دولتمند جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں، انہیں تھوڑی مہلت دے دیں۔ ہمارے پاس ان کے لئے بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور آسمان لرز جائیں گے اور پہاڑ ریت کا ٹیلہ بن جائیں گے (مزمل ۷۳/ ۱۴-۱۱)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿١٠﴾

بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کرلیا۔ (شمس ۹۱ / ۱۰۔۹)

مندرجہ بالا کے علاوہ قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں، جو انسان کو بے راہ روی سے بچانے اور اعمالِ صالح کی طرف راغب رکھنے کے لئے ہدایات کررہی ہیں۔ یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ صالح راہ، وہ تنہا راہ ہے جو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہو اور جو ایسی ہدایات کی مالک ہو جن کا تعلّق فقط اللہ سے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنے اخلاق سے مطابقت کرتے ہوئے اخلاق پر خلق کیا ہے (۳۰ / ۳۰) اور اسے بتا بھی دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی اور کا اخلاق نہ اپنا لینا۔ اس لئے کہ اس سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ نہیں ہے جسے صالح کہا ج اس کے۔ ان پر قائم رہ کر جو انسان دنیا کی مسافرت طے کرے گا، اللہ کی خوشنودی کا مستحق بن جائے گا اور عاقبت بخیر ہوگی۔

دین سرشتۂ انسان

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیۃ کے ذریعہ اللہ کی اپنے بندوں پر مہربانی کا تذکرہ کرتا ہے کہ۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝

اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر و فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دہ دیا ہے۔ (حجرات ۴۹ / ۷)

کامیابی کا ترقّی سے چولی دامن کا رشتہ ہے۔ چونکہ یہ پاکیزگی کے ساتھ ترقّی خالص کلیات پر عمل کر کے حاصل ہوتی ہے، جہاں بے راہ روی کی حکم رانی ہوگی وہاں پاکیزگی معطّل ہو کر دبک کر بیٹھ جائے گی، اس میں آدم زاد کو خالص ترقی کی سمت لیے جانے کی صلاحیت نہ رہے گی۔ وہ مخصوص مقامات جو عمل صالح سے دور کردیتے ہیں اصل مراکزِ بے راہ روی ہیں، جو ترقّی کی ضد ہیں۔ ان کے نام خود ان کا پتہ بتاتے ہیں۔

خودفریبی و خودناشناسی

تہذیب و تمدّن، جس میں ہم اس وقت زندگی گذار رہے ہیں، متذکرہ وجوہات کی بناء پر، انسانیت ساز نہیں ہے۔ چونکہ انسان کی دین شناختہ ساختِ فطری جو اس کی طبعیت سے ہم آہنگ ہے، راہ حق سے دور شدہ، غیر شائستہ تہذیب کی شناخت نہیں رکھتی، انسانیت یادِ رفتہ بن کر رہ گئی ہے۔ اخلاقِ برائے سربلندی انسانیت اور دینی و روحانی اقدار کے قائل ہوتے ہوئے بھی، اس پر عامل نہیں۔ اگر قائل ہے اور اس پر عامل نہیں تو خودفریبی کے علاوہ کیا ہے۔ خودفریبی بھی اسی وجہ سے ہے کہ خود کو اپنی شناخت نہیں۔ پشتہا پشت سے سفر کرتی ہوئی یہ خصلت اس پر بھی مسلّط ہے۔ یہ تحفہ نظام صنعت کی طرف سے حاصل ہوا ہے، جو نظام مادّیت پسند سرمایہ داری سے تعلّق رکھتا ہے، اور جس میں انسانیت کا کوئی وقار نہیں۔ گہری نظر ڈالی جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ خودفریبی، خودناشناسی کی پیداوار ہے۔

آدم زاد کے جسمانی ڈھانچے میں ہر دو، اغراض حیوانی اور انسانی مخلوط ہیں۔ یعنی، اللہ نے آدمی کو مخصوص صفات کا مالک بنا کر پیدا کیا ہے۔ ایک طرف مانندِ حیوان: تعاون، دوستی، شہوت، غضب، حب اولاد و دیگر خواہشات و اغراض سے وابستہ کیا اور دوسری طرف: فطری معرفت، عقل، ضمیر، اور دوسرے اعلیٰ اقدر مخصوص رجحانات کا مالک بنایا، تاکہ ان کی روشنی میں، جہان کے خالق کو پہچان سکے، اور اچھائی و برائی میں تمیز کر کے ان خصائل سے جو اللہ کے اخلاق سے موافقت رکھتے ہوں استفادہ کرے اور اس کمال پر اپنے آپ کو پہنچائے کہ انسان کہلانے کا مستحق بن جائے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو اپنی قدر و قیمت سے آگاہ نہیں اور اپنے حدود کی حفاظت نہیں کرتا، ہلاکت و تباہی میں جا پڑتا ہے۔ کتاب شہاب، ص ۵۸

علی علیہ السلام نے فرمایا: جو کوئی اپنی شناخت نہیں رکھتا، صحیح و نجات بخش راستے سے دور ہو جاتا ہے اور جہل و گمراہی میں پھنس جاتا ہے فہرستِ غرر، ص ۳۸۷

خود شناسی انسان کو فکر کرنے کی قوّت بخشتی ہے، غفلت و بے خبری کو دفع کرتی ہے، اسے

مطالعات اور عقل سے کام لے کر جملہ مادی وروحانی روشہائے انسانی کو سمجھ کر اپنے آغاز وانجام سے آگاہ کرتی ہے، اس قابل بنا دیتی ہے کہ خود سے سوال کر سکے: میں کیا ہوں؟ کہاں سے اور کس طرح وجود میں آیا؟ کون میرا خالق ہے؟ کس کام کے لئے آیا ہوں؟ میرے ذمّہ کیا کام ہے، کیا اس کو اس کے شایانِ شان انجام دے رہا ہوں؟ اس مسافرت کے بعد کہاں جانا ہے؟ وغیرہ غیرہ۔

اس مقام پر ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ کسی معاملے میں فکر کرتے وقت، اپنے آپ سے جتنا اچھا سوال کیا جائے گا، دماغ سے اتنا ہی اچھا جواب حاصل ہوگا۔ اس کے ساتھ جو شرط ہے؛ وہ عمیق مطالعات، مشاہدات وتجربات میں مستقل مشغولیت ہے، ایسی مشغولیت تجربات میں اضافہ کر کے ذخیرۂ یادداشت کو بڑھاتی رہتی ہے ذہنی آگہی میں بھی توسیع ہوتی رہتی ہے۔ اس کے ذریعہ ہماری یادداشت میں جتنا زیادہ موادمحفوظ ہوتا جائے گا یا موجود ہوگا، اسی قدر سوالات کے ذریعہ فکر کرنے کی صلاحیت بڑھتی جائے گی، جسے مفادِ انسانی کے لئے تحقیقات واختراع کے کام میں لا کر ترقی کی راہوں کو طے کیا جا سکتا ہے، یہی اصل خواستِ خدا ہے۔ یہ زندہ و پرمغز فکر، باسعادت ترقّی کی طرف پروازِ میں نہایت درجہ معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مدد سے میدانِ تحقیقات وایجادات میں داخل ہو کر علم ودانش کی نئی راہیں کھولنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ امر نہایت مہم ہے، جس کی کوشش ہمیشہ جاری رکھنا اشد ضروری ہے۔ یہ بات ہمہ وقت ذہن نشین رہنا چاہئے کہ خود غرضی وخود خواہی کو بالائے طاق رکھ کر ہر فکر ونظر کے مرکز کو فلاحِ انسانی میں کام لائے، جس میں اسے ترقّی کی راہوں پر گامزن کرنا مطمحِ نظر ہو۔ اس فکر کی ضد نہ ہو۔

ایسے علوم جو فقط مکاتب مادّی سے متعلّق ہوں، ان سے اجتناب لازمی ہے کہ وہاں مادّیت کی بناء پر خود غرضی شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اب بھی وہی کچھ ہو رہا ہے، مگر پسِ پردہ اس حالتِ غلامی کو برقرار رکھنے کے لئے انسان نما بھیڑیوں نے کثیر رقم پر مبنی بجٹ کے ساتھ خفیہ تنظیمیں تشکیل دے کر ساری دنیا میں پھیلا دیا اور اپنا تسلّط قائم رکھنے کے لئے ہر طرف چیر پھاڑ مچا رکھی ہے۔ یہ انسانیت سوز فکر، حال آنکہ جبلّت انسانی کے خلاف تھی، مگر مادّی منفعت نے اس پر فوقیت حاصل کر لی اور دل ودماغ پر پہرہ بٹھا کر اسے جائز قرار دے دیا۔ حال ہی میں ٹائم میگزین نے نائجیریہ کے مجسّمہ ساز ینکا شونیبیرے کی

دو بغیر سر کی عورتوں کے مجسمے کی تصویر شایع کیا جس میں دونوں آمنے سامنے کھڑی، ہاتھ میں پستول کو ایک دوسرے کا نشانہ کئے کھڑی ہیں۔ اس کا عنوان ''کس طرح دو (۲)۔ سروں کو یکدم جدا کیا جائے؟'' رکھا گیا ہے۔ یہ فوٹو انِ مغربی خفیہ تنظیموں کی حکمتِ عملی کی طرف سبق آموز، طنزیہ اشارہ ہے جو وہاں کے متحرب جتھوں کو ہوشیار باش کی صدا دے رہا ہے۔

اصل علوم وہ ہیں جن کی جڑیں، تعلیماتِ اسلامی (دین اسلام) کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں، معرفت نفس و خود آگاہی، اصولِ پاکیزگی و فضیلت انسانی کے حق میں ہوں، (ایسے نہ ہوں جنہیں غیر انسانی کہا جا سکے، ظالموں کے ہاتھ انسان کشی کا سبق ملتا ہو): خود شناسی و نفسانی خواہشات کی برائیوں سے آگاہ کر کے لوگوں کو اس سے باز رکھتے ہوں۔ پاک و غیر پاکیزہ راہ، روا و ناروا رجہانات کی شناخت پیدا کر کے، ان سے تمسک یا بیزاری کی تمیز کے ساتھ چوکنا رکھتے ہوں۔ خود غرضی، شہوات، خود سری، بے انصافی، بدگمانی، بے ایمانی، ہوائے نفس اور دوسرے ناشائستہ اعمال سے دور رکھتے ہوں۔

سرسری طور پر، ہم نے اس باب میں بے راہ روی کے عوامل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس دور میں جبکہ علوم کو فروغ مل رہا ہے، انسانی آگاہی میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے؛ بقولِ، دنیا بازیچۂ اطفال بنتی جا رہی ہے۔ پھر بھی بے راہ روی ہمیں اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ آئندہ باب میں ہمیں کوشش کر کے معلوم کرنا ہے کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں ہم سے چوک ہو رہی ہے۔ ہم جانتے بوجھتے اپنا منہ چھپائے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلاء کر رکھا ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو یہ ہماری غفلت کی سزا ہے، جنہیں ہمیں اور ہماری اولاد کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا

''اس سے قبل کہ تمھارے دشمن تم سے آگے بڑھ کر اپنے افکار تمھارے بچوں میں ثبت کر دیں، جس قدر جلد ہو سکے اسلامی ہدایات سے انہیں آگاہ کر دو، تا کہ ان پر غلط، جھوٹے اور ناپائیدار افکار اثر انداز ہونے نہ پائیں۔''

یاد رکھنے کی بات ہے کہ اختیار کی ہوئی ہر بری عادت، اچھی عادت کی راہ کو مسدود کر دیتی

ہے۔ جیسا ہم سمجھتے آئے ہیں عادت کا سب سے بڑا تعلّق، ایاّم طفلی سے ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ گھر کا ماحول ہی ہمیشہ اسلامی رکّھا جائے۔ یعنی اصولِ دین کے مدّنظر فروع دین کے احکام پر آگاہی اور ہوشمندی سے سوفی صد عمل درآمد ہو۔ معمولی فاصلہ بھی چھوڑا نہ جائے، کہ طاغوتی افکار کے لئے گنجائش پیدا ہوسکے۔ بچّے کو فقط اصول وفروعِ دین رٹا دینا کافی نہیں؛ جیسا کہ ہمارے گھروں میں معمول ہے۔ بچّے کے سامنے انہیں عملاً کر کے دکھانا ہوگا، تب ہی وہ انہیں باور کرنے کے قابل ہوسکے گا اور خود بھی ان پر عمل پیرا ہوسکے گا۔

ہمارے لئے اشد ضروری ہے کہ، پانچوں وقت، قیام صلاۃ (نماز) ادا کرنے کے دوران، اس کے معنیٰ میں جو اعمال مضمر ہیں ان پر عمل پیرا رہنے کی جو قربتاً اِلی اللہ نیت ہوتی ہے، اس پر دھیان رکھّیں، تا کہ اس سے ہٹنے نہ پائیں۔ اس کیلئے مستقل طور پر اپنی یاد آوری کراتے رہیں، کہ واجباتِ اسلامی رسمی طور پر ادا کرنے کیلئے نہیں ہیں۔ اس کے کلمات میں اللہ کی ربّانیت سے متعلّق، متعدد بار تاکید ہے۔ اس کلمہ (مستقل ترقّی کرتے رہنے کی تاکید) میں جو راز پنہاں ہے، وہ یہ ہے کہ ترقّی اپنے ساتھ پورے کاروانِ حیات کو لے کر چلتی ہے۔ اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ انسان کے سارے اعمال اس سے منسلک ہیں۔ انسان اگر ترقّی کرتے ہوئے زندگی کی مسافرت طے نہیں کرتا تو گویا کہ تنزّلی، دامن گیر ہوجاتی ہے۔ وہ ناکارہ بن جاتا ہے۔

اس طرح ترقّی نہ کر کے حقِ قیام صلاۃ ادا نہیں کرتا۔ صلاۃ، جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں؛ "اللہ کی اتباع، فرماں برداری یا عبادت ہے" اگر انجام نہیں پاتی تو عبدیت درہم برہم ہو جاتی ہے۔ اس طرح، قیام صلاۃ، اپنا مقصد کھو بیٹھتا ہے۔ اور انسان اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں پست بنا کر پیش کرتا ہے۔ جو اللہ کی غلامی یا عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی غلامی قبول کر لیتا ہے۔ اللہ کو تنزّلی پسند نہیں۔

اگر ہم فکر کریں اور عقل سے کام لیں تو اندازہ ہوگا کہ، بے دھیانی اصل میں غفلت ہے۔ انسان کو ناکارہ بنا کر محرومیت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

مندرجہ بالا قول امامؑ ہمیں ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہے کہ اگر ہم مقاصد اسلامی سے غافل

رہے تو بے راہ دشمن، ہماری اولاد پر اپنے پنجے گاڑ دے گا، وہ بے راہ ہو کر اپنی عاقبت خراب کر لیں گے۔

بسمہ سبحانہ

۳۔ غفلت و بے حسی

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۳۹

ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے، جب قطعی فیصلہ ہو جائے گا، اگر چہ یہ لوگ غفلت کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ مریم/۳۹

غفلت سے خبر دار؛ کہ سنگدلی تنہا غفلت سے نشو نما پاتی ہے امیر المومنین

بیداری نور ہے؛ بیداری بینائی و بصیرت ہے؛ بیداری و دین سے آگاہی اللہ کی بخشی ہوئی نعمت ہے۔ امیر المومنین

غفلت ہو یا خواب گراں اس قدر مہلک بیماری ہے کہ اگر کسی کو اپنی گرفت میں لے لے تو اسے برباد کر کے ہی چھوڑتی ہے۔ یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں کہ مسلمان جس قعرِ مذلت میں پھنسا پڑا ہے، اس کی آئندہ نسل، اس کی آنکھوں کے سامنے بے راہ روی کو زندگی کا تحفہ سمجھ کر اپنانے میں اپنا مفاد پا رہی ہے۔ یہ کیفیت اس کی اپنی غفلت کا نتیجہ ہے۔ متعدد تحریکیں چلائی گئیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پسند نہیں۔ یہ ایسی بے حسی ہے کہ جس کا کوئی علاج بظاہر نظر نہیں آتا۔ ایک ایسا سنگین نفسیاتی مسئلہ ہے، جسے جہل مرکب گھیرے ہوئے ہوتی ہے اور اسے بے یاسی و بے یقینی نے اپنے دامن میں اس قدر مضبوطی سے جکڑ لیا ہوتا ہے کہ وہ خود اعتمادی چھوڑ بے یقینی کی انتہائی حالت میں جا پڑتا ہے۔ چونکہ نادانی کی وجہ سے اس کے سامنے کوئی راہ نہیں ہوتی آنکھ بند رکھنے میں وہ عافیت پاتا ہے۔ حال آنکہ وہ دنیا کو ترقّی کرتے دیکھتا ہے، پھر بھی ترقّی کرنے کی راہ اور بے راہ روی میں اسے تمیز نظر نہیں آتی۔ ان مقامات پر ایک نگاہ ضروری ہے کہ جو ان کے منبع ہیں اور جہاں سے اس کیفیتِ بے حسی پر ضرب لگا کر نابینا کو بینائی دلائی ج اس کے اور انسانیت انگڑائی لے کر دوبارہ اٹھ کھڑی

ہو۔

نقشہائے فطرت سے بیگانگی وغفلت

اللہ کی بنائی ہوئی موجودات پر، جس کا انسان بھی ایک حصّہ ہے، اگر غور کرے، تو اسے اپنے وجود کی بابت آگاہی حاصل ہوسکتی ہے، اور اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس ماحول میں کس طرح زندگی بسر کی جائے۔ یہاں کی بیشمار اقسام کی مخلوقات اگر چہ جدا جدا ہیئت کی مالک ہیں، ان کا ایک دوسرے سے رابطہ: ادب ولحاظ اور رکھ رکھاؤ، عدالت پر مبنی ایک لامتناہی سلسلۂ باہمی ہمکاری وفلاح، اس کے نظم میں تبدیل نہ ہونے والی یکسانیت؛ انسان کیلئے معلّم کا بھی کام کررہی ہیں اور بتارہی ہیں کہ ایک ذاتِ واحد ہے جو نظامہائے جہان کو مجموعاً ہر ایک کو ان کے عطا شدہ نظم کو واحد نظم میں ضم کر کے حرکت میں رکھتی ہے، ان کے درمیان ایک دوسرے کے لئے فداکاری اور ہمدردی میں تبدیلی آنے نہیں دے رہا ہے۔ یہ ہماری غفلت ہے کہ فطری نظامِ جہان کو، دیکھنے بھالنے کے باوجود سبق نہیں لیتے۔ فطری راہ کو چھوڑ، بے انصافی، کشت وخون وغیرہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ فطرت سے یہ انحرافی، بے راہ روی کی اصل جڑ ہے۔

ناکارہ عادات سے نجات میں غفلت

غفلت خود غفلت زدہ انسان کی عادت کا جز ہے، جو پشتہا پشت سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ بیشتر، یہ فرسودہ عادات سے نجات حاصل کرنے میں حائل رہتی ہے، اور معاشرہ تباہ حالی سے دوچار رہتا ہے۔ اس صورت حال کی کیا وجہ ہے ضرورت ہے کہ اس کا تجزیہ کیا جائے۔

اس زمانے سے جب انسان خوف وہراس میں مبتلا غار نشیں تھا، اپنے ماحول، جانوروں کی عادات معلوم کرنے، جن کا وہ شکار کر کے پیٹ بھرتا تھا، یا ان سے خوف کھاتا تھا۔ اس سے نمٹنے کیلئے مجبوراً اسے غور وفکر سے کام لینا پڑتا تھا۔ طرح طرح کے لکڑی وپتھر وغیرہ کے ہتھیار کی ایجاد، وقت کی ضرورت بن جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں اگر کہیں سے کوئی خبر آتی تھی تو اس کی بابت علم حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہنا پڑتا تھا۔ اس خوف اور جبلّی تقاضوں کی بناء پر حرکت کے علاوہ کوئی اور بات اس کی سمجھ سے

باہر تھی۔ یہیں سے حصول علم اور اختراع کی داغ بیل پڑی۔ خالی اوقات میں، ظاہر ہے کہ غفلت اس پر طاری رہتی ہوگی، سوا اس کے کہ جب جانوروں یا کسی قبیلے کے حملوں کا خطرہ لاحق ہو۔ گویا کہ خوف انسانی روابط و معاملات میں تحرّک پیدا کرتا ہے۔

سر دست ہمارے پیش نگاہ ہماری اولاد کی بے راہی کا خطرہ ہے۔ اگر ہمیں ان کا مستقبل سنوارنا ہے تو ہمیں بھی بے راہ روی کے خوف کا سہارا لینا ہوگا۔ اس میں ہر دو اولاد اور والدین کا بھلا ہے۔ چونکہ بچّے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں، اولاد کی تربیت میں والدین کو اپنے اعمال، صالح اطوار پر منطبق رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ اپنی عادات کو خوش اخلاقی پر استوار کریں۔ تاکہ بچّہ بھی اچّھے اخلاق کو اپنا کر اچّھے اخلاق کا مالک بنے۔ یہ کام اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ عوام میں اس کا چرچا ہے۔ اس بات کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ خوف اس حد تک تو درست ہے کہ وہ ہمیں عادات کو درست کرنے میں ہماری رہ نمائی کر دے۔ اس سے آگے اسے اپنے اوپر مسلّط کر لینا کسی صورت بھی درست نہیں، اس لئے کہ وہ خدا اعتمادی پر دھچکا لگاتا ہے، اور روز مرّہ کاموں کی انجام دہی کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

اس سے پہلے کہ بچّہ دنیا میں وارد ہو، اس کے والدین کو اپنے اخلاق کا دقیق جائزہ لینا ہوگا۔ ہر وہ عادت جو اخلاق کے گراوٹ کا باعث ہو، ایک ایک کر کے ان سے نجات حاصل کر کے خوش اخلاق انسان کا نمونہ بننا ہوگا۔ اس امر میں اپنے بچّے کی خاطر میاں بیوی باہم مل کر بری عادتوں کی نشاندہی کرنا ہوگا، اور خلوص دل سے تہیّہ کر لینا ہوگا کہ ان سے حتماً نجات حاصل کر لیں گے۔

اس کتاب میں متعدد جگہوں پر بری باتوں کا تذکرہ آچکا ہے، ان سے متعلّق جو عادات ہیں ان کے خلاف محاذ آرائی ضروری ہے۔ عادت کی تبدیلی پر لکھی ہوئی کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بس اہم ضرورت کو التوا میں نہ ڈالا جائے۔ غفلت میں پڑے رہنا کسی صورت بھی مفید نہیں۔ اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے؛ کہ اس کا معیار کیا ہوگا؟ جواب، دین سے تقدیس و تصویب شدہ حقائق میں مضمر ہے، وہی صحیح رہ نمائی کر سکتا ہے۔

علومِ شرعی سے غفلت

علوم جو دینی ہدایات سے تصفیہ شدہ نہ ہوں، بلا مبالغہ طالب علم کو بے راہ روی سے متصل کر دیتے ہیں۔ موجودہ دور جس میں عام دانشگاہی علوم سے علم کو دین سے جدا رکھا گیا ہے، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اگر اس میں دین کی لگام لگی ہوتی تو معاشرہ بے راہ روی سے بچ کر اپنا قدم ہمدردی وخیر اندیشی کی سعادت کے ساتھ بڑھاتا اور انسانیت جو بد اخلاقی، دربدری، قتل وغارت، بھوک وننگ سے دو چار ہے، چین کی زندگی بسر کرتی ہوتی۔ بطور مثال: اس وقت بیشتر انڈسٹریز انتہائی درجہ کا منافع بخشنے والی اسلحہ سازی میں مشغول ہیں، جس کی نکاس ہمسایہ ممالک میں تفرقہ ڈال کر جنگ وجدال کی طرف ذہنوں کو اکسا کر رکھنے یا آمادۂ جنگ رکھنے کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ جانیں تلف کرنے کے لئے ہیں۔

اگر اس میں دین کا امتزاج ہوتا تو اسلحہ بنایا ضرور جاتا، مگر موذی کو ڈرا دھمکا کر دور رکھنے کے لئے نہ کہ ہمسایہ ممالک پر ناحق حملہ کیلئے۔ ہمسایہ تو نعمتِ خدا ہوتا ہے، اس سے: خدمت گذاری، خلوص، استعانت وترحم آمیز تعلقات قائم ہونا فطری تقاضہ ہے، پاسداری کے ہمراہ بہبودیٔ انسانیت ہے۔ اس وقت جس بہیمانہ طور پر جانیں تلف کی جا رہی ہیں، وجود نہ رکھتی ہوتیں۔

اسلحہ کی سوداگری کی ضرورت پیش آئی ہی کیوں؟ کہ کشت وخون کی نوبت آتی۔ یہ اپنے یہاں دولت کی ریل پیل رکھ کر، اپنے عوام کو مصنوعی فراوانی کے نشہ میں مبتلا رکھنا ہے، تاکہ لوٹ کسوٹ کی سیاست مداری کو برقرار رکھا جائے۔ یہ اسی مفاخرت کی کارنمائی ہے، جسے اسلام انسانیت سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی اقتصاد ایسی سوداگری کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ بظاہر فراوانی، زندگی میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ خصوصاً تن آسانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تن آسانی، آرام طلبی کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ جو عیش وعشرت؛ ساغر ومینا میں کھنچتی چلی جاتی ہے، انسان احدی بن کر محنت کرنے سے کتراتا ہے۔ فراوانی کو ہاتھ سے نہ جانے نہ دینے، اسے برقرار رکھنے کی غرض سے، لوٹ کسوٹ، کشت وخون، سازشکاری وبے ایمانی کا سہارا لینا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی اولاد بھی اسی مستی میں جا پھنستی ہے۔ علم

وتفکر و تدبّر کے لئے اس کے پاس وقت نہیں بچتا، نہ اس سے اسے رغبت رہ جاتی ہے۔ ہسٹری گواہ ہے کہ بے راہ روی کا یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلتا؛ تباہی اسے سرنگوں کردیتی ہے۔ جسے وہ کمال سمجھ بیٹھا تھا زوال کے حوالے ہوجاتی ہے۔ زندگی کی ساری رعنائیاں رخصت ہوجاتی ہیں۔ قرآن کے حوالے سے:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

ہم نے جب بھی کسی قریہ کو ہلاک کرنا چاہا تو اس کے ثروتمندوں پر احکام نافذ کردئے، اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی تو ہماری بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ (اسراء۔۱۷:۱۶)

علامہ جوادی انوار الفرقان میں اس آیۃ کے ذیل میں، سارے قریہ کی تباہی کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ 'اہلِ قریہ ان کے خلاف آوار بلند نہیں کرتے۔ ان کو ووٹ دیتے ہیں اور اس طرح سب ان کے شریک ظلم، پھر مستحق عذاب ہوجاتے ہیں۔ روایت میں وارد ہوا ہے کہ حق کے بارے میں چپ رہنے والے شیطان کے مانند ہیں۔

اہلِ قریہ کے گھروں سے ابھر کر معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ان مکانوں کے مکین پر کیا گذر رہی ہے کہ معاشرہ مائل بہ ترقّی نہیں ہے۔

افرادِ خانہ اور غفلت

غفلت عادت بن کر انسان پر اثرانداز ہوتی ہے۔ پشتہا پشت سے جو خاندانی عادتیں چلی آرہی ہوتی ہیں، بچّے دیکھا دیکھی کولہو کے بیل کی طرح ان کے گرد چکّر لگاتے رہتے ہیں۔ اس میں ردّو بدل ان کے بس کی بات نہیں رہتی۔ اس طرح ذہنی رجحانات جو خاندان مرتب کرتے ہیں، اور باہر کا ماحول مل کر اولاد پر اثر ڈالتے ہیں اور اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ ماحول میں جو مادّی ترقّی یا اخلاقی تنزلی پیدا ہوتی رہتی ہے، بلا روک ٹوک اپنے اثرات ان پر مرتب کرتی ہے۔ اس طرح ورثے میں ملی بے فکری یا غفلت بچّوں پر بھی طاری رہتی ہے، اور ان کی ترقّی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ ماحول ان

سے فائدہ اٹھانہیں پاتا۔

اگر والدین اس سے پہلے کہ ان کی اولاد وجود میں آئے بچّوں کی درست تربیت کا علم جس میں دین کا پورا دخل ہو، حاصل کرلیں اور عملی طور پر اس پر کاربند رہیں، تو اولاد بھی، دیکھا دیکھی، ان اوصاف کو قبول کرلے گی اور جب مجموعی طور پر ایسے بچّے معاشرے میں داخل ہوں گے، غفلت وگمراہی سے پاک انسانیت ساز معاشرہ وجود میں آجائے گا۔ اور ترقّی کی راہیں کھل جائیں گی۔

اس نتیجہ خیزی سے پہلے، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ بچوں کے علاوہ دوسرے افرادِ خانہ میں باہمی تعلقات کیا رویّہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کیا بچوں کے ماں باپ گھر کے کام کاج میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، ایک دوسرے کی ضروریات کو عدالت کے مدِّ نظر افہام وتفہیم سے پورا کرتے ہیں، مسائل کے وجود میں آنے پر مصالحت سے طے کرتے ہیں، حاکیت اور محکومیت نے گھر کے توازن کو برباد تو نہیں کر رکھا ہے۔ دکھ درد کے مواقع جب آن پڑیں تو ایک دوسرے کا بہتریں سہارا بن جاتے ہیں۔

ایسا تو نہیں ہے کہ گھر کی عورتیں، سورۃ احزاب آیۃ ۲۸: 'پیغمبر آپ اپنی (دو) بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ زندگانیٔ دنیا اور اس کی زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں متاع دنیا دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں' کی مصداق تو بنی نہیں ہوئی ہیں۔ یعنی دکھاوے کی ایک مصنوعی زندگی کے لئے مانگ اور مطالبہ گھر کی اقتصادی حالت کو دگرگوں تو نہیں کئے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے میں زبانِ ادب مجروح تو نہیں ہوتی، الفاظ کے آہنی ہتھوڑے ذہن کا قیمہ تو نہیں بنا رہے ہیں۔ کیا اپنی غلطیوں کو مان کر معذرت خواہی انجام پذیر ہوتی ہے۔ کیا کارہائے خوب کی انجام دہی پر صدا تحسین بلند ہوتی ہے اور شکر گذاری ادا کی جاتی ہے۔ ہر طرف ایک دوسرے کا ادب واحترام سرگرمی کے ساتھ نمایاں ہے۔ گھر کے افراد، اعزہ ہمسایوں، دوست احباب اور وہ لوگ جن سے سابقہ رہتا ہے؛ ان سے کیا عدل وانصاف کے ساتھ رابطہ قائم ہے، درمیان میں ذہنی ہم آہنگی موجود ہے، جو گھر کے ماحول کو شیر وشکر بنا کر رکھے۔ وغیرہ۔

ان کے علاوہ کیا گھر میں علم و دانش کا چرچہ رہتا ہے۔ افرادِ خانہ سے روابط، دینی احکام کے دائرے میں ہیں، اس کے اصول و فروع پر پابندی سے عمل کیا جارہا ہے؟ جب بات دین کی ہوتی ہے تو اس کے محافظ علماء اور ان کی ہدایات کا تذکرہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اصل منبع ہدایت تو وہی ہیں۔ ایک سرسری نظر:۔

علماء کا دائرۂ کار اور غفلت

مسلم امہ جہالت کی بناء پر بے راہ روی و بدنظمی میں پڑی شکستہ حال ہے۔ غفلت کا اس پر اس قدر تسلّط ہے کہ اسے اپنے اچھے برے کی پہچان جاتی رہی ہے۔ جس نے جس طرف چاہا اس کا منہ موڑ دیا۔ سمت و جہت اس کے لئے معنیٰ نہیں رکھتی۔ حقیقتوں سے دور، عادتاً غیر منطقی اور بے سر پیر کی رسموں کو اپنے اوپر وارد کئے ہوئے ہے۔ کوئی بھی نہیں کہ اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر اس کو راہ راست پر ڈال دے، کہ اس پر چل کر فلاح پائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جو حق کی راہ ہے۔

اس مضمون میں لفظ علماء سے محترم و بزرگ علماء مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کا تذکرہ ہے جو لفظ عالم سے دانستہ یا نادانستہ طور پر فائدہ اٹھا کر دین و عوام کا استحصال کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلم امہ میں غفلت نے ڈیرہ ڈال دیا۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور ترقّی کی سوجھ بوجھ جاتی رہی۔ یہ مسئلہ نہایت درجہ حسّاس ہے۔ ہمیں جان لینا چاہئے کہ ایک عالم کو مولانا کیوں کہا جاتا ہے، کہ جس کے معنیٰ ہیں 'ہمارے مولاٗ'۔ زمانۂ غیبتِ امام میں نیابت امام بزرگ علماء کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ عوام کو اسلام کے دائرے میں قائم رکھیں۔ اس طرح وہ نائبِ امام کہلائے گئے۔ اب ہر شخص جس نے چند سال مدرسے میں گذارے یا کسی جتن سے عبا، قبا و عمامہ پہن کر آ گیا، مولانا کہلایا جانے لگا۔ ساتھ ہی مقرّر و ذاکرین کا بھی ہاتھ چوما جانے لگا، جب کہ انہیں، عوام کو، آداب و اخلاقِ اسلامی، منبر یا محراب مساجد سے متعارف کراتے کبھی بھی سنا نہ گیا۔ اس کے اثرات کہاں کہاں مرتّب ہوئے؟ دست بستۂ معذرت خواہی کے ساتھ چند امور کے متعلق ایک محتاط سرسری جائزہ پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بات ایک ناخواندہ و جاہل کو زیب نہیں دیتی، مگر جب پانی سر سے اوپر جا پہنچے تو سانس لینے کے لئے ہاتھ

پیر مارنا وقت کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ کسی کے جذبات کو مجروح کرنا مقصود نہیں۔

ہم ایک ایسی ثقافت سے دوچار ہیں جو اپنی حفاظت کے وسائل کھو بیٹھی ہے اور اس کے ادوار درندے اس کے خون کو چوس رہے ہیں۔ غفلت خواہ کسی قسم کی ہو انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے، بے راہ روی کے لئے راہ پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے اللہ نے ایک مستقل ادارہ قائم رکھا ہے جس کے سربراہ حقیقی علماء ہیں۔ موجودہ دور، چونکہ علم وآگاہی کے سلسلے میں، زمانہ قدیم کے مقابلے میں، کہیں زیادہ ترقّی یافتہ ہے۔ حقیقت بیان کر دینے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ذمّہ دار علماء کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے کہ بلا روک ٹوک، کھلے دل سے عوام کی رہ نمائی کریں۔ ان کے اخلاق کو راہِ حق سے متصل کر دیں۔ اس منصب سے کسی قسم کی غفلت، جواز نہیں رکھتی۔ علم تو ان کے پاس موجود ہے، اس میں نظم پیدا کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے؛ جس میں اعلیٰ مقام کی حامل مرجعیّت سے، جس کی دست رہبریت، ملت کو منظّم رکھنے میں سایہ افگن رہتی ہے، استفادہ اس کے لوازمات میں شامل ہو۔ (معذرت کے ساتھ) مرجعیت پر بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے لاتعداد نمائندہ علماء کے ذریعہ (جنہیں وہ خمس کی رقم سے استفادہ کی اجازت دیتے ہیں) اہم مسائل جس سے مسلم آمہ دوچار ہو مستقل طور پر بے راہ روی سے بچنے یا اسے دور کرنے کے تدبیری احکامات جاری کرتے رہیں، جسے وہ نماز کے بعد جماعت اور دیگر اوقات میں منبر سے عوام کو تشریح کر کے، اس کی طرف راغب رکھیں۔ اس طرح مرکز رہبری برائیوں کو چھانٹ کر عدالت پر مبنی ایک مضبوط ملت بنا کر متعارف کرانے میں کامیاب رہے گی۔ مسلمانوں کو غفلت سے دور رکھنے اور تازہ دم رہنے میں یہ دین کا دیا ہوا وسیلہ جو ایک عرصہ ہوا کہ کسی وجہ سے عوام کو مفاد پہنچا نہیں پا رہا ہے نہایت درجہ کارگر ثابت ہوگا۔ ضرورت ہے کہ جلد از جلد اسے برسر کار لایا جائے۔ اس سلسلہ میں لازم ہے کہ عام مسلمان اپنے تقلیدی مراجع سے رجوع کریں، تا کہ یہ ادارہ فعّال ہو کر قرآنی تعلیمات کے ذریعہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے نجات دلائے اور ترقّی کی طرف ان کا منہ موڑ دے۔ خدمت کا جذبہ پیدا کر کے معاشرے کو ہمکاری اور ہمدردی کا مستقل ادارہ بنا دے۔

چونکہ تعلیماتِ قرآن ہی میں وہ قوت موجود ہے کہ اس کام کی مددگار ثابت ہو، اس سے

درست استفادہ نہیں ہو رہا ہے، اس صورتِ حال کا جائیزہ لازم ہے۔

تلاوتِ قرآن میں غفلت

اگر دلائل پر حملہ ہو تو کیا اسے خوش آمدید کہا جا سکتا ہے؟ جہاں ترقّی نہیں وہاں جمود ہے! یہ حقیقت بھی دلیل رکھتی ہے، اس لئے کہ فطرت اس سے ہم آہنگ ہے اور اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے۔ آزمودہ فلسفۂ ایکشن وری ایکشن، دلائل پر مبنی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں ایسا فلاسفر کہاں سے لایا جائے، جس کی تحقیقات بے دلیل ہو اس میں کوئی مشکل نہیں۔ ہر مسجد میں، دورانِ رمضان قرآن کی تلاوت فقط قرائت پر نظر رکھ کر کرائی جاتی ہے، جس کی بنیاد تجوید کہلاتی ہے۔ تجوید یعنی، ہونٹوں اور زبان کو حرکت میں لا کر الفاظ کی ادائگی۔ مختصراً، ؛انسان کو، دماغ تو ایک سے زیادہ میسّر نہیں، جب ذہن زبان اور ہونٹوں کی دقیق حرکت کی طرف مشغول رہے گا، تو دورانِ تلاوت، کلام اللہ کے مقاصد کو سمجھنے رمعلوم کرنے کیلئے دوسرا حربہ کہاں سے آئے گا۔ جن ملکوں کی زبان عربی ہے، وہ بھی تجوید کے معاملے میں پھنس کر معنیٰ و مقاصد پر غور و فکر کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

ایک نہایت ہی قلیل تعداد کے علاوہ، بیشتر مسلمان جو قرآن کی تلاوت مختلف مواقع واوقات پر کرتے ہیں، اس کے معنیٰ و مطالب کو نہیں سمجھتے۔ نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ اس تلاوت کا مقصد کیا ہے یا اس کا فائدہ کیا ہے۔ چونکہ قرآن پڑھانے والا یہ بتا دیتا ہے کہ اس کا بڑا ثواب ہے، تلاوت سیکھنے والا شاید یہ سمجھ لیتا ہے کہ چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے بغیر سمجھے تلاوت پر بھی اللہ اس سے خوش ہو کر ثواب دے دے گا، اور اس کے لئے وہی نقطۂ آخر بن جاتا ہے۔ اس میں مولوی صاحب کے خوف سے اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ ان سے پوچھ لے کہ ثواب کیا ہے اور فکر و عمل سے عاری تلاوت کرنے والے کو کس طرح رضوان جنّت میں داخل ہو جانے کی اجازت دے دے گا؟ جب کہ جنّت نیک اعمال جو انسان سے نیکی کے ساتھ برتاؤ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب بچّے کو بے سمجھی تلاوت کرائی جائے گی اور اختتام رسمِ آمین کے لئے دعوتیں ہونگی، صدائے صد آفرین بلند ہوگی، تحائف سے وہ نوازہ جائے گا، وہ سمجھ لے گا کہ عبادت کی چوٹی اس نے سر کر لی۔ اس کے لئے تمام دینی کتابوں کی تلاوت بے سمجھے کافی

ہے، ضرورت نہیں کہ سمجھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بے سمجھی نماز وزیارات و دیگر دعاؤں، مجالس وغیرہ کو بے دھیانی میں سن لینا اس کی عبادت گذاری میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ اس سے مطمئن رہتا ہے۔

اس مقام پر اگر غور کیا جائے تو یہ فکر لاحق ہوتی ہے، کہ کیا اللہ نے قرآن کو بے مصرف و بے مقصد نازل فرمایا ہے، اس کی تلاوت اصولہائے فطری سے آزاد ہے؟ کیا اللہ بے دلیل، بے مقصد و بے سود کام کا بھی مرتکب ہوتا ہے؟ کیا قرآن میں کوئی کارآمد بات یا ہدایت موجود نہیں جس پر چل کر انسان اپنا اخلاق صحیح اصولوں پر استوار کر سکے، اور اس کی ذات سے معاشرہ مستفید ہو؟

دنیا میں جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، وہ سمجھ کر پڑھے جانے اور اس سے استفادہ کے لئے ہوتی ہیں۔ فقط اللہ ہی کی کتاب کو <u>بغیر سمجھے پڑھ لینے یا تلاوت کر لینے کے لئے علماء نے کیوں اجازت دے دی؟</u> کیا عوام کو بہکانے والے ایسے علماء سے باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ فقط مسلمانوں کو دھوکا دینے کی بات نہیں، بلکہ اللہ کی ہدایات جو قرآن میں موجود ہیں، ان پر پانی پھیرنا، انسانیت کشی ہے ۔۔۔۔۔۔اصول وفروع دین کے ڈھانچوں کو مسمار کرنا ہے۔

اس کی داغ بیل کیسے پڑی؟ چودہ سو سال گذر گئے، مندرجہ بالا سوالات کیوں اٹھائے نہ جا سکے اور جواب پر پردہ پڑا رہا؟ اس کے پشت پر سازشی کھانیاں کا انبار لدا ہوا ہے۔ جس کی ابتدا نام کے مسلمان سلاطین، جو اپنے آپ کو خلفاء کہلواتے رہے، قرآن میں درج اخلاق کے برعکس عوام پر ظلم ڈھاتے رہے؛ اپنی غیر اسلامی حرکتوں کو چھپانے کیلئے مخصوص سازشوں کے ذریعہ بغیر سمجھے بوجھے تلاوت، مدرسوں میں رائج کیا تھا۔ اس پر اہمیت مسئلہ میں مشکل یہ آن پڑی ہے کہ دینی مدارس اور حوزہ علمیہ کے اساتذہ، عالم کے لقب کے حامل بھی اس بہکاوے میں شامل ہیں۔ انسان کو راہ راست سے بہکانے کا ذمہ کس نے لیا تھا؟ نام لیا جانا ضروری نہیں۔ کیا علماء کے روپ میں بھی وہ آنے کی مجاز رکھتا ہے۔ کیا ان علماء میں اس ضرر رساں تلاوت پر جو فقط خود فریبی ہے (مفہوم کی پرواہ کئے بغیر تلاوت) فکر کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس زمانے میں جب کہ بات کہہ دینے کی آزادی ہے، اگر علماء اس انحراف کی عوام میں کھل کر اور بار بار نشاندہی نہیں کریں گے تو گویا کہ مسلمانوں کو بہکانے کی بات کریں گے؛ ان

کے اعمال کو اچھے اخلاق کی ہوا بھی لگنے نہ دیں گے۔ کیا یہ اندھیر نگری کی بات نہیں ہوگی؟

تلاوت میں، قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی جب بات آتی ہے تو، اردو یا انگریزی داں افراد کے لئے قرآن کی زبان عربی دیوار بن کر آ کھڑی ہوتی ہے، جسے وہ نہیں سمجھتے۔ جب بات ترجمے کی آتی ہے تو ہر ترجمہ، جدا رنگ کا مالک نظر آتا ہے۔ تاج کمپنی پاکستان نے ایک ایسا قرآن چھاپا، جس میں ہر آیۃ کے دس مترجّم کے متن تلے اوپر پیش کئے۔ ان میں ایک دوسرے سے خاصہ اختلاف نظر آتا ہے۔ بہرحال ، ترجمہ خواہ وہ کسی کتاب کا ہو، اس کے مقاصد و معٰنی کی درست عکّاسی نہیں کر پاتا اور اس کا مطالعہ کرنے والا مطالب کے اخذ کرنے میں۔ تشنہ رہ جاتا ہے۔ اسی لئے جب کسی کو ریسرچ کے معاملے میں قرآن سے استفادہ کی ضرورت پڑی تو اس نے عربی زبان پہلے سیکھی۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں جو سمجھ میں نہ آئے۔ ایسا ضرور ہے کہ عربی زبان کو ہوّا بنا کر عوام کو ڈرایا گیا ہے۔ یہ ان سازش کاروں کا کام تھا جو مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے، یا خوف کھاتے تھے، کہ اگر مسلمان اپنے دین کی گہرائیوں سے واقف ہو گئے تو ان (سازشکاروں) کے لئے گھاٹے کا سودا ہوگا۔ عیاں را چہ بیاں، اس سازش نے ضرب کاری لگائی اور مسلمان اپنی غفلت کی بناء پر قعر مذلت میں جا پڑے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

اور اس کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہیں، کیوں کہ کان اور آنکھ اور دل سے باز پرس ہو گی۔ (بنی اسرائیل ۱۷/۳۶)

یہ آیۃ صاف الفاظ میں بلکہ سختی سے واضح کر رہی ہے کہ ایسے بے سود عمل جو تمہارے علم میں جگہ نہ پا سکے یا جس کا تم درک نہ کر سکو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ ایسے عمل سے پرہیز کی تاکید ہے، بلکہ اس سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر اس کے مرتکب ہوئے تو یوم الحساب پر پوچھا جائے گا کہ تاکید کے بعد بھی تم کیوں اسے انجام دیتے رہے۔ کیا ہم قرآن کی انتباہ کے باوجود بھی اس خود فریبی میں مبتلا رہیں گے؟

اس زمانے میں عربی زبان کا سیکھنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔ کمپیوٹر ہر گھر میں موجود ہے، اور

زبان عربی کو فقط بول چال سے سکھا دینے والے سافٹ ویر عام ہیں۔ گھر کے سب لوگ اکٹھا عربی سیکھیں اور اسی میں باتیں بھی کریں، دو تین مہینوں میں عربی میں بولنا سیکھ جائیں گے۔ تھوڑے وقت کے بعد سخت ترین عربی سمجھ میں آنے لگے گی۔ قرآن وحدیث زیارات ودعائیں جو ہم اپنے کو فریب دیتے ہوئے، بے سمجھے پڑھتے ہیں روشن ہو جائیں گے۔ عربی سیکھ لینے کے بعد گھر میں ہمیشہ بمعہ بچوں کے فقط عربی بولی جائے۔ گھر سے باہر جو بھی زبان رائج ہوتی ہے، خود ہی آجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کا مذاق نہ اڑایا جائے اور نہ ہی اپنا۔ یعنی خود فریبی سے اجتناب کیا جائے۔ عربی سیکھے بغیر ہم کامیاب مسلمان نہیں بن سکتے۔ اسلام کے وہ اصول جن پر چل کر دنیا کو گل وگلزار بنایا جا سکتا ہے ہم سے دور رہے گا اور ہم ہمیشہ دوسروں کے غلام بنے رہیں گے۔

اکثر یہ سوال پیدا ہتا ہے کہ عربی داں ممالک کے لوگ ترقّی کی راہوں پر گامزن نظر نہیں آتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی سازش کے شکار ہیں، انہیں بھی تھپکی دے کر سلا دیا گیا ہے کہ بے دھیان تلاوت کافی ہے، ثواب مل جائے گا۔ یہ کام عربستان ہی سے شروع ہوا تھا۔ برعکس حقائقِ اسلامی، عیش وعشرت کا متمنّی جس کے مشیر غیر مسلموں میں سے تھے، بانئ خلافتِ اموی تھا۔ گویا کہ دیگر ممالک سے قاریوں کو دعوت دے کر خوش الحانی کا مقابلہ کیا جاتا ہے، مگر کہیں بھی قرآن فہمی کا مقابلا ہوتا نہ دیکھا نہ سنا۔ بہر حال زبان عربی ہماری اساس ہے۔ اس کے بغیر ہم دین کے صالح راستے پر چلنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ اس کے آگے بے راہ روی اور خانہ خرابی ہی رہ جاتی ہے جو غلامی، فقر وفاقہ پر نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ اس غفلت کو منبر اور میڈیا کو اپنے ہاتھ میں لے کر دور کرنا ہوگا۔ چونکہ قیامِ صلاۃ کا بھی اس پر انحصار ہے، اس پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں، تاکہ اس کے چہرے پر ڈالا ہوا پردہ دور ہو۔

قیامِ صلاۃ (نماز) میں تلاوتِ کلمات سے غفلت

واجبات میں اہم ترین درجہ رکھنے: فسق وفجور وبے راہ روی سے دور رکھنے والے عمل، انسان کو متحرک رکھ کر معاشرے کو رو بہ ترقّی وکمال رکھنے میں بے مثال اسباب مہیّہ کرنے والے قیامِ صلاۃ کی بے پایاں قوت کو سمجھ، غور، فکر سے عاری تلاوت کے حوالے کر کے بے دست وپا بنا دیا گیا ہے۔ پوری

نماز پڑھ ڈالی ، دل کوچہ جاناں ہی میں پڑارہا۔دورانِ ادائے گی نماز، جب کلمات کو سمجھیں گے ہی نہیں،تو ہمارادماغ ہمیں غفلت کے حوالے کرکے آزادی کے ساتھ آوارہ پھرے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔یہ انحراف صرف اس وجہ سے ہے کہ غفلت کی بناء پر ہمیں یاد ہی نہیں رہتا کہ اللہ مالکِ یوم الدین بھی ہے،اور ہمیں اس دن اس کا سامنا ہوگا۔وہ اس دن رتی رتی کا حساب کردے گا۔اسی وجہ سے ہم اپنے اعمال کی طرف سے غافل رہتے ہیں،اور خوف بھی جاتا رہاہے کہ جہنّم کی آگ قابلِ برداشت نہ ہوگی۔

یہاں صرف قیامِ صلاۃ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: صلاۃ کے معنیٰ کسی کی جاری شدہ ہدایات کی اتباع یا پیروی ہے۔کس کے ہدایات کی پیروی؟ اللہ ورسول اور اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ امر کے حامل غلطیوں سے پاک افراد کی،اس لئے کہ۔قیام کے معنیٰ برپا کرنے میں آتے ہیں،یعنی اجراء یا مل کراسے معاشرے میں عملاً جاری کردینا۔۔۔۔۔۔۔موجودہ دور میں ستم ظریفی یہ ہے کہ اقیم الصلاۃ کا مخفف نماز پڑھو بنادیا گیا،جس نے اس کی اہمیت کولاغر کردیا۔جوبات عمل کے لئے تھی پڑھنے کے حدتک سمٹ کررہ گئی اوراہمیت کھوبیٹھی۔بغیر سمجھے بوجھے نماز پڑھااور گھر پلٹ آئے۔باغیوں کی اس سازش نے ہمیں بدترین خودفریبی میں مبتلا کررکھا ہے۔ضرورت ہے کہ اللہ کا خوف کھاکران شیطانوں کے قیدخانے سے چھلانگ مارکر باہرآجائیں،ورنہ یوم الدین پرایک بے سودکام پروقت ضایع کرنے کی جواب دہی کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

قیامِ صلاۃ کے کلمات اوراس کے اوقات کواس طرح تشکیل دیا گیاہے کہ انسان اللہ سے اپنی فرمابرداری کے معاملے میں کئے ہوئے اقرار کی طرف ہمہ وقت متوجّہ رہے(کہ اس کا آقااس سے کیا چاہتاہے)اوراپنے اعمال کودرست رکھ کر کامیابیاں حاصل کرتارہےاورانسانیت کی ترقّی کے لئے عروج کی طرف قدم بڑھاتاجائے۔ہمدردی کے ساتھ اس کامیابی کے حصول پر ہمارا انگ انگ کس قدرخوشی وفرحت محسوس کرتاہے؛ کیاہمیں اس کا اندازہ نہیں؟ یہ مغرب کے ناچ گانا وتھرکانے والے فن میں لپٹی ہوئی محافل سے اس قدر زیادہ مسحورکن ہے کہ اسے بیان کرنے کی لغت میں وسعت نہیں۔افسوس! کہ کیف کا یہ خزانہ،غفلت کا شکارہوکر ہماری دسترس سے باہر ہے۔اس کے کلید بردارتجاہلِ عارفانہ میں

مبتلاء ہیں۔جہلِ مرکب نے ان پر قابو پالیا ہے۔ چونکہ قیامِ صلاۃ انسان کو غفلت و بے راہ روی سے بچانے کا کام کرتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ، نادان و ناعاقبت اندیش حکمراں نے اسے سازش کے ذریعہ غفلت کا شکار بنا دیا۔ چونکہ علماء اسے اس کا صحیح مقام دینے سے قاصر ہیں بلکہ اسے پسِ پشت ڈال دیا ہے، اوراس سازش میں ہمکار ہیں۔انہیں ان کی اس غفلت و بے رخی پر کس نام سے پکارا جائے؟ زبان میں قوت نہیں۔

قیامِ صلاۃ کے کلمات میں وہ طاقت موجود ہے کہ جو اس زمانے کے غفلت زدہ انسان کو اس کی کال کوٹھری سے نکال کر آگاہی کے اجالے میں لا کھڑا کرے اور ترقّی کے سریع راہوں پر ڈال کر اوجِ ثریا کو سر کرنے کی طاقت سے مزیّن کر دے۔ صرف ہمیں اپنے آپ کو اس قابل بنالینا ہے کہ اپنی تمام تر توجّہ کو ان کلمات کے گہرے مفاہیم کی طرف جو ہمارے اعمال کو جہت عطا کرتے ہیں، مبذول کر سکیں۔ کتاب جو حکمتِ قیام پر ہے، اس کے چند کلمات کا ذکر آ چکا ہے؛ بے راہ روی سے نجات کے مد نظر اس کتاب کے باب شمارہ پانچ۔ میں موجود ہے، مزید افکار کے ساتھ پیش خدمت ہیں جو امید ہے کہ ہماری آنکھوں کو کھولنے میں مفید ثابت ہوں گے، اور ہم اپنی عاقبت کو بہ امید خدا خراب ہونے سے بچا لینے کے قابل ہو سکیں گے۔ چونکہ توبہ قیامِ صلاۃ کا اہم جزو ہے، کچھ گذارشات پیش خدمت ہیں۔

توبہ کی نوازشوں سے بے اعتنائی و غفلت

'استغفر اللہ ربی واتوب الیہ' کے معنیٰ ہیں ؛ میں اپنے اللہ ؛ تدریجاً ترقّی دینے والے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں ۔۔۔۔۔(یعنی اپنی ساری توجہات کو اللہ کی ہدایات بھلائیوں سے بھر پور ہدایات کی طرف عمل پیرا ہونے کیلئے، مبذول کرتا ہوں) یہ کلمہ اگر رواروی میں بغیر سمجھے بوجھے اور غور کئے منہ سے ادا کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ ہمارے اوپر کسی قسم کے اثرات مرتب نہیں کر پائے گا۔ اور ہمارا توبہ کرنے کا یہ عمل مہمل ہو کر رہ جائے گا۔ اس میں رجوع کرنے کا جو عمل ہے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رجوع واپس آنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اس میں انکساری اور ندامت کا پہلو صاف طور پر نمایاں ہے: افسوس کہ میں تیری مہربانیوں

سے کٹ کر، غلط ہاتھوں، ماحول یا کسافتوں میں جا پڑا تھا۔ ندامت بڑی اہمیت کی حامل ہے اور قابل قدر ہے؛ رجوع کرنے والے کی اصلاح کے لئے بے انتہا قوت رکھتا ہے۔ یہ کیف ماحول کی متعدّد بد اخلاقیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو انسان کو بے راہ روی میں کھینچ لے جاتے ہیں۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ نہی عن المنکر اس کی عکّاسی کرتا ہے، جس کے برعکس امر بالمعروف کی عملداری کی بنیاد، عزت واحترامِ اور بہبودیٔ انسانیت پر رکھی گئی ہے۔ کسی اخلاق پر لکھی کتاب کو پڑھ کر ان کی کارفرمائیوں کے حدود کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف بے راہ روی ہے، جو انسان کو مائل بہ ترقّی کے فطری نظام سے دور کر کے ناکارہ بنا دیتی ہے؛ جمود کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس میں پڑ کر وہ اپنی قدر و منزلت کھو کر معدومیت کا شکار ہو جاتا ہے اور معاشرے کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ دوسری طرف چونکہ انسان ساز اخلاقِ حمیدہ جز و فطرت و خلق اللہ ہے (۳۰/۳۰)، اس کی روش ہی پرواز سوئے ترقّی و عروج ہے اس لئے کہ فطرت کو ترقّی کے علاوہ کوئی طرزِ عمل مرغوب ہی نہیں؛ جمود کی اسے پہچان نہیں۔ اس طرح جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اخلاقِ حمیدہ اس کے بال و پر بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کو اللہ کے حوالے کر کے مطمئن نفس کا مالک بن جاتا ہے۔ کیف و سرور اس کے قدموں کو چومتے ہیں۔ اسے اپنے لئے دوائے دردِ سر نہیں چاہئے ہوتی، وہ دوسروں کے لئے درد کی دوا بن جاتا ہے۔

توبہ کے رجوع کرنے سے مراد؛ ہر بد اخلاقی سے کنارہ کشی کر کے اس کے مقابلے میں جو اچھے اخلاق ہیں ان پر بہ رضا و رغبت کاربند ہو جانا ہے۔ صاف ستھری فرحت بخش سیر و تفریح کیلئے اسلام نے وقت کا تیسرا حصہ مقرّر کر دیا ہے، جو نہایت مفید ہے۔ جیسے جیسے رجوع کرنے والا برے اخلاق کو چھوڑ کر انسانی امداد و ہمدردی میں مشغول ہوتا جائے گا، اخلاقِ حمیدہ اس کی جگہ پر کرتے جائیں گے۔ اس تبدیلی کی بناء پر جو شادمانی اس کے ہاتھ آئے گی الفاظ اسے بیان نہیں کر سکتے۔ مغرب کے ناچ گانا دھوم دھڑکے، تھرک و تماشے، شرابخوری و مدہوشی جیسے فن، جسے وہ خوشی حاصل کرنے کے لئے اپنی کمائیوں کو بھینٹ چڑھاتے رہتے ہیں اس کے آگے ہیچ ہے، کہ تھوڑی دیر کی اچھل کود و مدحوشی نامحرموں کے ساتھ ناجائز اختلاط و بے عفتی کے بعد بے کیفی و ندامت ہے۔ جبکہ دوسروں کی امداد سے حاصل شدہ

خوشی وسرور لازوال ہے۔اس کے علاوہ، اس رجوع کرنے والے شستہ شدہ انسان سے متاثر ہو کر لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے کردار میں تبدیلی لانے کے قابل ہو سکتی ہے۔اس کا سلسلہ جاری ہو کر ایک صالح معاشرے کے وجود میں آجانا شک وشبہات سے بالاتر ہے۔

افادیتِ اصل زبان کلام:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نماز میں بار بار ان الفاظ کو دہراتے رہتے ہیں، مگر معاشرے میں اخلاقی ترقی نام کے لئے بھی نظر نہیں آتی ؟ ایسا کیوں ہے؟۔وجہ اس کی یہ ہے کہ صلاۃ کے کلمات کی زبان (عربی) پر ہمیں عبور نہیں، ہمارا ذہن کترا کے دور جا پڑتا ہے، جس کی بناء پر ہم بے دھیانی میں ،رسماً، ان کلمات کو ادا کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔یہ اس کا بے دھیانی میں پڑھ جانا ہی ہے، جو رجوع کی قوت کو اثر انداز ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی طرف واپسی کا تہیہ لازم ہے۔اللہ کی طرف جب انسان ایک قدم بڑھاتا ہے اللہ دس قدم اس کی طرف بڑھاتا ہے۔ہمیں اس کی طرف سے دس گنا امداد موصول ہوتی ہے۔عربی سیکھنا مشکل نہیں، اسے ایک بڑی سازش کے تحت ہوا بنا دیا گیا ہے، تا کہ عوام کو اس کی افادیت کا اندازہ نہ ہو سکے سافٹویرز بازار میں موجود ہیں، گھر کے سارے افراد مل کر سیکھیں اور گھر میں اس کے علاوہ کسی اور زبان میں بات نہ کریں۔ساتھ ہی (رلیگزیشن اور میڈیٹیشن) بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر ذہن کو مکوز کرنے کی مشق کریں۔دورانِ ادائے صلاۃ، اس کے کلمات کو سمجھ کر، ان پر عمل پیرا ہونے کی نیت برقرار رکھیں۔قلبی وذہنی سکون اور حضوریٔ قلب اور کلمات پر ذہن کا مرکوز ہونا قطعی طور پر لازم ہے۔نماز میں رکوع وسجود اور اس کے کلمات کی بہ حضوریٔ قلب ادائےگی سکون کی حالت میں نہایت اہم ہے۔جب ذہن ادھر ادھر کے خیالات کی طرف بھاگنے کی کوشش کرے، اسے عملِ حقیر سمجھ کر، دوبارہ صلاۃ کی صف میں لا کھڑا کریں اس کا انتہائے سکون کی حالت میں ادا ہونا لازم ہے۔اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے، ورنہ وہ ہمارے اعمال کو درست رکھنے میں معاون ثابت ہو نہ سکے گی۔کچھ دنوں کی کوشش عملِ صالح ہمارے قابو میں لے آئے گی۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ اگر بے خوف وخطر، اسٹرس فری، پر اطمینان زندگی بسر کرنا ہے تو

مالک حقیقی کی طرف راغب رہنا ہوگا۔اس کے پاک وطاہر نمائندوں نے عمل کر کے اس کے حصول کے لئے طور وطریقے بتادئے ہیں۔ گویا کہ نفسِ مطمئن، دنیا کے سارے امراض کا علاج ہے۔اغیار سے کٹ کر، اللہ کے پاک وطاہر بندوں سے تمسک لازم ہے۔پیش امام صاحبان، جماعت کے سامنے اس کی افادیت پیش کریں، معاشرے کی اصلاح کا باعث بنے گا۔

قیامِ صلاۃ میں حکمتِ جماعت سے غفلت

قیام صلاۃ: اللہ کے احکام کو معاشرے میں متحد ہو کر جاری کرنے کیلئے کھڑا ہو جانا ہے ۔انسانیت کی پاسداری، فلاح ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، یہ عمل انسانیت کو مائل بہ ترقّی رکھتا ہے۔صلاۃ میں ادا کیا جانے والے کلمات میں جو مقاصد موجود ہیں اس کارِ اہم کی انجام دہی کی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔شرط یہ ہے کہ، گہرے غور فکر کے ساتھ، اس کے ہر کلمے میں جو غرض وغایت موجود ہے، ان کا عملی پہلو تلاش کرلیا جائے۔

پانچ وقت صلاۃ کی جماعت: احکام الٰہی کی یاددہانی اور اس کی پیروی کیلئے ہے، کہ انسان اغراض دینی کو ہمہ وقت یاد رکھ کر اس کا پابند رہے۔آیۃ حمد ۱/۶۔۷ نشاندہی کرتی ہے۔یہ نعمت الٰہی کے بردار پاک وطاہر انبیاء مرسلین وآئمہ کا راستہ ہے جو ان کی سیرت میں مضمر ہے۔اس کے مفہوم کا تجزیہ، ترقّی یافتہ تقاضوں پر، اعمال کو استوار کرتا ہے۔

اس کی اصل افادیت اس میں ہے کہ دورانِ نماز، پورے دھیان یا حضوریٔ قلب کے ساتھ اس کے مطالب ومقاصد کی طرف ذہن کو متمرکز رکھ کر، بارہا تکرار کے بعد جب ذہن پوری طرح اللہ کے احکام کے مطابق، نماز جن کی نشاندہی کرتی ہے ۔۔۔۔خدمتِ انسانیت کی طرف راغب ہو چکا ہوتا ہے، پوری جماعت مل کر، نہ فقط اطراف بلکہ پوری امۃ کو جو مسائل درپیش ہوں حل کرے۔جو مسائل یہاں حل نہ ہوسکیں نماز جمعہ میں لے جایا جائے، اور باقی ماندہ کو، دورانِ مناسکِ حج، منیٰ میں مستقل ادارہ حج سکریٹیٹ قائم کر کے، اس کے سامنے پیش کردیا جائے، جو مسلم امۃ کی سطح پر حل کئے جائیں۔ یہاں تعلیم، سائنس، تحقیقات، طراحی واختراع واجراء ٹکنالوجی، تجارت، ثقافت، بین الاقوامی سیاست

،دفاع،انڈسٹری،مالیات کے ایک ملک کا دوسرے کے ساتھ پیکٹس بھی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہہ دینا کہ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا!؟ یاد رکھیئے کہ مطلب پرست ٹولے نے اس کو تحریف کے حوالے کر کے اس پر حکمت و منفعت بخش منصوبہ بندی کو کلماتِ صلاۃ کے مقاصد پر زور دینے کے بجائے،فقط قرائت کے ش وق کی دقیق ادائے گی تک محدود کر کے،نیست و نابود کر دیا ہے۔اس طرح اللہ کی اصل عبادت سے غافل کر دینے میں وہ کامیاب ہو گئے۔صلاۃ:اٹھک بیٹھک اور بے سمجھے بوجھے کلمات کو فقط قرائت کے حوالے ہو کر رسمی صورت میں منتقل ہو گئی،تا کہ مسلمان سر نہ اٹھا سکیں اور انہیں قابو میں رکھا جائے اور ان کے مطالب پورے ہوتے رہیں۔اس طرح ، قوت جو قیام صلاۃ میں موجزن تھی،مسلمانوں کی غفلت کے حوالے ہو گئی۔

چونکہ ہم ان کے دیئے ہوئے نظام کو ایک عرصے سے اپنائے ہوئے ہیں،وہ ہمارے ذہنوں میں اس قدر رچ بس گئے ہیں،یا ہم ان سے اس قدر مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کے آگے دوسرے نظام کو اپنانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔بات یہ ہے کہ ان کی سطحی و دکھائی دینے والی چمک دمک جو اخلاق سے گری ہوئی خرافات (خفیہ طور پر،مطلب پرستی کے ساتھ بے انصافی اور حق تلفی کے سوا کچھ نہیں) سے بھری ہوئی ہے،ہم ان کے پھندے میں جا پڑے ہیں۔ہمارا دھیان اسلام کے عدل و انصاف سے بھرے ہوئے،مائل بہ ترقی،فلاحی نظام کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتا۔

وقت میں بڑی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ضرورت ہے کہ ہم بہ بانگِ دہل کہیں۔

ہمیں وہ کرنا ہے جسے ماضی میں کسی نے نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ایک عظیم تبدیلی لانا ہے

اسلام دشمن عناصر کے دیکھا دیکھی اسلامی اصول و فروع دین،رسموں کے حوالے کر کے اصل مسلم منصوبہ بندیاں ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دی گئی ہیں۔ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا ہے۔ہمارے ہاتھ میں اسلام کا بے جان ڈھانچہ رہ گیا ہے۔

قدرت نے ہر انسان کی جسمی و ذہنی بالیدگی یا دن بدن بڑھنے کا نظام ایک ہی جیسا رکھا ہے،مگر اس کے ساتھ ہی ان کی جدا جدا اصلاحیتیں ایک ہی کام کی انجام دہی میں مختلف رنگوں کے امتزاج

سے بہتر طور پر نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ اللہ کا یہ عطیہ، وہ مشکلات جو مختلف طرز اختیار کئے ہوتے ہیں، مختلف صلاحیتوں کے مالک افراد کے یکجاء ہو کر ان کا حل تلاش کرنے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (یعنی اگر جماعت کے ساتھ حل کئے جائیں)۔ اسی لئے ہماری ساری عبادات با جماعت رکھی گئی ہیں، اور اس کی تاکید بھی کی گئی ہے، خصوصاً قیامِ صلاۃ جو پانچ وقت ہاتھ کے ہاتھ مسلمانوں کے درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ اللہ کی ربانیت کا جو ہم سے تقاضہ ہے، اس راہ پر فقط قیامِ صلاۃ ہی ڈال سکتی ہے۔ جب ہم یہاں کی مسافرت، کمال کے لامتناہی عروج کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے، اپنے رب کے حضور حاضر ہونگے تو وہ ہمیں عروج کے اس منزل پر پہنچادے گا جہاں فقط اوج ہی اوج ہوگی۔

مشکل اوقات میں بھی مشکل مسائل کا حل کرتے رہنا ہمارا طرز عمل ہونا چاہئے۔ جب حالات موافق ہوں، تو مشکلات سے گذر جانا ہر ایک کے لئے آسان ہوتا ہے۔ ناموافق حالات میں اگر انسان گھبرائے نہیں تو مشکل ترین مراحل بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ مسلمان تو وہ ہے کہ جو بحر ظلمات میں بھی گھوڑے دوڑا دیتا ہے۔ جماعت کے ساتھ مل کر، سارے مسائل جو درپیش ہوں حل کئے جا سکتے ہیں۔ فقط مسئلے کا تجزیہ کر کے دقیق منصوبہ بندی، جس میں مفاخرت کو ذرّہ برابر بھی مقام نہ دیا گیا ہو، لازم ہے۔ امر بالمعروف کے لئے قیامِ ہی وہ حربہ ہے جو صلاۃ ہمیں سکھاتی ہے، جس کی یاددہانی، نماز، دن میں پانچ مرتبہ کراتی رہتی ہے۔ یہی وقت ہے کہ غفلت و بے حسی کے لبادے کو اتار دیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اور متدیّن دانشوروں کے حلقے، جسے آج کل تھنک ٹینک کہا جاتا ہے تشکیل پائیں اور ہر مسئلہ جس سے ملت دو چار ہو، اس حلقہ دانشوراں کے سامنے پیش کیا جائے، جسے وہ مل کر حل کریں اور مخصوص و دقیق منصوبہ بندی کے ساتھ، انھیں عملی جامہ پہنائیں۔ انسانی خدمت کا یہ عمل حصولِ خوشنودیٔ خدا کے مترادف ہوگا۔ جس کا ہر شخص محتاج ہے۔

چونکہ ہدایاتِ الٰہی کی عوام میں تبلیغ نہایت اہم ہے، منبر رسولؐ کا کردار بڑی اہمیت کا حامل

ہے، لوگ اس سے ناامید ہیں کہ وہ ناکام ہے؛ بلکہ سوہان روح بنا ہوا ہے۔ اس سلسہ میں چند تجاویز پیش خدمت کی جا چکی ہیں جو ضروری نہیں کہ کافی ہوں، قارئین سے استدعا ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل کر قابل استفادہ بنائیں۔

اتحادِ مسلمین سے غفلت

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹

سارے انسان ایک امت تھے، پھر سب آپس میں الگ الگ ہو گئے؛ اگر تمہارے رب کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی، تو یہ جس بات میں اختلاف کرتے ہیں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (یونس ۱۰/۱۹)

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۱۰

اور اس نے اس زمین میں اوپر سے پہاڑ قرار دیدئے ہیں اور برکت رکھ دی ہے اور چار دن کے اندر تمام سامانِ معیشت کو مقرر کر دیا جو تمام طلبگاروں کیلئے مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ (فصلت ۴۱/۱۰)

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ

ملت تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ہے، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ (حج ۲۲/۷۸)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶

اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔ صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (انفال ۸/۴۶)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:۔ فیصلے دو قسم کے ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اور جاہل لوگوں

کے :۔ جو اللہ کے فیصلوں سے سرتابی کرے گا، اس کے فیصلے جہلاء کے فیصلوں جیسے ہوں گے۔

یہاں یہ مقصود نہیں کہ اتحاد کو ثابت کرنے کیلیئے دلائل پیش کئے جائیں۔ دنیا کی ہر شئے متحد ہوکر کاروان حیات کو، ایک دوسرے کی قوت و امداد حاصل کر کے آگے بڑھاتی چلی جارہی ہے۔ یہ اتحاد، بذات خود بتارہا ہے، کہ اگر یہاں عدم اتحاد ہوتا تو اس کی گاڑی آگے بڑھنے کے قابل نہ ہوتی۔

مسلمانوں کو متحد ہوکر مسافرتِ حیات طے کرنے کے لئے، اللہ کے دیئے ہوئے مکمّل نظام ہدایت کو قرآن اور اہلبیتؑ کے ذریعہ بہم پہنچانے کے باوجود مسلمانوں میں پھوٹ یا گروہ بندی خوفناک حدتک پہنچ چکی ہے بلکہ بڑھتی جارہی ہے۔ ایک بڑی برائی، بلکہ کمبختی ہے۔

منبرِ رسولؐ کو نشر گاہِ اسلام کا مقام دیا گیا تھا۔ کچھ عرصے تک اس سے یہ کام لیا جاتا رہا۔ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ ایسے مطلب و مقام پرست عناصر اس پر آبیٹھے جو اسلام کے نام پر اس سے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہے،۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام میں کتنے فرقے وجود میں آگئے جس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ مثلاً؛ منبر پر بیٹھ کر گڑھی ہوئی یا تحریف شدہ قصّے کہانیاں سنا کر تعصّب پیدا کرنا اور اس کے ذریعہ، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا۔ اس کے لئے، تقریباً ہر ملک میں مسلمانوں کی زیادہ آبادی جاہل رکّھی گئی ہے تاکہ اپنی کم یا نا سمجھی یا جہالت کی بناء پر وہ حکمراں کی کسی بھی قدم پر نکتہ چینی نہ کرسکیں اور وہاں ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد پورے کرتے رہیں۔ ان کے ذہنوں میں 'ہر آن کہ خسرو کند شیریں بود' یعنی حاکم کے منھ سے نکلی ہر بات سچّی ہوتی ہے، کا بیج بو کر ان کا منھ بند رکّھا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ پسماندہ رہ گئے۔ علم سے وہ دور رکّھے جانے کی بناء پر، روزگار میسر نہیں، اور وہ فقر میں مبتلا ہیں۔

مطلب پرست سیاست دانوں کی بنائی ہوئی طالبان، القاعدہ اور دوسری اندھی تعصب میں مبتلاء، مردم کُش جہل مرکّب میں بڑی تحریکیں اسی منبر کے سہارے وجود میں لائی گئیں۔ ان کے جوان، جو اپنی جان پر کھیل کر ناحق سیکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ انہیں ترس بھی نہیں آتا۔ یہ بین الاقوامی سیاست کا حصّہ ہے۔ عاقبت سے نا آشنا، تکبّر و مفاخرت میں مبتلا، کمزور و نافہم سیاست داں اپنے

ماڈی مفاد، شان وشوکت کی بھوک مٹانے کے لئے، ساتھ ہی اپنی ان کمزوریوں کو چھپانے کے لئے عوام کے ذہن کو طالبان اور القاعدہ وغیرہ کی طرف مبذول کر دیتے ہیں۔ان اسلام سے منحرف سازشوں میں مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔

زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے ٹیلیویزن پر ڈبلو ایچ وائی نے، رک اسٹیو جو بہت سارے ممالک میں جاکر، قابل دید مقامات اور وہاں کے لوگوں سے مل کر docomenteries بنا چکا ہے۔ united Nations کی دعوت پر ایران کے شہر تہران وشیراز و اصفہان، دیہی علاقے، آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات اور وہاں کے گلی کوچوں بازاروں مساجد ومزاروں و وہاں کے مقامی عوام وخواص، دانشگاہوں کے طلباء سے ملاقاتوں کا نہایت دل آویز ویڈیو نشر کیا۔وہ اپنے فن میں ماہر ہے اور نہایت درجہ کی ملائم شخصیت کا مالک ہے۔اگر گہری نگاہ سے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا یہ دورہ مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی دیرینہ سازشی منصوبہ کا جز ونظر آتا ہے۔رضا شاہ کو بار بار سامنے لایا، اس کے ظالمانہ کردار کی مذمت نہیں کی، مصدّق کو رضا شاہ کے اقتدار پر بے جا دخل انداز قرار دیا اور خمینی کو ظالم کہہ کر متعارف کرایا۔وہاں کی سیاست کی بات چھیڑ کر ایک یونیورسٹی کی طالبہ سے کہلوایا کہ عوام سیاست کو جز و دین دیکھنا پسند نہیں کرتے۔خامنہ ای کو dictator کہا۔احمدی نژاد کے الکشن کو کسی سے بھی غیر قانونی کہلوا نہ پایا، اس لئے اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں۔اسلام میں اتحاد کی بات کاٹ کر تفرقہ کی بات یہ کہلوا کر کرائی کہ رسول کا انتقال ہوتے ہی شیعہ وسنی وجود میں آگئے تھے، جس کی بناء سیاست تھی۔اس وجہ مخاصمت کی بناء پر لاکھوں جانیں تلف ہوئیں۔مسلم ثقافت کو اپنے حرکات وسکنات سے پسماندہ قرار دیتا رہا۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ، جسے غیر جانبدار ہونا چاہئے تھا، دباؤ میں آکر میڈیا سے اپنے ہی ایک رکن یا ممبر کے خلاف کھلم کھلا وہاں کے عوام کو ان کے اپنے ملکی مفاد کے برعکس ذہنی طور پر آمادہ با مخاصمت کرنے میں دریغ محسوس نہیں کرتی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس جیسی سیاست کو حق بہ جانب پاتی ہے۔

ایسی کھلی ہوئی سازشیں جو مسلمانوں کے عقائد وثقافت پر اثر انداز ہوں میڈیا کھلے عام انجام دے رہا ہے۔ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم غفلت کے مارے خاموشی سے بلا احتجاج، انہی برداشت کر لیتے ہیں۔

یہی کام کم وبیش مسلمانوں کے منبر انجام دے رہے ہیں۔ معدود چند کے علاوہ، ذاکر ہو یا کسی حوزۂ علمیہ کا تصدیق شدہ عالم، مسلم نااتفاقی کو بجائے دور کرنے کے فروغ دے رہے ہیں۔ منبر رسول پر بیٹھ کر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ منبر جو مسلم اتحاد وانسان سازی کیلئے بنایا گیا تھا، اس کے اخلاق کو علم کے ذریعہ بلند وبالا مقام یا عروج کی طرف راغب رکھنے کے لئے تھا، اسی منبر پر ایسے مقرر بٹھائے جانے لگے جنھوں نے مسلمانوں میں تفرقہ اندازی پیدا کر کے خون کے دریا بہانے اور بہاتے رہنے کی ٹھان لی ہے۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کو زوال کی طرف ڈھکیل دینے میں، آنے والی نسلیں بھی اثر انداز ہوں گی۔

نوجوانوں کو تعصب اچھے اخلاق سے دور کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی، جو اتحاد کے ذریعہ رواں دواں ہوتی، اپنی آب وتاب کھو بیٹھتی ہے۔ چونکہ اس معاملے میں اسلام کے نظریہ اتحاد پر، جو صلح وآشتی کو فروغ دے کر، متحدہ طور پر مسائلِ مسلمین حل کرنے کیلئے ہے، چوٹ لگتی ہے، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس سیاسی کھیل کی مذمت کرے۔ اجتماعی طور پر پس ماندہ وناخواندہ علاقوں کے لوگوں کو علوم سے مزیّن کرے، تاکہ ان میں آگاہی پیدا ہو، ان کی ترقّی کے لئے منصوبے بنائے، کاروبار کا بندوبست کرے، تاکہ ان کا استحصال نہ کیا جاسکے اور ان کے بچّوں کی جانیں طالبان والقاعدہ وغیرہ کے ہاتھوں جو خون بہایا جارہا ہے، روکا جاسکے۔ اس کا تدارک نہ کیا گیا، اور مسلمان آنکھوں پر غفلت کی پٹّی باندھے بیٹھے رہے تو گرے ہوئے اخلاقِ امہ کی ذمّہ داری بھگتنا پڑے گی۔ اللہ اس کا حساب چکا لے گا۔

ہدایت دہندہ ادارے' ایک جائزہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غفلت نے کیسے ڈیرہ ڈالا؟ رسولؐ اللہ کی ہدایات جو آئمہ اطہار کی تحریروں سے ہم تک پہنچی ہیں، اگر بہ نظرِ غائر پڑھی جائیں تو نظر آئے گا کہ وہ انسان کو جگا کر رکھنا چاہتی ہیں۔ ہر ایک میں مقصد جھلکتا نظر آتا ہے۔ خیر العمل کی گونج بہ بانگ دہل ہمہ وقت، یاد دلانے میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہی ہے۔ عمل ہی ہے جو انسان کو جگا کر، غفلت سے دور رکھتا ہے، ہدایت پہنچانے والے

اداروں کی موجودگی میں کیسے رسموں کے گھیرے میں جا پڑیں۔کون تھے وہ لوگ جو اسلام کا محکم بنیادوں رکھا ہوا ساختمان بے راہ روی کے دھارے میں بہتا ہوا دیکھتے رہے اور وہ ہاتھ سے جاتا رہا۔انہیں غفلت میں کس نے ڈال دیا تھا کہ آگے بڑھ کر وہ پوری ملت اسلامیہ کو رسموں کے حوالے کردیں۔اگر ان صاحبان فضیلت کو آئمہ اطہار کے ولی کے درجہ پر فائض ہونے پر یقین ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی کہ بھکے ہوؤں سے ان کا تقابل کرتے۔لوگوں کا وقت اس پر ضایع کرتے ہیں۔جن کی بنیاد ہی علم سے ہٹ کر تعصب پر قائم ہو حقیقتوں سے اس کا کیا واسطہ۔قرآن و پاک اہلبیت کی تعصب سے گریز اں ہدایات کے باوجود، کیوں منبر سے ناپاک باتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔اللہ، رسولؐ اور اولی الامر نے (نساء ۴/۵۹)، جن باتوں سے روکا ہے کیوں ہوا دی جارہی ہے۔ہوش میں نہ آجانے کی کیا وجہ ہے؟ خواہ وہ ناسمجھی ہی کیوں نہ ہو، زباں زدِ عام ہے کہ یہ ادارے، خدا پرست ہدایت چھوڑ، مفاد پرستی کے دام میں جا پڑے ہیں۔۔۔تقدس کا بھی اک مقام ہے! ہر چیز اپنی جگہ پر بھلی لگتی ہے۔آئمہ اطہار ہدایت کے ساتھ ساتھ کاشتکاری، کاغذ ر چمڑہ سازی و دیگر کارخانے وغیرہ چلا کر برآمد کرنے میں عار محسوس نہ کرتے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسائل کو حل کرنے کا طریقہ دینی احکام سے حاصل کر کے سکھایا ہی نہیں جاتا۔ضرورت ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ، یہ احکام عدالت کی محکم بنیادوں پر قائم ہیں۔اللہ نے عدالت اور راست بازی کے عملاً درس کے لئے قرآن و مستقل ادارۂ اہل بیت کا تعین کیا ہے، جو ہر مسئلے کا حل کا حامل ہے۔اس حقیقت کو جانتے بوجھتے طاغوتی افکار و قوانین سے اس کا حل حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا درست نہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جو اپنے آپ کو عالم کہلواتے ہیں، عملاً خود ہی ہدایت کرنے اور ہدایات اسلامی پر عامل ہونے سے کنارہ کش ہیں تو جہلاء کو سمجھائیں کیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادارے جہاں سے یہ منبر نشیں تعلیم حاصل کر کے آتے ہیں، ان ضروری امور کی تعلیم نہیں دیتا، یا اگر دیتا ہے تو طلبا انہیں جذب نہیں کر پاتے، کہ وہاں کے اساتذہ کو تعلیم دینے کا سلیقہ نہیں آتا ورنہ ان میں سے چند ایک ان امور کا تذکرہ تو کر ہی دیتا۔

احتیاج احتجاج

ضرورت ہے کہ ان اداروں کو احساس دلانے کیلئے عوامی احتجاج برپا کیا جائے۔ کہ وہ تعصّب زدہ تعلیمات کو جو فرقہ بندی کو پنپنے میں تقویت کا باعث بنتے ہیں تعلیمات سے باہر کردیں۔ تعصب انسان کو اندھا بنا دیتا ہے۔ فکرِ انسانی کے آگے پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس سے باہر آنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔

موجودہ زمانہ علم و آگاہی کا ہے۔ وہ لوگ جو مخصوص سازشوں کے تحت ناخواندہ رکھے گئے ہیں، ان کے دلوں میں بھی ایک آرزو ہوتی ہے کہ، وہ باتیں جو وہ نہیں جانتے اس کی بابت علم حاصل کر لیں۔ چونکہ انہیں آغاز زندگی ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ، منبر سے جو باتیں نشر ہوں انہیں صحیح جانیں، جب وہاں سے تعصّب لبریز، تفرقہ انداز باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ بھی اپنے کو عقل کل سمجھ کر متعصّب جتھے کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ جس قدر کسی میں علم کی کمی ہوتی ہے، اسی قدر غور وفکر کرنے کی صلاحیت میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے اقتدار پسند طبقے نے کم علم یا ناخواندہ لوگوں کو بطور حربہ، اپنے اصطبل میں گھوڑوں گدھوں کی طرح باندھ کر رکھا ہے۔

ایک منبر سے ایک شخصیت پر درود بھیجا جاتا ہے، دوسرے منبر سے اس پر لعنت، کتنے بڑے تضاد کی بات ہے۔ مگر ہم ہیں کہ نعرہ لگائے چلے جا رہے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ دونوں اللّٰھم سے شروع ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو پتہ ہی نہیں کہ کون مستحق درود ہے اور کون سزاوار لعنت۔ معاذ اللہ یہاں ان کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کو پڑھائیں!!۔ وہ جو دیدہ و دانستہ اس سمت دھکّہ دیئے چلے جا رہے ہیں، ہمیں ان سے دوری اختیا کر لینا چاہئے۔ ایک فطری بات ہے کہ اگر کسی برائی کو دور کرنا مقصود ہے تو اس کی جگہ فقط اچھائی کو رکھ کر اس کا چرچا کیا جائے، برائی کا تذکرہ چھوڑ دیا جائے۔ برائی اپنا دم خود توڑ دے گی۔

ضرورت یہ ہے کہ بجائے ان شخصیتوں کی مذمّت کرنے کے کہ جو تواریخ کے حوالے ہو چکیں، جہالت اور جاہل بنا کر رکھنے والوں کی طرف اس کا رخ موڑ دیا جائے، اعلیٰ وارفع علم و آگاہی کی شمع کو اتنا

روشن کیا جائے کہ دنیا علم و دانائی کا بقعہ نور بن جائے۔ احکام قرآن و سنّت کے برخلاف تعصب و لعن طعن کی گنجائش باقی نہ رہے۔

آیۃ اللہ خمینی نے ایک دل لگتی بات کہی تھی، غور فرمایئے:۔

''شاطر یہودی ہمارے کمزور علماء کے سینہ پر سے پھلانگ لگا کر ہماری صفوں میں داخل ہوا اور ہماری کتابوں میں تحریفات کر ڈالیں''

کتنی ایسی بے سر پیر کی باتیں ہیں، جنہیں قبول کر کے، ہم اپنے اعمال کا حصّہ بنائے ہوئے ہیں۔ صدیاں گذر گئیں، قیام صلاۃ کو رسمی صورت دے کر ادا کیا جا رہا ہے۔ کلماتِ صلاۃ کی تلاوت: تجوید رقرائت اور رکوع و سجود پر لکھی ہوئی کتابوں کی بازار میں بھرمار ملے گی، مگر ان کے بطن میں معنیٰ و مقاصد کیا پنہاں ہیں، جو ہمارے اعمال کو مرضیِ الٰہی کے مطابق ڈھال دیں عنقا ہیں۔ یہ باتیں انہی تحریفات کا جزو ہیں جن کو مادّی مفادات حاصل کرنے کے لئے رکھا گیا تھا، اور اب بھی جاری ہیں۔ محمد و آل محمدؐ ہمیشہ تعصب و تفرقہ اندازی سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہے ہیں۔ مگر بکاؤ علماء نے کبھی بھی ان کی موافقت نہ کی، اور نت نئے طریقوں سے، مسلمانوں کے درمیان خلیج بڑھاتے رہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سوچ سمجھ پر پہرا بٹھا دیا گیا ہے۔ اسلام ایک معقول دین ہے: اس کی ہر بات دلائل پر مبنی ہے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ وہ یوم الدین کے موقع پر ہر شخص کا حساب کر دے گا، تو ہمیں اس چکر میں پھنسے رہنے کی ضرورت کہاں سے آن پڑی۔ ہم پر جو بات لازم ہے وہ یہ ہے کہ بروں کی برائیوں سے اپنے آپ کو بچانے کا انتظام کریں۔ تاریخ کی کتابیں کو بہت ہی غور سے مطالعہ کی ضرورت ہے، وہ بیشتر جھوٹ کا پٹارہ ہوتی ہیں۔ احادیث نبوی بھی تحریف کی شکار رہی ہیں، ہمیں نہایت عقلمندی کے ساتھ، ان میں سے، اچھائیوں اور برائیوں کو تلاش کر کے قرآن اور اہلبیت رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر پرکھ کر، جو عین عدل الٰہی پر مبنی ہیں، ان کے مدِ نظر اپنے اعمال کو درست حالت میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ یوم الدین پر کہے کہ ہمارے کام میں دخل اندازی کا حق تمہیں کس نے دیا تھا کہ اس میں پھنس کر رہ گئے۔ لعنتوں پر جو وقت صرف کیا تھا، عقل سے کام لے کر

،اسے صحیح مصرف میں لاتے اور صالح اعمال کے مالک بن جاتے۔

فروعِ دین میں تبرّا کا مقصد برائیوں سے دوری چاہنا ہے اور تولّیٰ: جیسے ولائے محمدؐ وآلِ محمدؑ ،جو ہمارے ولی ہیں، ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اپنے اعمال کو صالح بنانا ہم پر فرض ہے۔ ان کی شفاعت فقط صالح اعمال کرنے والوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ متعصّب ذاکر یا عالم ہمیں تعصب سکھاتا ہے، جس کا نتیجہ کشت وخون میں رونما ہوتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پورا مسلم معاشرہ خون میں لت پت ہے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس بے جا کشت وخون کے سدّ باب کی کوشش کریں جس کا اسلام کے کسی گوشے میں بھی گنجائش نہیں اور ہر وہ کام انجام دیں جس سے انسانیت بہتری کی راہ پر گامزن ہو کر ترقّی کرتی جائے۔ اس میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہونے پائے۔ منبر پر جلوہ افروز ہونے والے مقدّس افراد کا یہ فرض منصبی تھا، وہ اس میں مہارت نہ رکھنے کی بناء پر ناکام رہے۔ مسلمانوں کو غفلت اور بے حسی سے نجات دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ان کی اپنی اقتصادی مسائل کو حل کرنے اور مسلم امۃ کے اصلاح کے لئے منصوبہ بندی کے ساتھ **leader ship** کا درس ہی نہیں دیا جاتا۔ یا اگر پڑھایا جاتا ہے تو، اسے باور نہیں کرایا جاتا کہ اس کو وہ اہمیت دیں۔

وقت کی ضرورت

وقت کی ضرورت ہے کہ ہر حوزہ علمی میں اس امر کے لئے بھی ایک شعبہ کھولا جائے جو مفصل طور پر بدلتے ہوئے حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تحقیقات کے ذریعہ منصوبہ بندی کا سلیقہ سکھائے۔ ظاہر ہے جب دنیا پر نظامِ سرمایہ داری یا **capital asm** چھائی ہوئی ہو، اس کے اثر سے کنارہ کشی بغیر انقلاب برپا کئے ممکن نہیں۔ خالی شکم منبر پر کوئی کیسے جا بیٹھے۔ جب کہ ہر وہ عمل جو راہِ اسلام سے ہٹ کر ہو بے راہ روی ہے۔ اسے راہ پر لانے کے لئے، دوسرے لوازمات کے ساتھ جذبۂ رضا کاری کی بھی سخت ضرورت ہے۔

علماء کو اقتصاد کی رسّہ کشی سے دور رکھنا وقت کی ضرورت ہے۔ ماں باپ پر فرض ہے کہ وہ

بچّوں کو تعصّب کو جز و نہی عن المنکر بتائیں اور اپنے انہیں بچوں کو اسلامی تعلیمات کے لئے مدرسے بھیجیں جن میں:

دین سے رغبت بدرجہ اتم موجود ہو، تیز ذہن ہو، لیڈر شپ کی اعلیٰ صلاحیت جھلک رہی ہو۔ ان کو دینی تعلیمات کے ہمراہ، ہمہ وقت دانشگاہی تعلیمات بھی دلوائی جائے یہاں تک کہ اپنی مخصوص، دلنشیں صلاحیت پر مبنی شعبہ یا subject پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مشغول ہو جائے یا ڈاکٹریٹ کے مدارج طے کر کے پروفیسر وغیرہ کے درجہ پر فائض ہو کر خود کفیل ہو جائے۔ (اس کے تعلیمی اخراجات والدین یا کمونٹی یا ادارۂ خمس برداشت کرے۔ ضرورت کے تحت اکٹھا ہو کر تینوں اسے برداشت کریں)۔

اس طرح جب فارغ التحصیل ہو کر وہ بچّہ میدانِ عمل میں وارد ہوگا؛ خردمندی، روشن خیالی اور بالغ نظری اس کا منھ چومتی ہوگی۔ وہ خود کفیل ہو کر کھلے دل کے ساتھ منبر پر جلوہ افروز ہوگا، اس کے اقتصادی معاملات اس کے لئے زیادہ تنگی کے باعث نہ ہونگے۔ منبر سے حق بات کہنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوگی۔ تحقیقات کر کے اسلام کے چھپا دیئے گئے پہلوؤں کو روشن کر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے باہر آنے میں ان کی مدد کرے گا۔

اسلام جو فطرت سے ہم آہنگ دین ہے اس کی فکر مسلمانوں میں تعصب پیدا کر کے الجھانے کے بجائے اعلیٰ تحقیق پر مبنی افکار کو بروئے کار لاکر ان کا وہ مقام دلوانا ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے۔ تعصب جزوِ نہی عن المنکر ہے، یعنی منکراتِ اسلامی میں سے ہے۔ ائمہ اطہار نے کبھی بھی مسلمانوں کو، شیعہ یا سنّی کہہ کر پکارنے کی ہمت افزائی نہیں کی۔ بلکہ اسے ہر طرح سے روکنے کی سعی کی۔ اکثر کتابوں میں کلمہ 'ہمارے شیعہ' آئمہ اطہار سے منسوب کیا گیا ہے جو سراسر تحریف کا جزو ہے۔ قرآن جب تفرقے کی بہت ہی کھلے اور درشت الفاظ میں مذمت کرتا ہے، تو طاہر و مطہر ہستیاں کس طرح اسے برداشت کر سکتی تھیں۔ امام رضاؑ نے ایک گروہ جوان سے ملاقات کا متمنّی تھا، اپنے کو شیعہ کہہ کر اجازتِ ملاقات چاہی، انہوں نے قطعی طور پر منع کر دیا۔ ان میں سے کسی سمجھدار شخص نے جب دریافت کیا کہ ان

سے کیا غلطی ہوئی ہے کہ اجازت نہیں مل رہی ہے۔ تو امام نے بتایا کہ اپنے کو ہمارا شیعہ نہ کہو۔ ہم ہیں کہ اسلام سے اس قدر منحرف ہو گئے ہیں کہ امام جو ہمارا ولی ہے اس کا بھی کہنا نہیں مانتے۔ جب ہم قرآن و رسول وائمہ کا کہنا نہیں مانیں گے تو بات شیطان کی رہ جاتی ہے۔ اس کا تو کام ہی اپنے کو اپنا ولی بنا لینا ہے۔ اس کی جھولی کھلی ہوئی ہے۔

بچت اسی میں ہے اور وقت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو فقط و فقط مسلمان کہلوائیں۔ ورنہ، ایسی حکم عدولی، تعصب جس کی بنیاد ہی کھلی ہوئی جہالت ہے۔ وہ اپنی کال کوٹھری میں مقید کر کے ترقّی کی کھلی راہوں سے دور رکھّے گی۔ ہم جامد و محدود نظریئے کے پھندے میں پھنس کر اپنے کردار کو ہمیشہ کے لئے کثیف بنالیں گے اور راندہ درگاہِ ربّ العالمین ہو کر جہنّم کی آگ میں جا پڑیں گے۔

اس کے علاوہ، اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ منبر پر بیٹھنے والوں کے لئے، باقاعدہ ایک کورس طے کیا جائے جس پر ہر مقرر پوری طور پر دسترس حاصل کر کے، اس کا امتحان پاس کرے اور صرف ایسے ہی لوگوں کو اجازت ہو کہ منبر پر بیٹھیں۔ بلکہ ان پر بھی نگاہ رکھی جائے کہ کہیں ان سے بھی لغزش تو سرزد نہیں ہو رہی ہے۔ کسی دوسرے کو منبر سے کچھ کہنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ ایک اہم ذمّہ داری ہے، جس کا پورا ہونا از حد درجہ لازم ہے۔ اگر اسے چھوٹ ملی جاتے تو، سوا مزید گراوٹ کے کسی بہتری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر اصلاح کی طرف قدم نہ بڑھا اور اس اہم امر سے کنارہ کشی جاری رہی تو شائد مسلمانوں کو اپنی جان بچانے کے لئے قدیم غاروں کی طرف رخ کرنا پڑے گا۔

رسولؐ اللہ نے جب تبلیغ رسالت شروع کی اس وقت بھی آج کی طرح لوگ بکھرے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ نفرت، عداوت و کشت خون میں مبتلا تھا۔ وجہ اس کی جہالت و نادانی تھی۔ رسولؐ مقبول نے اپنے اردگرد لوگوں کو اسلام کی سچّائی کی حقیقتوں سے آگاہ کیا۔ انہوں نے رسولؐ کی باتوں کو قبول کیا، اس لئے کہ سچّی و معقول تھیں اور وہ خود ان پر عامل تھے۔ ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور متحد ہو گئے۔ گویا کہ اتحاد بین المسلمین قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دلائل سے مرصّع علم اور پر خلوص عمل کے ذریعہ (

اس زمانے میں بھی) اسے فروغ دیا جائے۔ اس کام کے لئے منبر اور اس پر بیٹھنے والوں کو، مناظرہ بازی سے دور رہ کر فقط درست اسلامی تعلیمات کو نشر کرنا لازمی بات ہے۔

اختصار کے ساتھ، ان نکات پر غور کر لینا کہ جو اس میں معاون ثابت ہوں لازم ہے۔ چند نکات حاضر خدمت ہیں، جو حرفِ آخر نہیں، مقصد کے سمت کی طرف اشارہ ہیں، اصلاح و توسیع کے طالب ہیں:

- انسان ساز و بادلیل اقتصاد اسلامی کی برکتوں کو اجاگر کرنا، اس پر زور
- متنازعہ معاملات سے قطعی اجتناب؛ تا کہ پر معنیٰ یکجہتی و وحدانیت برسرِ کار رہے۔
- ہر وہ لفظ جو منبر سے نشر ہو مسلم برادری کو یک جا کرنے کے لئے ہو۔
- مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے والوں کو قرآن خود تنبیہ کرتا ہے، اس میں ملوّث کی مذمت
- ہر وہ عمل جو مسلمانوں کو ترقّی کی راہ پر گامزن کر دے بتانا۔۔۔ وضاحتِ احکام دینی۔
- امر بالمعروف و نہی عن المنکر؛ لا متناہی مخزنِ اخلاقِ حمیدہ ہے، جو دورانِ مسافرتِ امامؑ جہاں بھی خیمہ زن ہوتے، فقط اسے موضوعِ سخن بناتے۔
- قرآن سے اخذ کیا ہوا تذکرۂ اخلاق؛ جس کی اس میں فراوانی ہے۔
- تقویٰ کی طرف راغب کرنا۔
- عربی زبان سیکھنے اور گھر و مسلمانوں کے درمیان فقط اسی میں بات کرنے پر زور
- علم کے اعلیٰ و ارفع مقامات کے حصول کی ترغیب، اور اس کے لئے منصوبہ بندی
- اخوت محمدی؛ جو اسلام کی جان ہے اور عربی اس کی رگ و ریشہ ہے۔
- سنتِ رسول؛ جو قرآن و اہل بیت سے مصدّقہ ہو۔
- تذکرۂ سیرتِ محمد و آلِ محمد؛ ذریعہ اصلاح معاشرہ۔
- اتحاد بینِ المسلمین قرآن و اقوالِ آئمہ اطہار کی روشنی میں؛ اجاگر کرنا۔
- تقریر کے بیچ بیچ میں مصائب امام بیان کر کے جذبات ابھارنا اور معاشرے کی اصلاح و

ترقّی کی باتیں ثبت کر دینا؛ مصائب اوجِ ترقّی پر پہنچا دیتے ہیں، تشریح کرنا۔

- اصول وفروعِ دین کی تشریح کے ذریعہ، صحیح راہِ زندگی کی نشاندہی کرنا؛ قوتِ صلاۃ کا تذکرہ کر کے قیام کس طرح برائے اصلاحِ انسانیت مسلمانوں کو آمادہ کرسکتا ہے، سمجھانا۔
- قرآن نہج البلاغہ، صحیفہ کاملہ اور کتب ھائے احادیث سے اخذ اقتباسات کی تشریح کرنا۔
- مسائلِ شرعیٰ کا مدلّل بیان کرنا۔

اس سلسلے میں نصابِ تعلیم، جو دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو: علماء اور دانشور اصحاب مل کر تیار کریں۔ اس کے اجراء کیلئے ایک مستقل ادارہ قائم کریں۔ ساتھ ہی ہر عزا خانے کے لئے ایک بورڈ قائم کیا جائے کہ جو مندرجہ بالا نکات کی سالمیت پر نگاہ رکھے۔ اس کام میں کوتاہی، موجودہ وقت کے مسلمان تباہ حالی برقرار رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔ آئندہ نسلیں اس کی چنگلوں میں پھنس کر بے راہ رہیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان اخلاقِ اسلامی کے پابند ہو جائیں اور یکجہت ہو کر ترقّی کی راہوں پر دوبارہ گامزن ہو جائیں۔

افرادِ خاندان، بچّوں کے سامنے یا پسِ پشت، تعصب کی باتیں نہ کریں۔ فقط اسلام کی صاف ستھری ہدایات اور ان پر عمل پیرا ہونے کے تذکرے ہوں۔ تا کہ آئندہ نسلوں سے ان کا اخراج ہو جائے۔

اجرائے اقتصادِ اسلامی سے غفلت

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۸

جان لو، یہ تمہاری اولاد اور تمہارے اموال، ایک آزمائش ہیں، اور خدا کے پاس اجر عظیم۔ (انفال ۸/۲۸)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔـوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا

يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

انہیں پیاس، تھکن یا بھوک راہِ خدا میں نہیں لگتی اور نہ وہ کفار کا دل دکھانے والا کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔ اچھے اعمال ان کے حق میں لکھ دیا جاتا ہے، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال سے بہتر اجر عطا کرے۔ (توبہ ۹/ ۱۲۰۔۱۲۱)

رسولِ خداؐ نے فرمایا:۔

دولت پرست ملعون ہے، ملعون۔ (معانی الاخبار، ص ۴۰۴)

مزید فرمایا کہ:

مردگان کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرو!

پوچھا گیا مردگان کون لوگ ہیں؟

فرمایا: ثروتمند لوگ؛ کہ ان کے مال نے انہیں یادِ خدا سے غافل کر دیا ہے اور دوسروں پر ستم کرنا روا جانتے ہیں، اور اپنی ثروت سے توشہ آخرت کا بندوبست نہیں کرتے۔ (اخلاق شبر ص ۱۰۷)

یہ معاشرے کی بے راہ روی ہے جس کی لپیٹ میں آ کر ہماری اولاد کا اخلاق دگرگوں نظر آتا ہے۔ اس پراثر انداز اصل وجوہات میں سے ایک مدلّل، لازوال اقتصادِ اسلامی پر عمل پیرا نہ ہونا ہے۔ دورِ حاضر میں، ہم نے ایسے اقتصادی ڈھانچے کو اپنے اوپر وارد کر لیا ہے، جس کا وجود اسلام اپنے نظام میں کسی صورت سے بھی گوارہ نہیں کرتا؛ جو کمزور بنا دئے گئے، لاچار انسان کو سود در سود میں بسے ہوئے قرض کے تلے دبا دے۔ اسلام تنگ دست کی ضرورت کو خلوص کے ساتھ پورا کرنے کو اوّلیت کا درجہ دیتا ہے، قرض کو معاف کر دینے کی حد تک پہنچا کر اسے عملِ احسن قرار دیتا ہے۔ ایک ناتواں انسان کو قرض دے کر مہینہ، نصف سال یا سالانہ وار سود کے اوپر سود لگے ہوئے قرض کا بوجھ رکھ کر مجبور کی ناتوانی میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ قرضے کی رقم سے حاصل کیے ہوئے سود کو گھر بیٹھے، یا بغیر کچھ کام کئے مجبور کی کمائی کو اپنے لئے آمدنی کا وسیلہ بنائے رہتا ہے۔ اسے امداد کا نام دے کر لوگوں کو ان کی کمائی سے محروم کرتا رہتا ہے، تاکہ ترقی کی راہیں ان کے لئے ہمیشہ مسدود رہیں۔ اس طرح بلا مشقت کئے تونگر، تونگر تر

اور مجبور مجبور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔قرضہ دینے والا فراوانی میں پڑ کر عیش وعشرت کی تباہ کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور کمزور کمزور تر۔چونکہ یہ عدالت، یا عہدہ برآئی ئے طبع کے خلاف ہے، معاشرے کے اخلاق پر اثر انداز ہوتا چلا جاتا ہے۔اس میں دن بدن گراوٹ بڑھتی جاتی ہے۔یہ وہ نامراد طرز زندگی ہے جو بڑی بڑی تہذیبوں کو ملیامیٹ کر چکی ہے۔محتاجِ وضاحت نہیں۔

بزرگ علماء کی تصانیف موجود ہیں، جنہوں نے دنیا میں دوسرے نظامہائے اقتصاد کا اسلامی اقتصاد سے موازنہ کر کے اخلاق کے ہر گوشے کے مطالعہ کے ہمراہ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔اس مقالے میں اتنی گنجائش نہیں کہ انہیں بیان کیا جائے۔علامہ باقر الصدر کا نام سرفہرست ہے۔ان کی وضاحت شدہ حقائق سے استفادہ نہ کرنا، اسلام کے عطا شدہ اقتصادی قوانین سے کنارہ کشی ہے، ان پر عامل نہ ہونا ہے۔یہ ناعاقبت اندیشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔جبکہ آخرت یا عاقبت ہی وہ مرکز ہے جس پر ہر انسان کی نگاہیں گڑی رہنا چاہئے۔عاقبت یعنی یومِ الدین پر، مرحلہ حساب سے گذرنے کے بعد، جو زندگی ہاتھ آئے گی: جنّت کی خوش گوار نسیم یا جہنّم کی بادِ سُر سُر ہوگی۔جو ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار بنی رہے گی!!

Socialism کا حشر ہم دیکھ چکے ہیں۔اسے اس نظام میں ترقی کرنے کیلئے محرّک: بے لاگ خدمتِ انسانی میں دوڑ ومسابقت سے مربوط مقاصد نہ ہونے اور عوام کے ساتھ حکومت کے مقتدر افسروں کی بے انصافیوں، انسانیت سوز برتاؤ، ان کی آزادی سلب کئے جانے کی وجہ سے ناکام ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اقتصادِ اسلامی اپنا مقام حاصل کر لے تو بقولے دو بکری و بھیڑیا ایک گھاٹ پر پانی پئیں''۔نہ مقام پرستی، لالچ، تمکنت، مفاخرت، فراوانی، زیاں پر مبنی انواع واقسام سے مزیّن پر تکلف شہنشاہانہ دسترخوان، فلک بوس محلّاتِ وامارات، رہ جائیں اور نہ ہی گھاس پھوس کی جھوپڑی، خالی شکمی، ناداری، ناخواندگی، لاچاری و ناانصافی باقی رہے۔حاکم و عوام ایک ہی تھالی میں کھانا کھائیں۔

حضرت علیؑ کو دیکھئے، ہاتھ میں بیلچہ ہے، اور فقراء کے ساتھ انہیں جیسا ان کا رکھ رکھاؤ: زمیں

کھود کر چشموں سے نہریں جاری کر رہے ہیں۔خدمتِ انسانیت میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر رکھا ہے۔ ''پہلے دوسرے بعد میں ہم'' کا نعرہ ہر طرف بلند ہے۔ ہر طرف عدالت کا بول بالا ہے۔ جہالت اپنا منہ چھپاتی پھر رہی ہے۔علم و آگاہی، انسانیت کی سلامتی و بہبودی کے لئے ارتقا کی بلند ترین منزلوں کی طرف رواں دواں نظر آرہی ہے۔ ہر طرف تحقیق و اختراع کا چرچا ہے۔گلشنِ انسانیت ،دانائی وتوانائی کا مظہر بنی ہوئی ہے۔دنگا نہ فساد۔مرجھائے ہوئے چہرے ہشاش وبشاش۔خدمت میں سبقت اس کا طرۂ امتیاز ،جو دوسروں کے رتبوں کو اپنے سے بالاتر قرار دے ،ربانیت الٰہی کے تقاضوں کی برآوری میں،علم و آگاہی، تحقیق و اختر ع کو سہارا دے کر ترقّی کا مینارہ بلند تر کرتا چلا جائے۔

- یہ کہہ دینا کہ تضاد و اونچ نیچ کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔مقام حاصل کرنے کی دوڑ ہی تو ترقّی کو طاقت عطا کرتی ہے۔نا آگاہی کی بناء پر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔مگر اسلام میں مقابلہ کے معنی ہار جیت نہیں وہ تو بقول اقبال خون گرم رکھنے کے لئے ہے۔اسلام ،مقابلہ یا سبقت لے جانے کو انسانیت کی خدمت میں پیش روی سے تعبیر کرتا ہے۔اس کی وسعتِ نظر، غیر منصفانہ طور پر کمائی ہوئی دولت، مشکوک مادّی لالچ یا دنیا میں عیش وعشرت کے محدود دائرے میں گردش نہیں کرتی۔مشکوک اس لئے کہ قضا لے چلی چلے؛وہ بھی خالی ہاتھ۔اس ضمن میں ''وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّھْلِکَ قَرْیَۃً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا فَفَسَقُوْا فِیْھَا فَحَقَّ عَلَیْھَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰھَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ رہ نمائی کرتی ہے،جو اونچ نیچ کے مسئلے حل کرنے میں مددگار ہے:۔

''ہم نے جب بھی کسی قریہ کو ہلاک کرنا چاہا تو اس کے ثروتمندوں (تن آسانی میں مبتلاء لوگوں کو کو خبردار کردیا)، پر احکام نافذ کردئے اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی (خباثت سے باز نہ آئے) تو ہماری بات ثابت ہوگئی (وہ سزا کے مستحق ہو گئے) اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کردیا''

یہ آیۃ اونچ نیچ کو بڑے خوبصورت انداز میں حل کرتی ہے۔ثروتمندوں پر احکام؛ دراصل احکام اقتصاد اسلامی ہیں۔اقتصادِ اسلامی، یہ بھی برداشت نہیں کرتی کہ ثروت چھین کر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں تھما دیا جائے۔دولت میں جائز طور پر ہمہ وقت اضافہ، اس کی ضرورت ہے۔چونکہ انسان کی کمائی

ہوئی دولت اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے، اسے اس کے احکام کے مطابق صرف ہونے کی ضرورت ہے۔ اس دولت کا حامل اس کا امانتدار ہوتا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے طرز پر خرچ کر کے، اپنے آپ کو برائیوں سے بچالیتا ہے، اوراللہ کی رضا کا مستحق بن جاتا ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے ذرائع سے کمائی ہوئی رقم سے ذکاۃ وخمس ادا کرنے کے بعد جو بچ جائے، اپنے معیارِ زندگی کے مطابق ایک سال کا متوقع خرچ کی رقم روک کر بقیہ آمدنی، مستحقین کی تعلیم وترقّی پر صرف کرتا ہے۔ اس طرح امانت دار کا پایۂ حیثیت برقرار رہتا ہے اور احکام کی پابندی بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ کی ربّانیت میں وہ معاون بن کر خوشنودئے الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔ معاشرہ ہمیشہ مائل بہ ترقّی رہتا ہے

اگر بچی ہوئی یہ رقم مستحقین کے اوپر خرچ نہیں ہوئی تو وہ اصراف میں پڑکر برائیوں کے دھارے میں بہہ جاتی ہے اور عاقبت کی خرابی کا باعث بن جاتی ہے (جس کا ہم موجودہ دور میں مشاہدہ کررہے ہیں)۔ پورا معاشرہ کثافت کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ تن آسانی وآرام طلبی، کی بناء پران کی کارکردگی میں گھن لگنا شروع ہوجاتا ہے۔ معیشت کو کھوکھلا بنا کر اسے تباہی کی طرف دھکیل دیتا ہے، اور وہ معدومیت کا شکار ہوجاتی ہے۔ چونکہ اقتصادِ اسلامی طبعیتِ فطرت سے ہم آہنگ ہے، اس سے ہٹ کر جو بھی عمل ہوگا اس کے برداشت سے باہر ہوگا قابل قبول نہ ہوگا۔ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ یونان ومصر وروما کی مٹی ہوئی تہذیبوں کے اثرات میں نمایاں ہیں۔

ایسے نظریاتِ اخلاق صرف اسلام میں نظر آتے ہیں جس میں انسان اپنے ہمراہ معاشرے کو لے کر چلتا ہے۔ اس کا تشخص معاشرے کے ساتھ ہم پلّہ بن کر ابھرتا ہے۔ ایسے پائے کے اخلاق پر مبنی تہذیب ہمیشہ مائل بہ ترقّی رہتی ہے۔ کبھی بھی زوال کا منہ نہیں دیکھتی، یہاں تک کہ اس کو حول دے کر آگے بڑھانے والوں کے لئے ابدی زندگی کے دروازے کھل جائیں۔

اگر تیشہ نہ باشد کوہ بر کنے   فرہادِ باش درغمِ دلدار شاد باش
درغمِ دلدار شاد باش بادۂ عشق   خمینی

نظریہ طاغوت کے برعکس، جس میں فرد بے قید وقیود کمائی کی رسّہ کشی میں اپنی ساری

توانائیوں کودام پر لگا دیتا ہے، اور آوارگی کی جال میں جا پھنستا ہے اور زوال کی گہری کھڈ میں جا پڑتا ہے، باہر آنے کی قوت نہیں پاتا۔ اسلام کمائی میں مسابقت یا ترقی کی لالچ کو عقبیٰ کی لالچ سے وصل کر دیتا ہے، جہاں زوال نام کی کوئی چیز نہیں، ہیشگی کی حامل ہے۔ وہ اخلاقِ حمیدہ کو ہاتھ میں رکھ کر، سماواتی وارضی فطرت پر سرعت کے ساتھ قبضہ جمانے کی دعوت دیتا ہے، تاکہ ماضی کی ترقیوں کو مصرف میں لاکر مستقبل میں، تحقیقات واختراع کے ذریعہ اس سے کہیں زیادہ اونچی پرواز کرتا جائے۔ فقط لازم یہ ہے کہ یہ عمل مفادِ انسانیت کے مدّ نظر ہو، نہ کہ اپنی بے راہ کر دینے والی چند روزہ عیش وعشرت کی چمک ودمک کے لئے۔

یہاں بڑھاپے میں بھی نظریئے **Retirement** کا نظریہ معطل ہے۔ اسلئے کہ **Retirement** کی حالت میں انسان غیر مشغولیت کا شکار ہوکر خون کو گرم نہیں رکھ پاتا، ذہنی وجسمانی صحت کھو بیٹھتا ہے اور خدمت انسانیت سے معذور ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کی ایسی روش اسے کوکھوکھلا کر دیتی ہے اسے فقط اپنے دم تک محدود کر دیتی ہے، اس کی فکر، اس کی اپنی فلاح سے آگے بڑھ نہیں پاتی؛ اس امر میں اسے سب سے پہلے اپنی ہستی یا انا کو بھول کر یا مٹا کر، قدم اٹھانا پڑتا ہے۔

جبکہ دوسروں کی فکر میں بیکراں آفاقیت ہے: آخری دم تک اللہ کی دی ہوئی جس قدر بھی صلاحیت موجود ہو، چاہے وہ اشارے کے حد تک ہی کیوں نہ ہو، اس سے کام لے کر خدمتِ انسانیت اپنے دم وخم سے کچھ آگے بڑھ کر انجام دینا ہے (یہ کیفیت انسان کو ذہنی خوشی عطا کرتی ہے، جو اسے خوش بیں بنا دیتی ہے)۔ اور ترقّی کرتے رہنا ہے۔ گوشہ نشینی کی گنجائش نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر درست تغذیہ اور جسمانی مکینزم کی پوری آگاہی کے ساتھ اعضاء سے مستقل کام لیا جاتا رہے، تو جسم کی ساخت ایسی ہے کہ ان میں روانیٔ خون جاری رکھتی ہے اور زندگی طول پکڑ لیتی ہے۔ جیسے ہی انہیں معطل کیا جاتا ہے، وہ روبہ زوال ہوکر ناکارہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ موت کا ایک دن معیّن ہے۔ اس کا تعلّق؛ اعتدال کے ساتھ غذا کا استعمال اور جسم کے سارے اعضاء سے درست انداز میں کام لیتے رہنے سے ہے، تاکہ وہ زنگ آلود نہ ہونے پائیں اور صحت ٹھیک

رہے۔عمر دراز ہواور انسان دین سے تصدیق شدہ اعمال کو انجام دیتا ہوا، ترقّی کے ساتھ تکامل کی طرف مسافرت طے کرتا جائے۔اللہ سے دعا کرتا رہے کو وہ طولانی عمر عطا فرمائے تا کہ زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے کر یوم الدین پر اللہ کے حضور سرخروئی کے ساتھ پہنچے اور بہتر اجر یا ثواب کا حقدار بن جائے۔

معاد کو بھلا کر زندگی کو درست راہوں پر استوار نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ ہمہ وقت اللہ کو حاضر وناظر جانو؛ یعنی اللہ ہماری ہر حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ہمارے اعمال اس سے چھپے نہیں رہتے۔یہ حقیقت ہمارے ذہن میں ہمیشہ قائم رہنا چاہئے، تا کہ ہم برائیوں کے بعد سے بچے رہیں۔قرآن:

اقتصادیاتِ اسلامی

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

جو بھی کوئی برائی کرے گا، اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جو نیک عمل کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرط کہ صاحبِ ایمان بھی ہو جنّت میں داخل کیا جائے گا، اور وہاں بے حساب رزق دیا جائے گا۔(غافر ۴۰/۴۰)

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

انہیں کوئی پیاس، تھکن یا بھوک راہِ خدا میں نہیں لگتی ہے نہ وہ کفّار کا دل دکھانے والا کوئی قدم اٹھانے والے ہیں، نہ کسی بھی دشمن سے کچھ حاصل کرتے ہیں، مگر یہ کہ ان کے عملِ نیک کو لکھ لیا جاتا ہے کہ اللہ کسی بھی نیک عمل کرنیوالے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(توبہ ۹/۱۲۰)

اخلاق و اقتصادِ اسلامی کی وسعت و دلگیری پر نگاہ ڈالئے: فرد و عوام یا جامعہ میں ہم آہنگی کی تاکید، معاشرے میں عدالت کو کس قدر روشن کئے ہوئے ہے۔ دشمن کی بے اجرت خدمت اسے ہمارا دوست و ہمدرد بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی بناء پر عروجِ اخلاقِ اسلامی، آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ آیتیں، القاعدہ و طالبان جیسی بد اخلاق وخونخوار جماعتوں کو خارج از اسلام پاتی ہیں۔

اقتصادِ اسلامی، دینی اقدار کے مدنظر، عدل و انصاف کے ہمراہ، اعلیٰ ترین علم، تحقیق و اجراء کے ساتھ خدمتِ انسانیت میں مستقل ترقّی کرتے رہنے کا تقاضہ کرتی ہے۔ چونکہ لہولعاب میں پڑ کر انسان فکر فلاح انسانی سے معطّل ہو جاتا ہے، جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ وہ ایسے تفریحات کے مواقع فراہم کرتا ہے جو بے راہ روی کو قریب بھی آنے نہ دیں۔ اسلام جذبہ خودخواہی، خود پسندی یا کار و بار میں نفع کا حصول؛ چونکہ فطری تقاضوں کا حصّہ ہے، مخالف نہیں۔ وہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے، قوانین عدل الٰہی کے ہمراہ ترقّی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ برعکس اس کے دوسرے نظامہائے اقتصاد، من مانی غیر مناسب قیمتوں پر مال فروخت کر کے، نہ فقط انسان بلکہ قوموں کو فقر کے ظلمات میں ڈال کر بے دست و پا بنانے کے بعد ان کی ترقّی کو مسدود کر دیتے ہیں۔ اس طرح اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے، دوسروں کے حقوق سلب کر کے اپنے یہاں مصنوعی فراوانی پیدا کرتے ہیں۔ اپنے یہاں کی، حقیقت ناشناس، نادان عوام کو دھوکے میں رکھ کر، غیر عادلانہ نظامِ اقتصاد کے ذریعہ، تن آسانی میں مبتلا کر دیتے ہیں، اور انہیں بد اخلاقی و بے راہ روی کی طرف جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانک دیتے ہیں۔ بھیڑ چال ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

اسلام نے حقوقِ انسانی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے زندگی کے ہر پہلو، خواہ وہ نجی ہو، تولید اشیاء، تقسیمِ مال و دولت، یا باہمی معاملات کے لئے مقیاس یا اصول مرتّب کر دئے ہیں۔ انہیں آزاد نہیں چھوڑا ہے۔ ان سے تجاوز کرنے والا، جواب دہ ہوگا۔

عام طور پر علماء یا دوسرے ہدایت دہندگان، افسوس یہ ہے کہ، ان باتوں کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی بناء پر لوگ نادانی میں مبتلا ہوکر، غیر اسلامی اقتصاد کی طرف مائل

رہتے ہیں۔اگران اصولوں کی معقولیت سے عوام کو آگاہ کیا جائے،تو ان کی طرف سے جو غفلت ان پر آن پڑی ہے بچ سکتے ہیں۔

یہاں ایک سوال آڑے ہاتھ آتا ہے؛ کہ اسلامی اقتصاد کی باتیں، اس زمانے میں جب کہ اسلام نقاہت کا شکار ہے، دوسرے نظامہائے اقتصاد جو عدالت کے حامی نہیں ہیں دنیا پر حاوی ہیں، کس طرح اسلامی معیار پر مبنی دلائل کے ساتھ عقلی و باطنی معنویت کی حامل نظام اقتصاد کو ان (طاغوتی، غیر عادل نظام) سے علیحدگی اختیار کر کے تھاما جا سکتا ہے؟ اس کا اجراء تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب مسلمان آزادانہ، خوش امیدی کے ساتھ اللہ کے احکام کی پابندی کی طرف راغب ہوں۔۔۔۔۔۔۔یہ کام مشکل نہیں رہتا جب دیندار لوگ سامنے آ کر، بلند اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے، بطور نمونہ عادل بن کر معاشرے کے سامنے پیش ہوں، عدالت کی خوبیوں کے نظریے کو عملی طور پر، معاشرے سے متعارف کرائیں۔اس طرح وہ معاشرے کی سربراہی کے قابل بن سکے گا۔اور عادل اقتصاد اسلامی کا اجراء معاشرے میں ممکن ہو سکے گا۔یہ سربراہی وہ نہیں ہوگی جسے حاکمیت کہا جائے۔اسلام میں حاکم وہ ہوتا ہے جو خدمت میں سبقت لے جائے۔عوام میں اپنی سطح زندگی کو متوازی رکھے۔نہ کہ ڈنڈے کے زور پر حکم چلائے۔

اس مقام پر ہمیں رسول خداؐ کی حکمتِ عملی کی طرف نگاہ ڈالنا ہوگا:۔دور جاہلیت میں لوگ بکھرے پڑے تھے، نفرت وکشت وخون عام تھا۔رسولؐ نے اپنے ساتھیوں میں اسلام سے آراستہ تعلیمات کو عملی طور پر انہیں سمجھایا۔وہ اس کی سچائی کے بناء پر ان سے متفق ہوئے اور متحد ہو گئے، اور احکامِ اسلام کو تھام لیا۔اس وقت بھی نا آگاہی کی بناء پر معاشرہ احکام الٰہی پر عامل ہونے سے عاری ہے۔اسی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔امّ المومنین جناب خدیجہؑ کی مثال ہمارے سامنے ہے:۔جیسے ہی رسول اللہؐ نے اقتصاد اسلامی کی انہیں تعلیم دی، انہوںؑ نے بلا تاخیر اللہ سے حاصل ہوئی دولت رسولؐ کی خدمت میں پیش کر دی، اس لئے کہ اس کی ملکیت اللہ کی ہے۔یہ رقم اسلام کی توسیع وافزائش میں کام آئی۔اس کی برکت سے اسلام کی روشنی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔اس واقعہ نے دولت کی حقیقت کو لوگوں

پر عیاں کر دیا کہ اللہ کی عطا شدہ دولت، جمع کر کے رکھنے کے لئے نہیں، فلاحِ انسانی پر صرف ہونے کے لئے ہے۔

اس وقت جبکہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ مسلم امّہ سازشوں کی شکار ہے، دین سے آگاہ، متخصصین اقتصاد و مفکّرین متحد ہو کر بین مسلمین اقتصادِ اسلامی کے اجراء کے لئے منصوبہ بندی کریں۔ اس کے اقدار کو ہر قسم کے میڈیا کے ذریعہ نشر کر کے عوام کے دلنشیں کرائیں۔ منبر پر بیٹھنے والوں کو اس واجب کام کے لئے آمادہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اقتصادِ اسلامی کی قوت سے آگاہ نہیں کرایا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، اس کی وجہ ان اداروں کی کوتاہی ہے کہ ان کے یہاں سے تحصیل کردہ علماء کو اس کی تعلیم ہی نہیں دی جاتی کہ لوگوں کو آگاہ کریں؛ منصوبہ بندی اور اجراء تو دور کی بات ہے۔ اس کے علاوہ علماء کو خود بھی چاہئے تھا کہ دینی اقتصاد کا گہرا مطالعہ کر کے اسے منظرِ عام پر لے آتے اور لوگوں میں اس کے لئے دلچسپی پیدا کر دیتے۔ منبر اس کے لئے بہترین نشر گاہ ہے اگر وہ اس سے آگاہ ہو جاتے تو تقریباً ڈیڑھ بلین کی مسلم آبادی اسے اپنا کر دنیا کا نقشہ بدل سکتی تھی رہے۔ اللہ کی دی ہوئی ملکیت مدہائے مضر رساں میں خرچ ہو کر برباد ہو رہی ہے، اور انسانیت کو راہِ راست سے دور کر کے بے راہ روی سے ہم کنار کر رہی ہے۔ ہم اگر غافل بیٹھے رہے تو آئندہ نسلیں بے راہ معاشرے میں ضم ہو کر رہ جائیں گی۔

ایسی صورت میں، خود لوگوں کو چاہئے کہ اقتصاد اسلامی پر بزرگ علماء کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کریں۔ گھر والوں اور دوست و احباب کو اس کی طرف راغب کریں، غفلت جو مسلمانوں پر طاری ہے دور ہو، اور صالح معاشرہ قائم ہو۔ اس کے علاوہ مسلم رہبری پر بھی ذمہ داری وارد ہوتی ہے کہ وہ:

عوام کے لئے ایک منظم تربیت کا انتظام کریں جو خالص عقلی ہو اور وقت کے تقاضوں کو مدِّ نظر حقیقی رہبروں سے حاصل کی ہوئی ہو۔ اس کا اہتمام کریں کہ کوئی اس نظم میں دخل اندازی نہ کر سکے۔

اقتصاد کا چونکہ خاندانوں سے چولی دامن کا ساتھ ہے، اگر ان کے درمیان ہم آہنگی قائم نہ

رہی تو اس اقتصاد کے ڈھانچے کا درہم برہم ہو جانا بعید از قیاس نہیں ۔۔ دو بنیادی اسلامی اصول جو ہمیں ذہن نشین کر لینا ضروری ہیں :۔

انسان لاشعوری طور پر اپنے مفاد کو دوسروں کے مفاد پر مقدّم رکھتا ہے۔ یہ تضاد اسلام کو گوارہ نہیں۔ خود پرستی کو، وہ معاشرے کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے تدارک کیلئے اس نے طریقۂ کار مقرر کئے ہیں۔ ان کا ہمیں غور سے مطلعہ کرنا ہوگا۔

اوّل یہ کہ: موجودہ زندگی پیش خیمہ ہے، آنے والی زندگی کے لئے۔ دونوں جہانوں میں سلامتی، منحصر ہے ہے اس کوشش پر کہ جو وہ اس محدود اور فانی دنیا میں اپنے اور معاشرے دونوں کے مفاد کیلئے کرتا ہے، جو اس کے لئے خوشنودیٔ خدا کا باعث بن جاتا ہے۔ فرد کا یہ کردارِ خوش اخلاقی اللہ کو راضی کر لیتا ہے۔ اس سمت اس کی ہر کوشش دوسری دنیا میں لا متناہی معاوضہ یا انعام کا، ہر شئے پر قدرت رکھنے والے وعدہ ہے۔ علاوہ از ایں، چونکہ عقبہ کا طولانی انتظار شامل حال ہوتا ہے، اس میں ایک اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جلد بازی و فوری مفاد برآوری کی عمومی عادت سے اپنے آپ کو بچا کر دور رس نگاہ رکھنے کی صلاحیت کا حامل بن جاتا ہے۔ صبر کی نعمت اس کا منہ چومنے لگتی ہے۔ یہ خصلت اسے کامیاب زندگی گذارنے میں بدرجہ اتم مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ایسی کارکردگی، فرد اور معاشرے میں نہ ٹوٹنے والے ضابطہ و مواصلت کی ضمانت بن جاتی ہے۔ حیات ابدی کو خوش کام بنا دیتی ہے

یہ بھی ہمیں سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ انسان پر دباءو رکھنے والے نجی تحرّکات، خواہ وہ اختیاری ہوں یا جبلّی، ان سے، معاشرتی یا سماجی تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے، جو لوگوں میں، شائستہ و خیر و شر میں امتیاز رکھنے والے چال وچلن اجاگر کر سکیں؛ نفیس تعلیم و تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ یعنی جب تک ایسی تعلیمات جو ڈھنگ سے اچھے برے میں جو فرق موجود ہیں ان پر ظاہر نہیں کر پاتی، انہیں اچھائی کی طرف راغب کرنا آسان نہ ہوگا۔ اس مقام پر وہ ادارے جن کے ذمّے دینی تعلیمات ہیں، انہیں راضی کرنا ہوگا کہ فرقوں کا نام لئے بغیر، فقط اچھائی اور برائی کا تذکرہ کرتے ہوئے، مثبت کردار ادا کریں۔ تا کہ عوام کے لئے اچھائی کا انتخاب آسان ہو جائے۔

اس معاملے میں اگر انسان کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو اس کی مادّی خواہشات پر مبنی تحرکات اس پر بلا روک ٹوک سوار ہو جائیں گی اور اس میں ملنساری وخوش خلقی کے تحرکات اپنا دم توڑ دیں گی۔ اور وہ معاشرے کے لئے ناکارہ ثابت ہوگا۔ ایسے تحرکات کو اگر قابو میں نہ رکھا گیا تو دور حاضر میں جاہلیت دوبارہ مختلف رنگوں میں رنگ کر حاکم بن جائے گی۔ کم وبیش، جس کا موجودہ معاشرہ شکار ہے۔ اس کا سامنا کرنے کی طاقت فقط دین کے مقررات میں مضمر ہے۔

دین، انسانی خود خواہی کو سرے سے برطرف نہیں کرتا، بلکہ اس کی تربیت کر کے الٰہی احکامات کا مطیع بناتا ہے کہ وہ دینی اخلاقیات کے حدود میں قائم رہ کر اپنی خواہشات ونفع جوئی پورا کرتا رہے۔ مگر جو اس کے اپنے اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوں کنارہ کش رہے۔ دین اسے ایسے سانچے میں رکھ کر ڈھالتا ہے کہ وہ غیر شائستہ خواہشات میں لگام لگا کر اپنی خود خواہی برقرار رکھے۔ ان اقدار پر چل کر، جب وہ اپنی خدمات کو معاشرے میں دل کھول کر پیش کرتا ہے ہر دل عزیز بن جاتا ہے۔ اس طرح اسے جب اس کی قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے تو وہ خود اس سے لطف اندوز ہونا شروع ہو جاتا ہے، ان پر قائم رہنے کی اس کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اس ضمن میں اپنی کوششوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ دوسروں کو بھی ان اخلاقیات کی طرف راغب کرنے کی اس میں خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام دنیاداری کو فروغ دینے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ فرد ومعاشرہ کے درمیان توازن کو برقرار رکھ کر ترقّی دیتا ہے۔ تنہادم دبا کر خانقاہوں میں پڑے رہنا اسے پسند نہیں۔

اسلامی اقتصاد، بالمقابل اخلاق

ابھی تک ہم اخلاقیات ہی کے رشتے سے اقتصاد اسلامی کا تذکرہ کرتے آئے ہیں۔ ایک سعادتمند معاشرے کے لئے، جس کی اصل خدمتِ انسانیت ہو، اخلاقیات سے پہلو تہی ممکن نہیں۔ ضرورت ہے کہ یادداشت اور ذہنی تازگی کے لئے تکرار سے استفادہ کیا جائے۔

اسلام مخلوقِ خدا کو تاکید کرتا ہے کہ وہ ترقّی کی راہوں کو تیزی سے طے کرنے کے لئے: امر بالمعروف ونہی عن المنکر، سچائی، صبر، ادب وآداب، دوسروں کی امداد، نظم وضبط، حصول علم وتقویٰ، منصوبہ

بندی واصول وفروعِ اسلامی کا پابند ہوکر؛ بے انصافی، حق تلفی، دلشکنی، جعل کرنے، وعدہ شکنی، امانت میں خیانت، جھوٹ و فریب، تذلیل، کسی کا تمسخر، چیخ وپکار کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ، کسی پر اپنا بوجھ ڈالنے، دوسرے کے مال پر قبضہ، اللہ ورسول کی اتباع سے روکنے، غیر قانونی طور پر مال ومتاع حاصل کرنے، دوسروں کے حقوق کو مار لینے، نفرت پیدا کرنے، مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے یا تفرقہ بازی، وغیرہ سے دوری اختیار کرے۔ اس مقام پر ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جو خدمتِ انسانی کی راہ میں حائل ہیں:۔

0 تیز وتند نفسانی خواہشات کی غلامی: جس کی بناء پر انسان ان کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، جو اس کی ان خواہشات کی پیاس کو بجھانے میں معاون ثابت ہوں۔

0 اطاعت یا عباداتِ الٰہی میں غفلت: اس کی بابت علم حاصل نہ کرنا، اس پر یقین کی حد تک محکم نہ ہونا۔

یہ صورتِ حال انسان کو اسلام کے مدلّل عقائد سے دور کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ ضعیف الاعتقاد وتوہم پرست بن جاتا ہے۔

ایک غور طلب؛ نہایت اہم مسئلہ!

چند باتیں جو اقتصادیات اسلامی کے دائرۂ کار میں لگام لگائے ہوئے نظر آتی ہیں، ہم تک پشتہا پشت سے مسافرت طے کرتی آ پہنچی ہیں۔ تقویٰ اختیار کرنے کے باوجود، ہماری زندگی کا حصّہ بنی ہوئی ہیں۔ فقط بطور تذکرہ پیشِ خدمت ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کم علمی اور محدود نظر کی بناء پر درستِ وضاحت نہ ہو؛ ہر ایک کو حق ہے کہ اپنی وسعت نظر کے مطابق ان افکار کا فیصلہ خود کرے، اور ناچیز کی بھی رہنمائی کرے۔ معذرت کے ساتھ فاضل قارئین کی صواب دید کے نذر ہے، کہ اپنی قیمتی رائے سے حقیر کی رہنمائی فرمائیں:۔

ایک طرف! عام مسلمان اس کرّۂ ارض پر جہاں بھی مقیم ہے، نادانی وناتوانی کا شکار ہے۔ علم کی کمی، امراض، بھوک وننگ نے اسے گھیر رکھا ہے، مٹّی کے گارے سے بنی ہوئی، بے چھت ودر کی

سیلابوں میں بہہ جانے والی جھونپڑیاں، اس کے بخت کا حصہ ہیں۔غلاموں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔جانداروں کا ایک ریوڑ ہے، جدھر ہانک دیا چل پڑی جہالت کی بناء پر، وہ باریک بیں نہیں۔انہیں معلوم نہیں کہ اس دنیا میں ان کا کیا کردار ہونا چاہئے، یا اللہ کی جانب سے ان کے لئے دوسروں پر کیا حقوق ہیں؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ ترس کھا کر ان کی امداد کی جائے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حق جوئی کا بوجھ کس کے کاندھوں پر ہے؟ کیا ان کی اولاد ہمیشہ ناخواندہ رہ کر حیوانوں جیسی زندگی بسر کرتی رہے۔کوڑھ میں مبتلا ہو کر جان دیدے، سیلاب کے نذر ہو کر بے گور و کفن مٹی تلے دب جائے؟

دوسری طرف !من چنی دیگرِ نیست کی کڑک کے ساتھ: مقتدر مسلمان، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ایسی قیام گاہوں میں مقیم ہے، جسے قیصر و کسریٰ جیسے فلک بوس محلات رشک کی نگاہوں سے دیکھیں۔آرام و آسائش کے لئے وسائل، مال و متاع کی فراوانی، خدمتگذاروں کی صف، دست بستہ منتظرِ حکم، وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مقاصد سے عاری؛ حج و زیارات۔صوم و صلاۃ کی پابندی۔کروڑ روپئے سے تجاوز کرتی ہوئی گائے کی قربانی۔فقط گردن اونچی رکھنے والی مسابقت کے رسومات ادا ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

لق و دق مسجدیں؛ دیواروں پر آنکھوں کو چوندھیا دینے والی مینا کاری، فانوس، جن کے سامنے ہیرے و جواہرات بغلیں جھانکتے پھریں۔مرمریں فرش پر ہاتھ سے بنے ریشمی قالین۔طلائی گنبد۔

پرافتخار شادی و بیاہ کی رسمیں۔دعوتیں، کہ شہنشاہوں کے دسترخوان مات کھا جائیں۔زرق برق فاخرہ لباس، تحفے و تحائف۔پُر رنگ، رقص و سرور کی محفلیں، داد و دہش۔

مندرجہ بالا سے ایک جدا ''رخ'' پیش خدمت ہے، جس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں کہ کہیں ہوا چھو کے باہر نہ آ جائے اور لوگوں کو حیرت میں ڈالدے۔یہ باتیں ہادیٔ برحق اور ان کے خانوادے کی ہیں۔داستان ملاحظہ فرمائیے: مدینہ میں روزگار نہیں تنگ و فقر ہے ا

ورِ بھوک۔۔۔۔۔۔۔۔۔اٹھو! یہ بیلچہ تھامو۔ میں تمھاری خدمت میں ہوں، میرے ساتھ چلو۔ٹھہر جاؤ!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں بھی تمہارے ساتھ کھدائی کرتا ہوں۔لو چشمہ جاری ہو گیا؛ تیزی سے نالیاں بناؤ، کیا شیریں پانی ہے۔تم تینوں یہیں بس جاؤ، خود پیو اور اس علاقے کی پیاس بجھاؤ، اسے لہلہاتا ہوا باغ بنادو، چراگاہیں بناؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ بقیہ کو لے کر آگے بڑھ گئے۔ چشمے ابلتے چلے گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم بھی تمھاری جیسی روکھی سوکھی کھاتے رہیں گے۔ شیر و روغن ہم پر حرام، جب تک تمہیں میسّر نہ ہو۔ میں جفا کشی سے جان نہیں چراتا۔تم بھی اس سے کنارہ کش نہ ہونا۔ہم تمھاری تعلیم کا بھی بندوبست کرتے ہیں، اسے حاصل کرنے میں اپنی پوری جان لگادو۔ یہ تمہیں انسانیت کے اعلیٰ درجے پر پہنچادے گی، اس کے ساتھ تمھاری جفاکشی تمہیں ترقّی کی راہوں پر گامزن کر دے گی۔ یہ یادرکھو:۔

اللہ کی عنایتوں میں سے تمہارا، اس سے زیادہ حصّہ نہیں، کہ جو تم انسان کی خدمت کر کے حاصل کرلو

محنت کشی کے ذریعہ خدمت گذار بنو؛ تمہاری یہ کوشش، پورے معاشرے کو ترقّی کی راہوں پر ڈال دے گی

اللہ پر بھروسہ رکھو! اس کی امداد کو ہمیشہ مستعد پاؤ گے۔

رسولؐ و خاندانِ رسولؐ کی نصیحت آمیز حیات کا ملاحظہ فرمائیے:۔

''بارالٰہا؛ تو لوگوں میں میرا درجہ جتنا بلند کرے، اتنا ہی مجھے خود میری نظروں میں پست کردے اور جتنی ظاہری عزت دے، اتنا ہی میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس پیدا کردے۔

صحیفہ کاملہ

رسول اللہؐ کی مشہور دعا:۔

''بارالٰہا! پلک جھپکنے کے لئے بھی مجھے میرے نفس پر نہ چھوڑ۔''

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو، جوتمہیں رزق دیا گیا ہے، اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے، جس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش۔ (بقرہ ۲؍۲۵۴)

برادرانِ اسلام!

ایک لمحہ کے لئے سوچیئے!

جب بیشتر مسلم امہ ایسی کسمپرسی: ناخواندگی، فقر، ناداری و بیماری میں مبتلاء ہے، کہ ان کی زندگی حیوانوں سے بھی گئی گذری ہوئی ہے۔

وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

ہمارے پاس اللہ کا مال؛ جسے اس نے، بطور امانت ہمارے حوالے کیا ہے، کہ اس کے حضور سجدہ ریز ہوکر یعنی اس کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے، اپنے واجب اخراجات کے بعد، مخلوقِ خدا کی بحالی پر صرف کریں۔ ہمارا اوّلین فرض کیا ہے؟ (اسراء ۱۷؍۱۶)

ناداروں کو فقر کی بناء پر، فاقہ مستی، بیماری میں ابتلاء، ان کے بے در بار کے، بدبودار نالوں کے کنارے، گھاس پھوس کی بنی جھگیوں میں تڑپتا چھوڑ، فراواں دولت کی بناء پر سوچ لیں کہ، حج و زیارات، واجب ہوگئے روانہ ہوجائیں؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ، جب آپکے بغل میں فقر و فاقہ و بیماریوں میں، ایڑیاں رگڑتا اللہ کا بندہ، سسک رہا تھا؛ آپ کے پاس یہ بچت کیسے ممکن ہوئی۔ وہ تو پہلے ان کی امداد پر خرچ ہونی تھی۔ یہ حق ان کا تھا۔ کس سرپھرے نے اجازت دی کہ اپنے مفاخرت میں بسے ہوئے الحاج القاب کے اضافہ کے لئے مکہ روانہ ہوجائیں۔

جب معصوم بچے، جن کے تعلیم حاصل کرنے کے دن تھے، کرخنداروں کے لات اور گھونسے کھاکر آٹا لائیں تو جھگیوں میں توے گرم ہوں۔ مسجدوں میں سورج کو مات دیتے ہوئے جھاڑ و فانوس، جھلکتے ہوئے طلائی گنبد۔ ہاتھ کے بنے ریشمی قالین کے فرش۔ مزید برآں بقرعید پر کروڑ روپے

سے تجاوز کرتی گائیوں کی قربانیاں، زرق برق لباس۔ یہ سب کیسے ممکن ہے؟، جب کہ درد دِل کے لئے، انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنا کر اس کرّہ ارض پر وارد کیا تھا۔ وہ درد کہاں دبک کر بیٹھ گیا۔ یہ خلیج کہاں سے کھنچ کر آ گئی۔ اتنا بڑا تضاد کیسے ممکن ہوا۔ دل کیوں نہ پسیجا۔ ایسے افتخار کا درس کس نے دیا؟۔ کس نے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک دی؟ رسول اللہؐ نے تو مٹّی کے فرش پر بیٹھ کر مفاخرت کو یہ کہ کر مٹّی میں ملا دیا تھا:۔ ''از من بندہ تر کیست'' (کون ہے جو مجھ سے بڑھ کے اللہ کا بندہ/خادم ہو)

مسجدوں کا بنایا جانا ضروری ہے مگر سادگی ملحوض خاطر رہے۔ حج پر جایا جائے مگر حقوق کو پورا کرنے کے بعد۔ یہ ادارے انسانیت کی بہبودی اور اس کی ترقّی کو تکامل کی سمت پرواز میں امداد کے لئے ہیں، جو اوّلیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ جو قوم ترقی کی طرف موج زن نہ ہو، اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ اقتصاد اسلامی کے مدنظر حقوق انسانی جب حقداروں کو پہنچ جائیں گے، حق تلفی سے جب چھٹکارہ مل جائے گا، حج و زیارات کا جواز حود بخود پیدا ہو جائے گا۔ تاریخ میں بہت ساری متضاد باتیں ملیں گی، انہیں عقل کی چھلنی میں چھان کر پرکھنا ہوگا۔

رسولؐ وخانواندہ رسولؐ کی پیروی ہم پر واجب ہے۔ جنہوں نے علم کے اوقیانوس جاری کئے، اللہ کے احکام پر عمل کر کے دکھایا۔ حق کے معاملے میں؛ ''پہلے دوسرے بعد ہم'' کا نعرہ بلند کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی، اس ترقّی پذیر دنیا میں، مسلمانوں میں پسماندگی۔ عجیب بات ہے؟ لازم ہے کہ پر افتخار کاموں کو ترک کر کے، اس پسماندگی کو دور کرنے کے لئے ترقّی کرتے ہوئے اعلیٰ علوم پر مبنی دانشگاہیں مدرسے جو اللہ کی ربّانیت کی مظہر ہوں، اس کے مقاصد کو پورا کرتے ہوئے ہوں، تحقیق وایجادات کے لئے تعمیر کئے جائیں۔ ان کے لئے فنڈ ریزی کی جائے۔ محمدؐ کے گھرانے نے مشقّت کر کے بتا دیا کہ آسانی سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس بگڑی ہوئی دنیا کو سنوارنے کے لئے متحد ہو کر قیام کرنا ہوگا ورنہ عقبیٰ بھی بگڑ جائے گی۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔ ''سب ٹھاٹھ دھرا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ'' لفظ ٹھاٹھ میں مفاخرت کا تذلیل آمیز عنصر بھی شامل ہے؛ جو آخرت میں سخت پشیمانی وناکامی کا باعث بن جائے گا۔ انسانوں کی حق تلفی مغفرت کی ضد ہے۔ اس کی ترقّی کے لئے بندوبست

کرنا اللہ کی رضا حاصل کر لینا ہے۔

ترقی ہی کے ساتھ امیدیں وابستہ ہیں۔

جہاں ترقی و تحرک نہیں تو، وہاں جمود، فساد پیدا کر کے زوال لے آتا ہے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ اللہ کی رسّی کو بل کر تھامیں، اور اس کی رضا حاصل کر لیں۔

خلاصہ یہ کہ، اقتصادِ اسلامی عقائد اسلامیہ پر مبنی ایک مکمل نظریہ ہے۔ عدل و انصاف کے ساتھ تدریجاً ترقّی کے مراحل طے کرتے رہنا اس کا خاصّہ ہے۔ یہ خصوصیت فطرتِ مخلوقات میں ہر جگہ عیاں ہے۔ انسان کو اعلیٰ علوم مہیا کر کے عدالتِ اسلامی کے خصوصیات کی بابت دلائل کے ساتھ ذہن نشیں کرانے سے اس کے ایمان میں پختگی آجاتی ہے۔ اس پر عامل ہو کر وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی عاقبت درست کر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں پر مشتمل معاشرہ، انسانیت کے دکھوں کی درمانی کے قابل بن جاتا ہے۔ اگر انسان نے انسانیت کے دکھوں کی درمانی نہیں کی تو مدد کر کے انسان جو فطری خوشی محسوس کرتا ہے محروم ہو جائے گا۔ دیگر یہ کہ اللہ مالکِ یوم الدین ہے، اور اس میں کسی شبہ کی بات نہیں کہ ایک دن ہمیں یہاں کی مسافرت طے کر کے اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اس سے غفلت کا کوئی جواز نہیں۔

چونکہ مفاخرت بنائے خود پسندی ہے، وہ انسان کو فقط اپنے مفادات کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ اس کے حصول کے لئے اسے ظلم پر بھی آمادہ کر دیتی ہے۔ حکمراں آمادندہ جنگ و جدال ہو جاتے ہیں۔ نتیجے میں انسانی اقتصاد کو مستقیماً چوٹ لگتی ہے، معاشرہ توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اصل خرابی غریب عوام پر پڑتی ہے۔ فقر و ناداری اسی کی پیداوار ہے۔ چوری چکاری، بدعنوانیاں، قتل و غارت، اسی کی بناء پر وجود میں آتی ہیں اور معاشرے مائل بہ بے راہ روی ہو جاتے ہیں۔ اسے عدالت کے کس پلڑے میں رکھا جائے گا؟ انتباہ قرآن و احادیث سے استفادہ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾

بھلا وہ جس کے لئے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو، اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگ گیا

ہو(ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟) اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔(فاطر ۳۵/۸)

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶

اے انسان تجھے رب کریم کے بارے میں کس شے نے دھوکہ میں رکھا ہے، کہ مغرور ہوگیا(انفطار ۸۲/۶)

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝۲۰

بے شک کفار، مغرور و گمراہ ہیں ملک ۶۷/۲۰

رسول خداؐ نے فرمایا: اللہ نے وحی کی ہے؛ گنہگاروں کو بشارت دے دو، وہ توبہ کریں، میں قبول کروں گا۔ ان کے گناہوں کو معاف کردوں گا، اور اچھے عمل کرنے والوں کو ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر مغرور نہ ہوجائیں کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال لیں۔(سفینۃ البحار۔ ج۲۔ص۱۶۱)

اگر مرسلین، انبیاء و آئمہ کی حیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے یہاں غرور و مفاخرت کا شائبہ بھی نہ ملے گا۔ انہوں نے اپنی زندگی کو ہمیشہ عوامی معاشرت کے ہموار رکھا۔ وہ ہمیشہ اپنے کو خدمت گذار ہی کہتے تھے۔ اسی لئے وہ عوام میں ہر دل عزیز تھے۔ حاکم وقت جس کے لئے دولت باعث مفاخرت تھی، ان کے وجود کو برداشت نہیں کر پاتا تھا، انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے منصوبے بنا کر حکمرانی قائم رکھی تھی، نابود ہوگئے۔

اگر ہمیں اپنے اندر بسی ہوئی بے راہ روی سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے تو قرآن، رسولؐ وآلِ رسول کا دامن مضبوطی سے تھامنا ہوگا۔ اور بچّوں کے ہمراہ، مفاخرت کو طاق پر رکھنے کے بعد، انسانیت کی نقاہت زدہ جھکی ہوئی کمر کو سہارا دے کر سیدھا کرنا ہوگا۔ اپنے آپ کو انسانیت کا خادم بن کر متعارف کرانا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسّی فیصد فقر زدہ انسانوں کو تعلیم دے کر ترقّی کے دھارے میں ڈالئے، پھر دیکھئے علم کا سمندر کیسے ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ خادم بن کر دیکھیے، دل کس طرح باغ باغ ہوتا ہے، کیسی محسور کن راحت حاصل ہوتی ہے، اندازہ سے باہر

ہوگی۔انسانیت کے لئے طرّہ امتیاز بھی یہی ہے۔اور توشہ آخرت بھی۔

گھمنڈ اور غرور نے جو تباہی مچائی ہے، تاریخ کے صفحات انسانی خون کے گارے سے بنی ہوئی فلک بوس پرستش گاہوں / پوجا پاٹ کے ٹوپوں کے کھنڈرات، گواہ ہیں۔ بتا رہی ہیں کہ اللہ کی عبادت تو خدمتِ انسانی میں ہے۔ مسجدیں اس لئے ہیں کہ دیندار وہاں اکٹھا ہوکر انسانی خدمت کے منصوبے بنائیں۔ نہ کہ اس کے خون بہانے کی ترکیبیں تلاش کرنے کے لئے۔ کیوں مستقل یاددہانیوں کے باوجود بھی ہم پر غفلت کی گہری نیند پر طاری ہے؟

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

''کیا یہ لوگ صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس ملائکہ آجائیں یا حکم پرور دگار آجائے تو یہی ان کے پہلے والوں نے بھی کیا تھا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی اپنے نفس پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اعمال کے برے اثرات ان تک پہنچ گئے اور جن باتوں کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے انہیں باتوں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور پھر تباہ و برباد کر دیا'' (نحل ۱۶/ ۲۳۔ ۲۴)

تو کیا ضروری ہے کہ ہم بھی جان بوجھ کر غفلت کا شکار بنے رہیں، ہماری آنکھیں بند رہیں؟ ہم جست لگا کر میدانِ عمل میں متحرک ہو سکتے ہیں، فقط اللہ پر یقین کی ضرورت ہے۔ ہماری گردنوں میں جو غلامی کی زنجیر پڑی ہوئی ہے تباہی سے مراد ہے۔ اللہ کی امداد ہمہ وقت ہمارے قدموں کے آگے بڑھنے کے منتظر ہے۔ اگر ہم انہیں آگے نہیں بڑھاتے تو گویا کہ ہم اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔ یہ حقیقت جو بھول کا چڑھاوا بن چکی ہے، ہمیں اسے اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے، تاکہ موقع کی تلاش میں رہیں کہ جب بھی گنجائش پیدا ہو، اپنی کھوئی ریس کو دوبارہ اپنی گرفت میں لے لیں۔ اسلام نے بزرگ ترین قدم جو اٹھایا وہ تھا: ''بدی و شر سے نجات''

وہ آزادی جس کی دنیا باتیں کرتی رہتی ہے وہ ضد ہے، ایک دیہاتی مثل کی، 'جبر وا مارے

اور، رووے نہ دے'۔ یعنی جابر ضعیف سے ظلم کے ذریعہ کام لیتا ہے، اور اپنے خلاف باتیں بھی نہیں کرنے دیتا۔ یہ بنیاد ہے موجودہ دور کے نظامِ اقتصاد کی۔ جو ملمع کاری کے ذریعہ حقیقتوں کو چھپا کر رکھتا ہے۔ ہر آن کہ خسرو کند شیریں بود، زباں زد عام کرا دیتا ہے۔ وہ خسرو بادشاہ کے زمانے کی بات تھی، موجودہ جابر پس پردہ ضرب کاری لگاتا ہے۔ میڈیا کے ذریعہ گرفت میں لے کر عوام کو کولھو میں رکھ کراس کا خون پی کراس سے غیر عادلانہ اقتصاد کو کھینچ کر فراوانی پیدا کر لیتا ہے۔

مفکّرین اسلام کہتے ہیں کہ انسان اُس وقت آزاد ہے جب وہ ایک طے شدہ راستے پر چلے۔ وہ آزادی کے مزہ چکھ ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنی مرضی سے اپنے ہیجانی، تحرّکات و خواہشات پر قابو نہ پالے (اس لئے کہ یہ خواہشات تیزی سے اپنی گرفت مضبوط کر لیتی ہیں اور ان سے رہائی جوئے شیر والی کہانی بن جاتی ہے۔ جب وہ خدا کو واحد، لاشریک یعنی جس کے بتائے ہوئے احکام میں کسی دوسرے کے افکار کی آمیزش کو ہرگز جائز قرار نہیں دیتا، اپنی نفسانی خواہشات کو بے جا قرار دے کر، مسافرتِ دنیا کو بے کھٹک / آزادانہ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قرآن:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

لوگوں کیلئے، خواہشاتِ دنیا، عورتیں، اولاد، سونے، چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے چوپائے، کھیتیاں؛ سب مزیّن کر دی گئی ہیں کہ یہ متاع دنیا ہیں، اور اللہ کے پاس بہترین انجام ہے۔ (آلِ عمران ۳/ ۱۴)

ساری خدماتِ، اللہ کیلئے ہیں جو عالمین کو تدریجاً ترقّی دینے والا ہے۔ یہاں سب پر رحم کرنے والا ہے، دائمی دنیا میں، فقط ان پر رحم کرے گا جنہوں نے یہاں اس کے احکام کی پابندی کی ہوگی۔ روز قیامت کا مالک و مختار ہے۔ پروردگار! ہم تیرے ہی احکام کی پابندی کرتے ہیں اور تجھی سے امداد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرماتا رہ۔ جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے نعمتیں

نازل کی ہیں، ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا ہے یا جو بھکے ہوئے ہیں۔ حمد ۱/۱ تا ۷

مندرجہ بالا آیۃ ۱۳/۱۴، واضح طور پر رہنمائی کرتی ہے: عورتیں، اولاد، سونے و چاندی کے ڈھیر، چوپائے، کھیتیوں وغیرہ پر انسان کو اختیار دے دیا گیا تا کہ اس فانی دنیا میں، ان سے استفادہ کر کے، انسانی خدمت میں مشغول رہے، اور اس کے انجام میں آخرت جو دوامی زندگی ہے سنوار لے، نہ کہ ہوس کی پیروی کرے، اور جہنم کا مستحق بن جائے۔ پاکیزگی کی حامل، خدمتِ انسانی چونکہ کثیف روشہائے دنیا سے آزادی اختیار کرنے کے بعد انجام پاتی ہے، خمینی، غواص عرفاں، جیسی دردشناسی پیدا کردیتی ہے:

درد خواہم دوا نمی خواہم غصہ خواہم نوا نمی خواہم
صوفی از وصل دوست بیخبر است صوفی نمی خواہم

سورۃِ حمد، اس دنیا میں برائیوں کے جال سے بچ کر، حسن عمل پر مبنی آزادانہ زندگی بسر کرنے کیلئے روشن راہِ ہدایت کی نشاندہی کرتی ہوئی، بے بدل دعا ہے۔ نادانی کی بناء پر آخرت سے بے اعتنائی کا مرتکب انسان، آزاد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ بے سود مادّی گرفتاریوں سے رہائی حاصل کر لے۔ اسے باور کرانے کے لئے، ان پاک ہستیوں کے راستہ کی نشاندہی کرائی گئی ہے، جنہوں نے عملاً اس پر چل کر کے دکھایا ہے۔ ان کی زندگی اقتصاد اسلامی کی پوری طرح عکاسی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں جو مصائب وجود میں آتے رہتے ہیں ان کا حل بھی انہیں میں ہے۔

چونکہ، ایک عرصہ دراز سے ہم پر غیر اسلامی معاشی نظام مسلط رہا ہے ہم اس کے عادی ہو گئے، اسے اپنا کر رکھنا ہمارا معمول بن گیا، اور یہ احساس بھی جاتا رہا کہ یہ نظام اقتصاد مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے ہے کہ دوسروں سے رابطہ قائم رکھتے ہوئے اپنے درمیان اقتصادِ اسلامی کو سختی کے ساتھ رائج کریں۔ چونکہ، اس اقتصاد کا نظام برعکس دیگر نظام ہائے جہان، فاسد نہیں ہے؛ فطرت سے ہم آہنگ ہے تیزی سے اپنی قوت کو منوالے گا۔ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں، دونوں جہان میں کامیاب رہیں گی۔ ہم چونکہ سردست، غافل زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، اس سے چھٹکارہ

حاصل کرنے کے لئے تیر بہدف طریقہ ہے، دن میں پانچ مرتبہ یاد دلانے والی قیام صلاۃ ہے۔ حضوریٔ قلب کے ساتھ، ہر نماز میں گڑ گڑا کر اللہ سے دعا مانگتے رہنے سے غفلت کی عادت جان چھوڑ دے گی۔ اس طرح ہم اقتصاد اسلامی پر کاربند ہونے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ مسلمان جب مل کر اس پر عمل پیرا ہوں گے، دوسرے بھی ان کامیابیوں کو دیکھ کر اپنانے کی کوشش کریں گے۔ اور یہ عمل لازوال بن جائے گا۔

ہم کسی کام کو انجام دیتے ہیں یا نہیں، اصل معاملہ ہے کامیابی کا۔ جس کا دار و مدار، قصد و ارادے کے بعد عزم و استقلال پر ہے۔ غفلت سے دوری حاصل کرنے کے لئے محکم ارادے کی ضرورت ہوگی۔ ایک بار طے کر لیا تو جب تک تکمیل کو پہنچا نہ دیں پورے جوش و خروش سے بھڑے رہیں گے؛ ’قولِ مرداں، جاں دارد‘۔ اللہ کے دیئے پر قناعت کے ساتھ، اسی پر توکّل کر کے ترقّی کی طرف رجوع ہونا، کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ افراد کی ذمّہ داری ہے کہ، معاشرے کی اصلاح و ترقّی کیلئے، سود در سود سے پاک، عدل و سچّائی پر مبنی نظام اقتصاد لازم ہے۔

بیوی و شوہر میں ہم آہنگی سے غفلت

عام مشاہدہ کی بات ہے کہ اکثر اوقات جو بات اہم ہوتی ہے ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پس منظر پر ہماری نگاہیں پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔ جب حقیقت پیش نظر نہ ہو تو فکر درست نتیجہ اخذ نہیں کر پاتی اس طرح جب غیر محکم بنیادوں پر ڈھانچہ کھڑا کیا جاتا ہے، عمارت مضبوط نہیں رہتی۔ دنیا کی تخلیق میں، جہاں بھی نظر ڈالئے مذکّر و مونث کا مشترکہ رول کارفرما نظر آتا ہے۔ انسان ہو یا حیوان۔ یہاں تک کہ نباتات ہو یا جمادات، جنسیت کے بغیر وجود نہیں رکھتی ۔اللہ کی وحدانیت کی عکّاس ہے۔ اللہ آدم وحوّا کے ذریعہ آدمیت وجود میں لایا۔ تا حدّ نگاہ آدم زاد ہی آدمزاد متحرّک نظر آتا ہے۔ انسانوں میں میاں بیوی کا وجود ایک مشترکہ مقصد رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانیت سے پر، انسانوں کا تیزی سے اضافہ ہوتا جائے، تاکہ دنیا تیزی سے ترقی کر کے تکامل کو پہنچے۔ جتنے زیادہ انسان ہوں گے اتنی ہی زیادہ ترقّی ہوگی۔ خداوند کریم اپنی شان ربانیت کے تحت

پورے جہان کو ترقّی کا مرقّع دیکھنا چاہتا ہے۔ انسانی دو جنسی جوڑے کو افزائشِ نسل کا منصب عطا کر کے، ان میں جاذبیت و باہمی کشش و آسودگی، آرام و آسائش و عاطفیت کا ایسا اہتمام کیا کہ وہ اس کارِ منصبی کو انجام دینے کے لئے ان کے دل میں جان پر لگی بازی جیسی مرغوبیت و آمادگی پیدا کر دے، وہ ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ سرعت سے ترقّی کرتی ہوئی افزائش نسل اس کے ذمّہ قرار پائی۔
مطمحِ نظر: جانب ارتقا پرواز کرتی ہوئی، دلپزیر وروح افزاو راحتِ جاں اولاد ہے!!

انسانی پیش رفت کی جب بات آتی ہے تو راہ میں بظاہر مصیبتوں و سختیوں سے پُر مراحل بھی نمودار ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اطراف غور سے نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب العالمین نے ارتقا کو محورِ جہان بنایا ہے۔ ہر شے اسی کی جانب چھلانگیں مار رہی ہے۔ وردِ زباں ہے! مشکلِ نیست کہ آساں نشود۔ مرد باید کہ ہراساں نشود

اللہ نے فطرت کو جو نظام عطا کر دیا ہے، اپنی جگہ اٹل ہیں، ان میں تبدیلی آنے نہیں دیتا، اپنی راہ میں پڑے روڑوں کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرتا۔ نمرود نے انسانیت کو انسانی ہاتھوں سے بنے خداؤں کا سہارا لے کر، سرنگوں کرنے کی کوشش کی، اس کی سرزنش کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھما دیا، ناعاقبت اندیش فرعون نے نسل انسانی کو قطع کرنے کی کوشش کی حضرت موسیٰ کو عصا عنایت کر دی، اموی وعبّاسی خلفاء نے اسلام کو مٹانے کیلئے انسانوں کے خون کی ندّیاں بہائیں، انسانیت پامال کی، شہادتِ عظمیٰ کا لازوال بندوبست کر دیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے بھی انسانی پیش رفت کے سامنے رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی، اسے منہ توڑ جواب ملا، اور وہ معدومیت کا شکار ہوگیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کو ہر صورت میں دنیا کی بلا رکاوٹ ترقّی مقصود ہے۔ اس کا آغاز، اسی جوڑے کو علمِ تربیت سے مزیّن کر کے، ان کی جان افزوں اولاد کو ترقّی میں ملبوس پروان چڑھانے سے کیا ہے۔

اولاد کی تربیت کا ترقّی میں رچا ہوا یہ کام، فقط اس وقت ہوسکتا ہے، جب یہ جوڑا مل کر خلوص کے ساتھ انجام دے۔ اور مل کر یہ کام اسی وقت ہوسکتا ہے جب دونوں میں ذہنی ہم آہنگی موجود ہو۔ کسی عمارت کی بنیادیں اگر اپنا توازن کھو بیٹھے تو وہ ڈھئے پڑتی ہے۔ زن وشوہر میں توازن برقرار نہ رہا تو اس

کی چولیں جواب دے دیتی ہیں۔اولاد جو وجود میں آتی ہے، اپنے والدین میں یک جہتی واعتدال اور رفاقت روشن نہ پاکر فکری ناہمواری کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کے ہاتھوں معاشرے کا توازن درہم برہم ہو کر بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔اس مسئلہ نادانی و غفلت سے کیسے نمٹا جائے۔اولاد نے اگر رفتارِ زمانہ سے گر کر ترقّی کی تو وہ معاشرہ سے کٹ کر رہ جائے گی۔ماں باپ کے لئے سوہان روح بنی رہے گی ۔میاں بیوی اگر بے بنیاد مفاخرت وخود خواہی کی بناء پر آپس کی چپقلش میں پھنس کر، اکھاڑ، پچھاڑ کرتے رہے۔خلوص کے ساتھ، بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی مدد نہ کی، توازن جو شوہر و بیوی میں قائم رہنا چاہئے تھا درہم برہم رہے گا، اور بچّے تباہ ہونگے۔

ناہم آہنگی بتاتی ہے کہ فریقین کی بلوغیت زیادہ دخل انداز ہے جو ایک عالمی مسئلہ بنا ہوا ہے ۔اس کی وجہ سے متعلقہ علوم جس میں، عدل کا حامل، علمِ دین بھی شامل ہے، ان افکار کا جزو بن نہیں پایا۔ نفسیاتِ انسانی کا علم اتنا گہرا ہے کہ اس کے غوّاص بھی اس کی گہرائیوں میں پہنچنے سے قاصر رہے۔اس لئے کہ فقط علم ہی نہیں بلکہ اللہ کی تخلیق کی ہوئی ہر شئے اتھاہ اقدار کی مالک ہے۔اللہ چونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وقت کے تقاضوں کے تحت علوم کو اس کی کوشش اور کاوش کی مقدار کے مطابق حوالے کرتا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنے مسائل کا حل تلاش کر کے اس سے استفادہ کرتا رہے، اس کے امور معطل نہ رہیں۔مگر جہاں بھی انسان نے علوم کے حصول میں غفلت برتی، مسائل میں جا پھنسا اور نقصان پر نقصان اٹھاتا رہا ہے۔

دو افراد کو یک جا رہنے کے لئے، ہر دو کو اپنی اپنی شناخت ہونا ضروری ہے۔یہاں خود پرستی وخود خواہی ترازو کا کام کرتی ہے۔انسان جس قدر زیادہ مغرور وخود پرست ہے اسی قدر وہ نفسیاتی مریض ہے۔اپنی طرف نگاہ کئے بغیر، بے صبری، تنک مزاجی، غصّہ، نکتہ چینی، چیخ و پکار وغیرہ بھی اسی نسبت سے اس میں موجود ہوتی ہے۔اسی کو بے ظرفی بھی کہتے ہیں۔جو جس قدر تحمل مزاج ہے اسی قدر وہ حوصلہ مند، ساکت اور بالغ نظر ہے، بات کرنے سے پہلے اس کے اثرات پر غور کر لیتا ہے۔قدرت نے جہان میں عدالت، باہمی امداد، ہمدریؔ وفلاح کو مقدّم رکھا ہے۔اس فطری حقیقت سے جہاں سر پیچی

ہوئی، اولاد پر ضرب پڑی!!

اوّل نے اگر دوئم کے سر پر ہتھوڑے کے ضرب جاری رکھی اور وہ صبر وضبط سے کام لیتا رہا تو وہ اپنی شرافتِ نفس کھو بیٹھے گا، اس کی بالغ نظری وحوصلہ مندی جواب دے دے گی، کارکردگی تباہ ہو جائے گی۔ ساتھ ہی اول کے مرض میں اضافہ ہوگا۔ جو بڑے گھاٹے کے سودے ہیں۔ یہ خودخواہی کی بناء پر مصنوعی طرز کی بے کیف ازدواجی زندگی کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب کہ اسے ایک جان دو قالب ہونا چاہیے تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ گھر میں تناؤ کا سا ماحول ہر دو کو ذہنی فشار میں مبتلا کر کے رکھے گا اور زندگی اجیرن بنی رہے گی۔ مندرجہ بالا ہر دو اوصاف کا منبع بیشتر بچپنے کی تربیت سے ہے، جو آخری دم تک جان نہیں چھوڑتا۔ مگر کوشش میں بڑے امکانات موجود ہیں۔ خودخواہی و خود پرستی کی بناء پر مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ فریقین نے اگر اپنے اندر موجود، اچھائی و برائی کو پہچان لیا، تو یہ پہچان کسوٹی بن جاتی ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھا کر مسئلے کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ بلکہ مسئلہ پیش ہی نہیں آئے گا۔ یہی بالغ نظری۔ ورنہ گھاؤ مندمل ہو جانے کے بعد بھی اپنا نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اپنی غلطی مان لینا بہادری ہے۔ کمزوری نہیں۔

دین کے پابند، مفاخرت اور خودخواہی سے عام طور پر مبرّا ہوتے ہیں، انہیں ایک دوسرے کے حقوق کا احساس ہوتا ہے، عدالت سے سرشار، پاسِ ادب، احترام و ہمدردی، منکسرا جی فروتنی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ غفلت سے بچے رہنے کا بہترین حل ہے۔ گھر کے ماحول کو پرسکون رکھنے کیلئے۔ بیوی کو شوہر کی خادمہ اور شوہر کو بیوی کا خادم بنا کر پیش کرنا ہوگا۔ نکتہ چینی، ازدواجی تعلّقات میں زہر میں بجھی تلوار سے کم نہیں۔

اقتصادی حالت کو درست حالت میں رکھنے میں اصراف سے بچنا ہوگا۔ مستحقین کے حقوق کو ان تک پہچانے میں، سرور (خوشی) کا احساس ہوتا ہے جو ذہنی توازن کو برقرار رکھنے میں بے انتہا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اسلامی تقاضوں کی مطابقت کر کے متقی بن جاتا ہے۔ اس طرح خوشنودئ خدا کا مستحق بن کر اپنی عاقبت ٹھیک کر لیتا ہے۔

بیٹی کا ولی بننے میں، باپ کی غفلت

اسلام نے بیٹی کے تحفظ کے مدّ نظر باپ کو ولایت کا درجہ عطا کیا ہے۔ولی :سرپرست، رکھوالا، امین، مربّی ونگہبان وغیرہ کے معنیٰ میں آتا ہے۔باپ کی یہ ولایت فقط بچّی کی شادی کے لئے محدود نہیں۔ بلکہ یہ حق بچّی کی پیدائش سے لے کر جب تک اس کی شادی نہ ہوجائے محفوظ رہتا ہے۔اس مقام پر ضرورت ہے کہ ہم اجرائے ولایت کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔اسمیں بچّی کی نرم ونازک، ذہنی وجسمانی ساخت پر مبنی اس کے رہن، سہن، دینی ودنیوی تعلیم وتربیت وکفالت وغیرہ شامل ہے۔اور بچی کے لئے لازم ہے کہ وہ باپ (اپنے ولی) کا کہنا مانے۔

یہاں یہ معلوم کرنا لازم ہے کیا باپ کو پتہ ہے کہ ولی ہونے کی حیثیت سے اس کے وظیفے اور اختیارات کیا ہیں؟ کیا وہ جبراً اس سے اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام جو بچّی کو مرغوب نہ ہو کروا سکتا ہے؟ شرع کے مدّنظر، دورحاضر میں ان سوالات کے جواب آسان نہیں۔

وہ ولایت، ولایت نہیں جو علم سے مزیّن نہ ہو۔کیا باپ نے اسلامی تقاضوں پر مبنی اس قدر علم حاصل کر کے، اور ان پر عامل ہونے کے بعد، نمونہ بن کر، بچّی کی تربیت کی تھی کہ وہ شرع کی پابند بن کر باپ کی مطیع بنی رہتی۔کیا بچی کے ماں باپ میں، اسلام سے مربوط، ہر طرح کی عدالت وہم آہنگی، یا یکسانیت موجود رہی ہے، جو ازدواجی زندگی کے روح رواں ہیں، جس گھریلو رواج یا روش زندگی کو دیکھ کر بچّی روزمرہ زندگی میں اپنا لیتی؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو اس باپ کی ولایت قابل اعتبار نہیں۔ ایسے حالات میں، اگر بچّی نے یہ سوال کرلیا، آیا کہ وہ باپ کی مرضی کے خلاف اپنی شادی کرسکتی ہے؟ تو باپ کی ولایت نے دم توڑ دیا۔وہ عدالت کے کٹگھرے میں کھڑا کردیا گیا۔باپ کے پاس اتنا علم ہی نہیں تھا کہ وہ دین کے سہارے اسے اطاعت کا سبق دے پاتا۔بصورت دیگر اگر یہ ماجرہ مثبت پہلوؤں کا حامل ہوتا، تو بچّی باپ پر اطمینان کرتے ہوئے کہ اسمیں اسلامی خلوص برقرار ہے اور وہ حقیقت میں اس کا ولی بننے کے قابل ہے، اس نے اس کے لئے جس شوہر کا انتخاب کیا ہے، اس کے طور طریقوں اور ذہنی توازن کا اندازہ لگا کر اس کے لئے منتخب رچنا ہے کہ جو اس (بیٹی) کی اسلام کی مطابقت کرتی

ہوئی مزاجی کیفیت سے ہم آہنگ ہوں گے، اس کی مرضی بلا چون وچرا بات قبول کرلیتی۔

مسئلہ واضح ہے کہ باپ نے اپنے ولی (محمدؐ وآل محمدؑ) کے دامن کو تھامنے میں غفلت برتی تھی، بیٹی کا ولی بن نہ پایا۔ جب باپ اسے دین سے متعارف نہ کرا پایا، اور راہ راست نہ پانے کی بناء پر بچی نے راہ دیگر اختیار کرلی، تو قصوروار کون؟ چونکہ ولی نے اپنے گھر میں اسلامی ماحول قائم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی، دین سے واسطہ نہ رکھا، اپنی من مانی کی؛ مسئلہ دائرہ اسلام سے، دین کے احکام پر عمل نہ ہونے کی بناء پر خارج ہے۔ جب اسلام کے حدود سے مسئلہ باہر چلا گیا تو اسلام کس طرح اپنے پنجے اس پر ڈال سکتا ہے۔ اب طاغوت کی بے راہ گو داس کی منتظر ہے۔ باپ کیوں متقی نہ بن پایا؟ کن کی ذمہ داری تھی کہ خاندانوں کو اخلاقِ محمدؐ وآل محمدؑ پر قائم رکھتے؟ مفاد پرست ذاکرین اور والیان ادرہ ہدایت ہیں جنہوں نے ولایت کے سامنے بند باندھ دیا ہے۔ منبر سے اخلاق حمیدہ کی ترغیب دلانے کے بجائے مسلمانوں میں تفرقہ کا بیج بوتے ہیں۔ ہدایات کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔

چونکہ اسلامی اقدار کی مخالفت یا اس سے دوری؛ ماڈی پیشرفتگی: خودنمائی، مفاخرت کے دلدادگی کی بناء پر وجود میں آتی ہے، جلد تر ترک کیا جائے اور اخلاق واقتصاد اسلامی کو اپنے رہن سہن کے لئے راہِ عمل بنایا جائے۔ جب والدین تقویٰ اختیار کریں گے، بچے بھی متقی بنیں گے اور باپ کے حقوقِ ولایت کو کوئی بھی چیلنج کرنے والا نہ ہوگا

شرک سے محفوظ رہنے میں غفلت

معذرت کے ساتھ ایک ضروری امر کی طرف فکر کو دعوت نہ دینا انسانی حق تلفی سے کم نہیں۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اپنی آراء سے مطلع فرمائیں۔ حرف آخر نہیں، بزرگ علماء سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہم اکثر وبیشتر شرک کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ دھیان دے کر فکر کرنے کی عادت ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہی ہے بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ شرک دینی مسئلہ ہے اور دین کے محافظ لوگوں میں کھیل تماشہ بنا رہا ہے۔ (ضمناً عرض ہے کہ موجودہ دور میں، مسلمانیت، بہت ساری بے مقصد رسموں کے ساتھ صرف حلال گوشت کھانے کا نام رہ گیا ہے، کہ ہم حلال گوشت کھاتے ہیں مسلمان ہیں۔ جب

کہ یہودی طرز سے ذبح کیا گیا کو شر گوشت کو حلال کر لیا گیا ہے)۔سب سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا ہے کہ اللہ واحد، عادل و مالکِ یوم الدین ہے۔ ہمارے اعمال، معیار یا کسوٹی ہوں گے جو ہمیں جنّت یا دوزخ کا حقدار بنائیں۔زبانوں میں اصطلاحات خاصے وسیع و لچکدار معنیٰ کے حامل ہوتے ہیں۔ جملہ: اللہ کی ذات میں کسی کو شامل کر دینا شرک کہلاتا ہے۔اس میں جن اصطلاحات سے استفادہ کیا گیا ہے، لچک رکھنے کی بناء پر اگر غور و فکر کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے تو انسان تحریف کر کے مطلب پرستوں کے حلقے میں بہ آسانی جا پڑتا ہے۔ چونکہ مشرک پر جنّت حرام ہے، مسئلہ اہم، بن جاتا ہے۔

جب اللہ کی ذات نظر نہ آنیوالی، لامحدود اور اتنی مستحکم ہے کہ جس مادّہ سے یہ دنیا بنی ہے، اس کا اس سے کوئی نسبت نہیں، نہ اس کا کفو ہے نہ ہمسر، نہ ہی مثل اس کے ہے (القرآن ۱۱۲/۴)۔اس کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے مادّی ہے، محدود ہے، مگر مجموعی طور پر لامحدود ہے۔اللہ کی جنس کا کسی کو پتہ نہیں، ایک محدود سامنے نظر آتی ہوئی مادّی ذات کا اس کی ذات میں شامل کر دیا جانا کیسے ممکن ہوسکتا ہے ؟اس طرح کسی نامعلوم ذات میں کسی نظر آنے والی مادّی ذات کو شامل کر دینا محال ہے۔

ان دلائل کے مدنظر جو بات شرک کے زمرے میں آتی ہے وہ اللہ کی ہدایات میں تحریفات ہیں؛ حال آنکہ اللہ کی ہدایت بھی محکم ہیں مگر ان کے معنی و مفہوم میں کمی و بیشی کی استعداد موجود ہے۔چونکہ مفاد پرستی کی بناء پر تحریف کرنا ہماری گھٹّی میں پڑ گیا ہے، اس کے سہارے، اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانیوں سے بچا لے جانے کے طریقہ تلاش کر لیتے ہیں۔رند کے رند رہے ہاتھ سے جنّت نہ گئی کہاوت کے مانند ہمارا مسلمانیت پر قائم رہنا آسان ہوجاتا ہے۔شرک کا معاملہ بھی اسی کے حوالے ہو جاتا ہے اور ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم معاذ اللہ شرک سے مبرّا ہیں۔واللہ اعلم۔اگر ہم محمدؐ و آل محمدؑ کی طرف نظر ڈالیں، تو وہ سب کے سب یہ کہتے ملیں گے کہ ان کے اقوال/احادیث، اگر قرآن سے موافقت نہ کریں تو ان سے ان کا واسطہ نہیں۔گویا کہ اللہ کا کلام واحد ہدایت کا مجموعہ ہے جس پر عمل فرض کر دیا گیا ہے ۲۸/۸۵۔ہم فقط اس پر عمل کر کے اللہ کا بندہ بن سکتے ہیں۔یعنی دنیا جو گذرگاہ مسافرت ہے یوم الحساب تک پہنچنے کیلئے تو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہوگا۔اس میں اگر اپنی یا کسی

دوسرے کی منشاء شریک کردی (جس کی ممانعت ہے) تو وہی شرک کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔اس لئے کہ اللہ کا ہدایت شدہ واحد راستہ وہی ہے جو قرآن میں درج ہے۔فطرتِ دنیا سے ہم آہنگ ہے ۔اس کی ہر آیت چونکہ تا آخرِ دنیا مخلوقات کو ہدایت پہنچاتے رہنے کے لئے طرح دی گئی ہے، کھوٹ سے پاک، نہایت درجہ نپی تلی ہیں۔اس کے اصل متن میں تحریف نہیں کی جاسکتی۔اس سے ہٹا ہوا کوئی اور راستہ اس فطرتِ واحدہ سے ہم آہنگ یکتہ و محکم راستے میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے۔اگر کوئی صورت ہے تو وہ، اصطلاحات میں لچک کی بناء پر اس کے معنیٰ میں الٹ پھیر کر کے اپنی منشاء کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

مسلمانوں کو اخلاقِ حسنہ سے ہٹا کر، ناگفتہ بہ اخلاق کا مالک بنادیا جانا، جہالت میں مبتلاء کر کے آپس میں پھوٹ ڈالا جانا، پر از ہمدردی و بھائی چارہ ، فلاحی نظامِ اقتصادِ اسلامی سے دور کر کے، ناداری وفقر میں مبتلاء کر دیا جانا، وغیرہ وغیرہ؛ اصل الٰہی ہدایات سے جدا کر دینے کے بعد ہی ممکن تھا، جسے بیشتر حکومت کے بھوکے، مادہ پرست لوگوں نے اپنا ہتھیار بنا کر رکھا۔جس طرز پر انہوں نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی تھی، الٰہی محکم ہدایات سے میل نہیں رکھتی تھیں، فطری خوبیوں کی مالک نہ تھیں ،فخر، غرور، مقام، پرستی و ظلم ان کا وتیرہ تھا۔ چونکہ فطرت اپنی معقولات میں زیادہ دیر دخل اندازی برداشت نہیں کرتی، دھیرے دھیرے فرسودگی کا شکار ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھیں۔

اشد ضرورت ہے کہ ہم پر جو غفلت طاری ہے، جلد از جلد اس کے لبادے کو اتار پھینکیں، فقط وہ ہدایات جو قرآن اور سنّت رسول سے موافقت رکھتی ہوں، (جو حقیقی اللہ کے بھیجے ہدایت دہندگان کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں)، ان پر بلا تاخیر عامل ہو جائیں۔اسی میں ہماری فلاح ہے۔ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ مغفرت کے لئے صالح اعمال ہی کسوٹی ہیں۔کسی شک وشبہہ میں نہیں رہنا چاہئے۔ یوم الدین پر اللہ رتّی رتّی کے برابر کئے ہوئے اعمال کا حساب کر دے گا۔دامنِ قرآن و محمدؐ و آل محمدؐ کو تھام کر اعمال کو درست رکھنا ہمارا فرض ہے۔کسی ہی لمحہ اس جہان فانی سے رخصت ہو جانا ہے۔اس سے مفر نہیں۔تہیہ کر لینا چاہئے کہ فقط سچّوں کے دامن کو تھام کر چلیں گے!

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

بے شک جس نے آپ پر قرآن کا فریضہ عاید کیا وہ آپ کو آپ کی منزل تک ضرور واپس پہنچائے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔ (قصص ۲۸/۸۵)

روایات کے مطابق یہ آیۃ رسول اللہ کی مکّہ واپسی سے متعلّق ہے؛ مگر چون کہ قرآن کی ہدایات رہتی دنیا تک کے لئے ہیں، اور ہماری واپسی آخرت سے متعلّق ہے۔ راہ کٹھن ہے، اس پر رہزنو ں کا قبضہ ہے، وہاں تک کی باحفاظت مسافرت قرآنی ہدایات پر چل کر ہی ممکن ہے۔

جن غفلتوں کا ہم تذکرہ کرتے چلے آرہے ہیں، ان کے وجوہات اللہ کی ہدایات سے بے اعتنائیوں کی وجہ سے ہے۔ قرآن کا اہلبیت رسول کی پاکیزہ سیرت کو سامنے رکھ کر مطالعہ، ہمیں اور ہماری اولاد کو بے راہ روی سے بچا کر اخلاقِ حمیدہ کا مالک بنا دے گی۔ ہم رضائے الٰہی کے مستحق بن جائیں گے۔ اس کے حصول کے لئے قرآن کو سمجھ کر بہ غور وفکر پڑھنا لازم ہے۔ زبان عربی کا سیکھنا اس کا لازمہ ہے۔

اولاد کی تربیت میں غفلت

اولاد، اخلاق کا وہ اہم ذریعہ ہے جو معاشرے کے لئے محور کا مقام رکھتی ہے۔ خاندان ہو یا تہذیب وتمدّن، اسی کے اخلاق سے اثر انداز ہو کر اپنی راہ مقرّر کرتے ہیں۔ رہے افرادِ خاندان تو وہ اس کی صحیح تربیت کر کے چین سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس سے اگر غفلت برتی گئی تو وہ بے راہ ہو کر زندگی کے سکون کو درہم برہم کر دے گی۔

تربیتِ اولاد، دوسرے فنون کی طرح، ترقّی پذیر ونہایت لطیف فن ہے۔ فنون بغیر حاصل کئے ہاتھ نہیں آتے۔ جو لوگ اس فن کو حاصل کر کے اولاد کی تربیت کرتے ہیں، شاہکار اولاد حاصل کر لیتے ہیں۔ ورنہ کثافت میں لتھڑی ہوئی اولاد کی بھیڑ ہر طرف نظر آرہی ہے۔ موجودہ معاشرہ بداخلاق نو

جوانوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

اس موضوع پر بے انتہا کتابیں ملیں گی، ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ شہنشاہان اور دیگر مقتدر حکمران، اتالیق یا اعلیٰ درجے کے مربّی اپنی اولا کی تربیت کے لئے مقرر کرتے، جو ان کے بچوں کو فنِ حکمرانی، عوام کو قابو میں رکھنا و سپہ گری اور دیگر آداب کافی حد تک سکھا دیتے۔ حقیقتوں پر مبنی اخلاقِ حمیدہ کی نہ انہیں صحیح پہچان تھی نہ ہی انہوں نے کسی سے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شہنشاہوں نے، دورانِ حکومت لاکھ: رحمدلی و عدالت، اپنی تعریفی کارنامے تاریخوں میں لکھوائے مگر حقیقت میں، ان کی تربیت اسلامی طرز پر نہ ہونے کی بناء پر، ظلم ہی ان کا آلۂ کار بنا رہا۔

موجودہ دور کی تربیتی کتابوں میں بھی بیشتر جو مواد ملتا ہے، باسعادت تربیت کی سمت رہنمائی نہیں کر پاتا، اور نہ ہی بے راہ روی کو دور کر پاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مادہ جو بے راہ روی کو دور کرتا ہے، اس کی آموزش سے خارج ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے زندگی بسر کرنے کی ہدایات، جو فطرتِ مخلوقات سے ہم آہنگ ہیں نفسیاتِ انسانی، عدل، ہمدردی و انفاق سے مزیّن ہیں اس کے دائرہ کار سے باہر ہوتی ہیں۔

چونکہ اولاد بڑی ہو کر معاشرے کو تشکیل دیتی ہے اس سے متعلق چند باتیں ذہن نشیں رہنا ضروری ہے: دنیا میں کوئی بھی فکر ایسی نہیں جو علم کی اہمیت سے انکار کرے۔ یہی معاشرے کو قوت بخشتا ہے۔ اس کے اصول ایسے ہونا چاہئے ہیں کہ جو فرد کی فطری کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس کی عقل اور روحانی کیفیت کے حساب سے اسے آزاد اور خوشحال زندگی کے سمت ہدایت کر سکیں۔ یہ اصول دو پہلو رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو اس کی اپنی سوچ پر آزاد کر دیا جائے، جو حیاتِ انسانی کی پوری طرح سمجھ نہیں رکھتی، دوسرا یہ کہ کسی ایسے کے مرتب کئے ہوئے ہوں جس کی سمجھ مکمل طور پر اس کا احاطہ کئے ہو اور اس کی روح یا فطری رہنما ضمیر جو انسان کے باطن میں ایک چھپی ہوئی قوت ہے، اس سے مطابقت رکھتی ہو۔ یہ دین ہے جو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پر، ضمیر سے مطابقت رکھتا ہے۔ اگر اسے عین ایامِ طفلی سے دوسرے اثرات سے متاثر نہ ہونے دیا جائے تو ضمیر کی تابناکیاں جو فطری ہونے

کی بناء پر دین سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، اس کے دل و دماغ کو روشن رکھتی ہیں۔ اور وہ اس کے اشاروں کے ماتحت اپنے اعمال کو انجام دیتا ہے۔ طفلی کے ایام اس لئے مہم ہیں کہ اس دور میں وہ باہر کے کثیف ماحول سے زیادہ متصل نہ ہونے کی بناء پر اس کے اثرات سے دور رہتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تربیتِ اولاد میں اوائل عمری کے ایام نہایت اہم ہیں۔

تربیت میں گھر کے ماحول سے بڑھ کر بچّے کو کوئی دوسری بہتر فضا میسّر نہیں ہوسکتی، بشرطِ کہ گھر والے خوش اخلاقی کا مرقّع ہوں۔ یعنی گھر کا متّقی ماحول بیش بہا قیمت وافادیت کا حامل ہے۔ اس کے لئے دینداری کو جو اخلاقِ محمد وآلِ محمد میں مضمر ہے، مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر رکھنا ہوگا۔ یہ ہاتھ سے گیا اور بچّے بے راہ ہوئے۔ اگر با اخلاق بچّے چاہئے ہیں تو والدین کو چاہئے کہ اسلام کو، جو فطرت سے ہم آہنگ ہے اور معقول دلائل پر مبنی ہے اپنے دل میں لا بسائیں۔ جہاں بھی کوئی بات نامعقول معلوم ہو تو سمجھ لیجئے کہ اسلام سے اس کا تعلق نہیں۔ والدین نے خود اگر دین کی رسّی تھام کے نہ رکّھا تو نظامِ تربیت اصل رہنمائی سے جدا ہوکر بے راہ روی میں جا پڑے گی۔ اولاد کے ساتھ معاشرہ بداخلاقی کا شکار رہے گا۔

بیشتر والدین تربیت کی جانب قدم بڑھانا چاہتے ہیں مگر ایسی کتابیں جو صحیح رہنمائی کرسکیں دستیاب نہ ہونے کی بناء پر بے دست و پا رہ جاتے ہیں۔ صاحبانِ قلم سے درخواست ہے کہ وہ ادوارِ گذشتہ کے مدّنظر موجودہ دور کا نفسیاتی تجزیہ فرمائیں اور والاقدر اخلاق جو مرسل اعظم اور ان کے اہل بیت کا رہا ہے، ہاتھ میں لے کر موضوعِ تربیت پر اپنے تخلیقی نظریات پیش فرمائیں تاکہ والدین اس سے استفادہ کر کے اپنی اولاد کے اخلاق کو چار چاند لگ اس کی ں۔

اس امرِ مہم میں ہر شخص کو بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہئے۔ چونکہ اولاد کی صحیح تربیت والدین کی ذمّہ داری ہے ان کی اپنی آخرت کا اس پر بڑا دارومدار ہے، اسی میں خود والدین کی بھی بہتری ہے، والدین کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد برائیوں سے منزّ ہ، اخلاقِ حمیدہ کا مرقّع نظر آئے، اس بناء پر کہ ان ہی کی عادات بچّے پر اثر انداز ہوتی ہیں؛ ان کی ان سے محبّت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنی

غیر شائستہ عادات سے گریز کر کے، بلکہ ہمیشہ کے لئے انہیں خیر باد کہہ کر، اچھے اخلاق کے مالک بن جائیں۔ بچّے اس طرح اپنے ماں باپ کو ایک اچھا موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنی ناشائستہ عادات سے جان چھڑا سکیں۔ عادتوں میں تبدیلی لانا موجودہ دور میں مشکل کام نہیں ہے۔ اس موضوع پر کتابوں کا انبار لگا پڑا ہے۔ انتہأً عرض ہے کہ اس سے غفلت بچے کو بے راہ کر کے ہماری عاقبت پر اثر انداز ہوگی۔ چونکہ ہماری زندگی ہے ہی آخرت کی کمائی کے لئے، ہمیں حق سے ملحق ہو جانا چاہئے۔ یعنی بچّوں کو اچّھی تربیت فراہم کر کے ہم اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس معاملے میں مہم ترین بات یہ ہے کہ بچّہ جس گھر میں پرورش پا رہا ہے، اسلامی اقدار کا حامل ہو۔ وہاں فقط رسموں پر اکتفانہ کیا جارہا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسمیں حقیقتوں سے ناآشنا ہوتی ہیں اور مثبت طور پر اثر انداز نہیں ہو پاتیں۔ رسموں سے نجات حاصل کرنے کا بہترین واوّلین طریقہ یہ ہے گھر میں زبان عربی کے علاوہ کوئی اور زبان بولی نہ جائے۔ اس بناء پر کہ وہ فقط عربی زبان ہے جس میں قرآن واحادیث موجود ہیں، وہی ہمیں دین سے متعارف کرا سکتی ہے اور عاقبت کو درست رکھنے میں کار گر ہوگی۔ گھر والے احکامِ دینی پر عمل پیرا رہیں، بچّوں کو باہر کے غیر مناسب ماحول کے عیوب کے مدّنظرؒ اسلام کی دوررس معقولیت ان کا عقلی و منطقی ہونا سمجھاتے رہیں' تا کہ وہ رسموں کی سطحی چمک دمک میں الجھ کر اس کی طرف راغب نہ ہونے پائیں۔ سونے سے پہلے بچّوں کو تشریحات کے ساتھ ایک روز قرآن پڑھایا جائے، دوسرے روز نہج البلاغہ سے اقتباسات اور تیسرے روز صحیفہ کاملہ سے حاصل شدہ اخلاقیات کی تعلیم دی جائے۔ پانچ یا سات منٹ سے زیادہ وقت اس میں صرف نہیں ہونا چاہئے، تا کہ بچّے اکتاہٹ محسوس کرنے نہ لگ جائیں۔ صلاۃ و روزے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، نہایت خلوص کے ساتھ انہیں اسے برپا کرنا سمجھایا جائے۔ جب بچّے، ہمیں خشوع وخضوع کے ساتھ صلاۃ میں تلاوت کلمات کرتے پائیں گے اور ہم ان کو اس کی اہمیت سمجھادیں گے، نہایت ملائمت اور خوش مزاجی کے ساتھ اس کی تاکید کرتے رہیں گے، تو وہ بھی اسے اپنالیں گے۔ ہمیں یادرکھنا چاہئے کہ خشوع وخضوع کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب جذبات ابھرے ہوئے ہوں۔ بڑی اہمیت کی حامل بات یہ ہے کہ جب

ہم بچّے کوکلمات صلاۃ کوتشریح کر کے سمجھائیں،تو وہ مقامات جوجذبات کوابھارنے میں مدد کرتے ہیں،ایک ایک کر کے ان سب کی نشاندہی کرتے جائیں۔ چونکہ ہمارے سارے اعمال یوم الدین (قیامت) سے متعلّق ہیں،تنہا اسی کی تفصیل کے ساتھ تشریح ہمارے بچّے کےاعصاب پر خشوع وخضوع وارد کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس کے علاوہ چونکہ صلاۃ (نماز) اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے، جو اللہ کی عبادت/اتباع و پیروکاری ہے،اس کے کلمات کی اگر غور وفکر کے ساتھ سمجھ کر تلاوت کی نہ گئی تو بے راہ ہوکر بھٹک جانا قطعی ہے۔ان کے معنیٰ کی گہرائیوں میں ڈوب کران میں موجود جواہر حاصل کرنا مشکل نہیں۔

اپنے عادات واطوار کو دین کے تقاضوں کے مطابق ڈھال کر بچّوں کوساتھ ساتھ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔دین کے اثرات اگر بچوں پر پوری طرح وارد نہ ہوئے توان کے بھٹک جانے کا خطرہ تقریباً یقینی ہے۔معاشرہ چونکہ،سخت گمراہی کا شکار ہے سخت ضرورت ہے کہ گھر والوں پر مشتمل ماحول عین اسلامی ہو۔اس امر کو یقینی بنانے کے لئے ،زبان عربی کو مسلمانوں کے گھروں میں بولا جانا نہایت اہم ہے۔بلکہ اس سے مفر نہیں۔

نماز و روزے اگر ان کے مقاصد کو جانے بغیر ادا کئے گئے تو بے مصرف ہونگے، کہ وہ اچھے اعمال کی طرف راغب نہیں کر پائیں گے۔ ان کی ادائگی بے سود ہوگی۔ چونکہ بچّے سعید اعمال کے پورے مراحل پر اسی وقت عمل پیرہو سکتے ہیں جب وہ ان کا مشاہدہ کرلیں،ضرورت ہے کہ کسی بناوٹ کے بغیر والدین دین پر عمل کر کے یہ تربیت انجام دیں۔ ان کو بتایا جائے کہ ہر عمل کواس کے مقصد کو جانے بغیراور بغیر کسی منصوبہ بندی کے،انجام نہیں دینا چاہئے۔اس کے ہر پہلو کوایک ایک کر کے واضح طور پر،ذہن نشیں کرایا جانا،ان کی آئندہ زندگی کوسنوارنے کے مترادف ہے

ہر مسلمان گھرانے میں فقط عربی زبان میں بات چیت ناگزیر ہے

خواہشات جو بچّے میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں،اگر والدین خود ان کے لئے کوشاں نہ ہوں، بچے

بھی اس سے گریز کریں گے۔ دنیا اس وقت جن مصیبتوں میں مبتلاء ہے وہ بے جاء خواہشات کی بناء پر ہیں۔ یہی بداخلاقی و بے راہ روی کو جنم دیتی ہیں۔ بچوں کو صبر وضبط کی خوبصورت انداز میں عملی طور پر تلقین، نہایت کارگر ہے۔ بقرآن:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۴

لوگوں کیلئے، خواہشات دنیا، عورتیں اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے یا چوپائے، کھیتیاں سب مزین و آراستہ کر دی گئی ہیں کہ یہی متاع دنیا ہے۔ اور اللہ کے پاس بہترین انجام۔ (آلِ عمران ۳ر ۱۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اس سے پہلے کہ موت تمہیں آلیتی ہے اور جسم کو روح سے جدا کر دیتی ہے، ایسی خواہشات سے دور رہو جو نقصان دہ ہوں۔ جس طرح تم زندہ رہنے کے لئے کوشش کرتے ہو، اسی طرح اپنی روح کو برائیوں سے آزاد رکھو کہ وہ تمہارے اخلاق کی رفتار سے تعلق رکھتی ہے۔

ہم نے اندازہ لگایا کہ ہماری خواہش کی بناء پر کہ ہماری اولاد بے راہ روی سے بچی رہے اگر خود اچھے اعمال پر کاربند ہو جانے کی کوشش کرتے رہیں ہماری اپنی عادات درست اطوار پر استوار ہو جائیں گی، ضرورت ہے کہ ہم دوسرے احباب کو بھی اس کی دعوت دیں، تا کہ ایک سلسلہ جاری ہو کر پورے معاشرے کی عادات کو درست کر دے گی اور بے راہ روی جو معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کرنا کارہ بناتی چلی جارہی ہے، درست راہ اختیار کر لے گی۔

اخلاقِ حمیدہ میں لوگوں سے ادب کے ساتھ پیش آنا سرفہرست ہے، خصوصاً بزرگ لوگ جن کا آزمایا ہوا علم وتجربہ اخلاق کے لئے کیمیائی اثر رکھتا ہے، ان کی اس بزرگی کا احترام اور ان کے تجربات سے فیض حاصل کرنا نہایت مفید ہوتا ہے۔ اہمیت کا حامل ہے۔ اختصار کے ساتھ چند نکات پیش خدمت ہیں:۔

بزرگانِ خاندان سے استفادہ میں غفلت

ایک عرصے سے مسلمان خاندانوں میں بھی، شادی ہوتے ہی سن رسیدہ والدین کو تنہا چھوڑ کر جدا گھر بسا لینے کی مغربی ریس شروع ہوگئی ہے۔ قدرت نے اس جہاں کی فطرت کو جو قوانین عطا کر دیئے، بطور کلّیات اپنی جگہ اٹل ہیں۔ یہی حال دین کا ہے، تا قیامت اس کی کارفرمائیاں جاری رہیں گی۔ یہ بات کبھی بھی تجربہ میں نہیں آئی کہ اس میں ردّوبدل مفید ثابت ہوئی ہو۔ انسانی کمزوریوں کی بناء، علم میں کمی ہوتی ہے۔ ساس و بہو میں جو تنازعات سننے میں آتے ہیں وہ حقیقت میں لاشعوری طور پر، دونوں کی طرف سے، خاندان کی بہبودی کیلئے پرخلوص کوشش ہوتی ہے۔ ان میں اکثر جو چپقلش پیدا ہوتی ہے، اس لئے نہیں ہوتی کہ پالہا چھوڑ کر بھاگ جایا جائے۔ نہ ہی اس لئے ہوتی ہے کہ انا کا اکھاڑا بنالیا جائے۔ یہ کمزوریوں کو تجربات کے سانچے میں ڈھال کر مفید تبدیلی لانے کے لئے ہوتی ہے تا کہ وہ آئے دن زندگی میں سہولت پیدا کرتی رہے۔ ایک نئے فارمولے کو جنم دے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس کی افادیت پر نگاہ رکھ کر خوش اسلوبی کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے۔ غلطیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں، عقلمندی اسی میں ہے کہ بالغ نظری کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھالیا جائے۔

بیشتر والدین جو دین سے مزیّن تربیتِ اولاد کے علم سے آگاہ ہوتے ہیں ان کی بزرگی شکوک سے بالاتر ہوتی ہے۔ جب وہی دادا دادی بن جاتے ہیں ان کی بزرگی میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ماضی کی تلخیاں اور موجودہ دور کی رسہ کشیان کی عادتوں کو صیقل کر کے ان میں ہدایت کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہیں۔ وہ فیصلے جو آنکھ جھپکنے یا عجلت میں لئے گئے ہوتے ہیں ان کے نتیجے، عام طور پر ان کے تجربے میں آچکے ہیں۔ چونکہ ان کی تلخیوں سے وہ وابستہ رہ چکے ہوتے ہیں، ان کی یادداشت کا حصہ ہوتی ہیں۔ رفتار و گفتار میں ٹھہراؤ پیدا ہو چکا ہوتا ہے، بات کرنے سے پہلے نظر ثانی عادت میں شامل ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ہر چال و فیصلے نپے تلے ہوتے ہیں اور آراء سطحی افکار سے بالاتر ہوتی ہے۔

اس بناء پر کہ ان کی نگاہ، فتنہ گر شیطنت کے مضر اثرات سے آشناء ہوتی ہے، جھوٹ و فساد،

سازش کاری و دغابازی، بے جا طور پر منافع خوری، ہوسِ دولت، نااہلی و بالا مقامی اور ناروا خواہشات و دنیاداری سے مبرّا ہوکر درد آشنا بن کر، عاقبت اندیش ہوجاتی ہے۔ان کا ہر عمل اور فیصلہ دین کے ترازو پر تولا ہوا ہوتا ہے۔ان کو گھریلو مسائل سے آگاہ رکھ کر حق سے آراستہ زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔

زمانہ حال کی مصنوعی فراوانی کے مقابلے میں، ان بزرگوں کی کھانے پینے پہننے اور بود و باش میں میانہ روی نوخیز ذہنوں کو مضحکہ خیز نظر آتی ہیں۔دراصل ان کی یہ دوررس طرز زندگی یہ بتانے کیلئے ہے کہ ناداروں کی دنیا میں تعداد کہیں زیادہ ہے۔ہمیں اپنے پر قابو پا کر ان کی ناداری کو دور کرنا لباسِ فاخرہ پہننے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔مفاخرت کم ظرفی کی ایک بڑی علامت بھی ہے۔ہمدردی کا یہ تحفہ بزرگوں کے ذریعہ بچوں میں منتقل ہونا آسان ہوجائے گا اگر بچّے بزرگوں سے دور نہ رکھے جائیں۔ائمہ اطہار فقر زدہ لوگوں کی احساس کمتری و مالی حالت کو بہتر بنانے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔جب تک غریب لوگوں کو بہتر غذا میسّر ہونا شروع نہ ہوجاتی، ساتھ مل کر روکھی روٹی کھاتے۔

بزرگوں کے مشورے، عدل و انصاف کے منافی: غصّہ، تکبّر، خود خواہی و افتخار، بے جا دکھاوے، طنز و تمسخر، چمک دمک، کھیل تماشہ، ناچ گانا، دھوم دھڑکے، فراوانی مال واسباب کے مصائب سے پاک؛ علم دوستی، رحمدلی، فداکاری و ہمدردی، امداد و رواداری اعتدال کی روشن راہ کی طرف ہدایت کرنے والے ہوتے ہیں۔بے راہ روی ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پاتی ہے۔ان کے مشورے، زندگی کو سکون عطا کر کے معاشرے کو ہیجانی کیفیت سے بچا کر ترقّی کی راہوں پر گامزن رکھنے میں معاون ہو سکتے ہیں۔ان کا دنیاداری چھوڑ کے دین کا ہوکر رہ جانا، سبق آموز ہوتا ہے، کہ جب ہمیں خالی ہاتھ ہی اس دارِ فانی نے گذر جانا ہے تو یہ لوٹ گھسوٹ کیسی۔اللہ کی دی ہوئی اپنی کمائی سے جو کچھ ہاتھ آئے، بٹور کر رکھنے کے بجائے، ضرورتمندوں کے حوالے کردو، مالک حقیقی تمھارا بھلا کرے گا ضرورت ہے کہ خاندانوں کو ان سے دور نہ رکھا جائے، بلکہ ان کے وجود کو غنیمت جان کر ان سے استفادہ کیا جائے۔ان کی میانہ روی و مدھم چال صرف نقاہت کی وجہ سے نہیں ہوتی۔تیز رو منھ کے بل ڈھے پڑتا ہے۔دھیمی، مستقل مزاج، نپی تلی فکر کے ساتھ عمیق غوّاصی کرنے والا، انسانیت کو جھلکتے ہوئے موتیوں

سے نواز کر اس کے درد کا درماں بن جاتا ہے۔ بیشتر بے راہ روی، ان کے وجود سے کنارہ کشی کی بناء پر ہے۔

بچوں کو ان سے متصل رکھ کر خدمت گذاری کا درس دلایا جائے اور معاشرے کو ان ہی بچوں کے ذریعہ جب وہ معاشرے میں داخل ہو جائیں انسانیت ساز بنایا جائے۔ اس طرح خدمت گذاری کا ماحول ابھر کر دکھی دنیا کو خود کفیل بنا دے گا۔ اس مقالے کو یہاں شامل کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پس ماندہ اقوام کو جہاں بھی کہیں پیش رفتگی کے آثار نظر آتے ہیں انہیں بے پرکھے اندھوں کی طرح ان کی تقلید میں لگ پڑتی ہیں۔ مغرب نے شیطان پرستی قبول کر کے بزرگوں کو خاندانوں سے جدا کر دیا ہے۔ پیسے کے ریل پیل کے مدنظر، جذبۂ فداکاری کو رد کر کے خون میں لت پت غاصب معاشرہ قائم کر دیا ہے۔ اب ہمیں اپنی اولاد کی بے راہ روی کا سامنا ہے۔

بزرگانِ خاندان کے لئے بھی ضروری ہے کہ فاقد از بلوغیت، جوانی کی اپنی ناگفتہ بہ مفاخرت کو خیر باد کہہ کر راہِ حق پر تیزی سے آجائیں۔ دینی کتب سے استفادہ کر کے علم اور تقویٰ کے مدارج طے کریں، اس کو روز افزوں ترقّی دیتے جائیں، حاصل شدہ معلومات سے اسلام کی معقولیت کو اپنے خاندن اور ملّت کے بچوں کو سمجھا کر دین کی طرف راغب رکھیں، تاکہ خباثت سے پاک؛ صاف ستھرا ،انسان دوست معاشرہ، وجود میں آکر قائم و دائم رہے، اور انسانیت جو سسک رہی ہے، ترقّی کے منازل طے کر کے، خود اپنی درمانی کر سکے۔ کسی کے دست نگر نہ رہے۔

اچھے اطوار پر غور و فکر، اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنی شخصی کمزوریوں اور کوتاہیوں پر نظر ڈالے، تو وہ انہیں اہانت ربے عزتی اور باعث بیزاری قرار دے گا۔ کسی معاملے میں غور و فکر، اس کے وجود میں آنے کی تیّاری ہے۔ علی علیہ السلام

فتنۂ بے راہ روی سے بچاؤ کی تدابیر۔

یہ ایک اہم فرض ہے، جسے اپنے نورِ نظر و لختِ جگر کو بے راہ ہونے سے بچانے کے لئے کرنا ہو گا۔ اس کی صحت و سلامتی مقدم ہے۔ ہماری چاہت کا فطری تقاضہ بھی ہے۔ ظاہر ہے ہم اسے

بے راہ روی کے دلدل میں پھنسا دیکھنا نہیں چاہتے۔ گھر سے باہر کا ماحول کثافت میں اس قدر لت پت ہے، کہ اگر اسے اس میں آزاد چھوڑ دیا گیا اور اس سے بچاؤ کی کوشش نہ کی گئی، تو نادانی کی بناء پر وہ اس دلدل میں پھنس کر رہ جائے گا اور ہماری اولاد ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد ہوتی ہوئی نظر آئے گی، ہم کہیں کے بھی نہیں رہیں گے۔

سب سے بڑی مجبوری جو راہ میں حائل ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے بچّے کو باہر کے ماحول کا سامنا ہر حالت میں کرنا ہی ہوگا اس لئے کہ تعلیم کے لئے اس کول کالج اور بازار وغیرہ جائے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔ سارے فساد کی آماجگاہ انہیں مقامات پر ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ اسے گھر میں بند کر کے رکھا نہیں جا سکتا۔ اگر گھر کی چار دیواری میں اسے مقیّد کر بھی دیا جائے تو گھر کا ماحول ہی کون سی بے راہ روی سے مبرّہ ہے۔

باہر کے ماحول پر ہماری دسترس نہیں۔ گھر کے ماحول پر کسی حد تک، کسی نہ کسی صورت میں قابو ضرور پا سکتے ہیں، حالانکہ اس میں بھی دشواری کا سامنا ہوگا، اس لئے کہ گھر والوں پر بھی باہر کے ماحول کا کم و کاست اثر پڑ چکا ہوتا ہے، اور وہ اس کے حزر رساں اثرات میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر بھی جب ہم اٹھتے بیٹھتے محترم و دلنشیں انداز میں انہیں حقیقتِ زندگی سے آگاہ کریں گے، اچھے اخلاق کی معقولیت بیان کریں گے ان کو ہم نوا ضرور پائیں گے۔ اس طرح گھر کے ماحول کو ایسے طرز پر ڈھالا جا سکتا ہے جو بے راہ روی چھوڑ کر پاک بازی اختیار کر لے۔ اور ہم اپنی اولاد کو راست باز بنانے میں ان ہی سے معاونت حاصل کر سکیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ، اندازہ لگا لیا جائے کہ وہ ہماری بات سننے کے موڈ میں ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کسی کھیل کود میں مشغول ہیں تو وہ وقت موزوں نہیں۔ زبردستی درست نہیں، نہ ہی غصّے کی ہیجانی حالت میں، اس کام کو انجام دیا جائے

اس معاملے میں کون سی خرابیاں دخل انداز ہیں جن سے ہمیں خود اور اپنے بچوں کو بچانا ہے؟ اس کتاب میں ابھی تک جو تذکرے آئے ہیں۔ کسی نہ کسی صورت سے انہیں مضامین کی عکاسی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ پھر بھی چند نکات بطور خلاصہ پیشِ خدمت ہیں۔

گھر کے ماحول کی معاونت برائے ردِّ بے راہ روی

جیسا کہ ہم اندازہ لگا چکے ہیں کہ باہر کے جمِ غفیر ماحول پر ہمیں اتنا اختیار نہیں کہ ہم اسے آسانی سے درست کر سکیں جب کہ گھر کے چند افراد پر مشتمل محدود ماحول کو جانی پہچانی اچھائیوں کی طرف راغب کر لینا قدرے آسان ہوگا، بشرطے کہ گھر کے سر براہ پر افرادِ خانہ کو اعتماد ہو، کہ وہ انہیں راہ راست پر ڈال دے گا؛ یعنی اس کی ہدایات ان کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔ اگر اس میں مفاخرت، خود خواہی وخود غرضی، مقام پرستی، بے صبری، غصہ، تمکنت، ڈانٹ ڈپٹ، نکتہ چینی، فحش باتیں کرنا، غیبت، مذاق اڑانا، تنقید کا نشانہ بنانا، بے انصافی، کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کر دکھانے، جیسے عادات کے مالک اوصاف موجود ہیں تو وہ مجوزہ امر کے لئے کسی صورت سے بھی مناسب نہیں۔ اسے اس کام کے لئے کسی اور کی مدد لینا ہوگی یا اپنے عادات میں تبدیلی لانا ہوگی کہ پر سکون ماحول میں اس کی بات سنی جا سکے۔ چونکہ یہ امر واجبات میں سے ایک ہے، اسے پسِ پشت ڈالا نہیں جا سکتا۔ اگر ہمیں اپنے بچّے کو برائیوں سے پاک دیکھنا مقصود ہے تو اس کے لئے ہر جتن کرنا ہوگی، ورنہ یہ حتمی بات ہے کہ وہ بے راہ ہو جائے گا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ باہر کا کثیف ماحول ہمارے بچّے پر اثر انداز نہ ہو تو گھر ہی سے بسم اللہ کرنا ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ کو آتشِ نمرود میں پھینکا گیا تھا ہمیں خود اس میں چھلانگ لگا کر گل وگلزار بنانا ہوگا۔

نصیحت کرنے میں ہماری غفلت

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

اور جب ان کی ایک جماعت نے مصلحین سے کہا کہ تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا اس پر شدید عذاب کرنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار کی بارگاہ میں عذر چاہتے ہیں اور شائد یہ لوگ متقی بن ہی جائیں۔ (اعراف ۷: ۱۶۴)

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

اس کے بعد جب انہوں نے یاددہانی کو فراموش کر دیا تو ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچا لیا اور یہ امت گذر چکی ہے اس کا حصہ وہ ہے جو اس نے کیا ہے اور تمھارا حصہ وہ ہے جو تم کرو گے۔ (بقرہ ۲/۱۴۱)

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے فوراً نشر کر دیتے ہیں، حالانکہ رسول و صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے حال کا علم پیدا کر لیتے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ سب شیطان کی اتباع کر لیتے۔ (نساء ۴/ ۸۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:۔ فکر و اندیشہ، اچھائیوں کو نمایاں کرنے، برائیوں پر پردہ ڈالنے، دل کو روشنی بخشنے اور سمجھ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ تفکّر کے ذریعہ، انسان اپنے اعمال کی اچھائی و برائی سے آگاہ رہتا ہے، اس کے علم و دانش میں افزائش پیدا ہوتی ہے۔ کوئی بھی عبادت تفکّر سے بڑھ کر نہیں۔ آپ نے مزید فرمایا:۔

وہ شخص جو اس زمانے سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہے جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے، وہ کبھی بھی (اس کے اطراف) پریشان کن یا گمراہ کر دینے والی باتوں سے مغلوب نہ ہوگا۔

دور حاضر کے غیر دینی: معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اثرات نے اخلاق انسانی پر جو غیر مہذب تغیرات مرتّب کئے ہیں، انہوں نے نو جوانوں کے غیر پختہ ذہنوں کو دینی اقدار سے دور کر دیا ہے۔ چونکہ صحیح راہ ان کے سامنے روشن نہیں ہے، انہیں مشکلات کا سامنا ہے۔ سب سے زیادہ گھروں کے غیر متّقی ماحول اس کے ذمہ دار ہیں۔ ساتھ ہی یہ امر بھی لازمی طور پر ذہن میں رہنا چاہئے کہ ہر نسل، آنے والی نسل کی ہدایت کی ذمہ دار ہے (استاد مطہری) خصوصاً وہ لوگ جو علم دین سے مزیّن

ہیں، اور فکر کے ذریعہ بہبودئ انسانیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ خوشنودئ خدا کے حقدار بن سکیں، ان کا مقصد ہوتا ہے۔ ان کی فکر ترقّی کی طرف مائل بہ پرواز ہوتی ہے۔ وہ لوگ گذشتہ زمانے کے بے سر پیر کے فاقد از دلائل و مقاصد رسموں میں ڈوبے ہوئے فرسودہ افکار کو، جنہیں پچھلے زمانے کے لوگوں نے اپنے لئے رہ نما بنا رکھا تھا، اور پسماندگی کے شکار تھے۔ وہ انہیں موجودہ ترقّی یافتہ دور کے بالمقابل منصوبہ بندیوں کی بنیاد نہیں بناتے، کہ ان میں ترقّی کرنے کی استعداد موجود نہیں۔

اگر انسان کی نگاہ، اس بات کی چھان بین کرتی رہے کہ زمانہ جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے، کن اچھائیوں و برائیوں کا حامل ہے، اسے انسانیت کی خیر خواہی مقصود ہو، تو وہ گہری فکر، جانچ پڑتال کے ذریعہ برائیوں سے اسے دور رکھنے کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔

مفکّر کا تذکرہ اس لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں منبر، جو ہدایت انسانی کے لئے بنایا گیا ہے ہدایت سے دست بردار ہے۔ وہ اصولہائے اسلامی سے متعلّق معاشرت، اقتصاد اور سیاست اور اس سے جو اخلاق وابستہ ہے عوام تک پہنچانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے اطوار بتانے میں ناکام رہا ہے۔ اس ناکامی کے بعد صرف چارہ یہ رہ جاتا ہے کہ بافکر متدیّن حضرات سے رجوع کیا جائے۔

جن لوگوں کو خداوند کریم تفکّر کی دولت سے مالا مال کرتا ہے، ان سے توقّع رکھتا ہے کہ وہ اس خداداد عطا سے مخلوقِ خدا کی بحالی اور بہتری کے لئے کام کریں گے۔ اس کے برخلاف، حالآنکہ مفکّرین کی زمانے میں کبھی کمی نہیں رہی، فکر کے ذریعہ اصلاح کی طرف عملی طور پر قدم اٹھانے کی مثال نہیں ملتی۔ انہیں علماء کی معاونت حاصل کر کے، منبر پر بیٹھنے والے مقرّرین سے اس کارِ احسن کی تبلیغ کا کام لینا چاہیے، تاکہ عوام کے اخلاق کو درست راہوں پر استوار کر کے، ایک پاک معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔ مقرّرین کو، زمانہ حال سے چند قدم آگے بڑھ کے ترقّی کی راہ دکھانے کی صلاحیت پیدا کرنا لازمی قرار دیا جائے۔ یہ کام متّقی لوگوں کے لئے مشکل نہیں، اس لئے کہ موجودہ ترقی یافتہ قومیں متّقی نہ ہونے کی وجہ سے خرافات میں مبتلا ہیں، ان کا زیادہ وقت ان میں صرف ہو جاتا ہے۔ وقت کی کمی ان کی رفتارِ ترقّی کو مدھم کر دیتی ہے۔ جبکہ ایک متّقی کو لہو ولعاب سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ وہ اس سے بچا ہوا

فراواں وقت، فکر واختراع میں صرف کر کے پیش رفت میں بیش تر اضافہ کر سکتا ہے۔

ایک عرصہ دراز سے یہ امر، اعتناء واحتیاط کی بناء پر التوا میں پڑا رہا ہے۔ تفکّر میں بڑی قوت ہے کہ کہنہ وٹوٹے پھوٹے افکار کو بھی تازگی وتازہ زندگی عطا کر دے۔ فقط غفلت کی نیند کو خیر باد کہہ دینے کی ضرورت ہے۔

پند ونصائح کی ہم اکثر وبیشتر باتیں کرتے رہتے ہیں، مگر ان پر عمل پیرا نہیں ہو پاتے۔ یہ مسئلہ توجہ طلب ہے۔ تجزیہ کی ضرورت ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ کیوں نصیحت کی باتیں اپنا اثر دکھا نہیں پاتیں۔ پچھلے صفحات میں ہم غور وفکر پر باتیں کرتے چلے آئے ہیں۔ اس کا بھی تعلق انہیں باتوں سے ہے۔ کسی مسئلے پر اگر اچھی طرح غور کر لیا جائے تو اس سے متعلّق، کامیابی یا ناکامی، کے وجوہات سامنے آجاتے ہیں۔ عام طور پر ہم بھولے ہوئے ہوتے ہیں کہ پند ونصائح کا تعلّق نفسیاتِ انسانی سے ہے۔ جب کہ نفسیات کی بنیاد انسان کے جذبات سے منتھی ہیں۔ یعنی جتنے زیادہ ابھرے ہوئے جذبات سے ہم غور وفکر کریں گے اسی قدر تیزی اور قوت سے ہمارا دماغ اس مقصد کی حصول یابی کی طرف ہمیں مائل کر کے اس سے متعلّق کام پر لگا دے گا۔ یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں اللہ نے جذبات بھری عزاداری جیسی نعمت عطا کر دی ہے۔ اگر اس سے فائدہ اٹھا لیتے تو موجودہ کسمپرسی کی حالت میں نہ ہوتے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس لاجواب حربے کو ذاکرین نے کند بنا دیا۔ اس کی قوت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور عوام کو اس میں مضمر دانائی کو نمایاں کرنے میں ناکام رہے، کہ معاشرہ اس سے استفادہ کر کے اپنی گردن اونچی کر لیتا۔ بھوک ننگ جاتی رہتی، ظلم کا ناطقہ بند ہو جاتا۔ اس غفلت پر حتی الامکان نظر ڈالنے کی سعی ضروری ہے۔ چند نکات پیش خدمت ہیں:۔

عزاداری میں غفلت

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گذرتے ہیں اور ان سے کنارہ کش ہیں۔ (یونس ۱۰:۱۰۵)

اور یاد رکھئے، جو ایمان لانے والے نہیں ہیں، ان کے حق میں نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام آنے والے نہیں۔ ۱۰:۱

جذبۂ راحت طلبی و آساں گیری عملِ اختیاری ہے، انسان کے اصل فطری تقاضوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اللہ کی دیگر مخلوقات پر اگر غور سے نگاہ ڈالی جائے، تو صاف پتہ چلتا ہے کہ جو کام جس کے ذمّہ لگا دیا گیا ہے وہ اس سے غفلت نہیں برتتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نظامِ جہان کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو محدود اختیارات دے کر ہدایت کا بھی بندوبست کر دیا، تا کہ جو ذمّہ داری اس کو دی گئی تھی، بھٹکے بغیر، اس سے استفادہ کر کے خود اور دوسروں کو سالم حالت میں رکھے۔ ان ہدایات سے اس کی یہ گریز تھی کہ فرعون خدائی دعویٰ کر بیٹھا۔ دورِ جہالت کے ظلم واستمداد پر ماحول میں پلا بسا، پشتہا پشت سے یزید کا صنم آشنا خاندان، چونکہ جہل میں پڑے ظلم واستبداد سے مانوس تھا، اسلام کے انسان دوست، آسان و سادہ قوانین اس کی فہم وادراک سے باہر تھے۔ ان کی ہوسِ حکومت، دولت وعیش پرستی کی راہ میں رخنہ انداز تھے۔ وہ اس کی بیخ کنی ہی میں اپنی فلاح پاتا رہا۔ بدّوی ماحول میں پرورش شدہ یزید کے مزاج میں بھی فرعونیت سمائی ہوئی تھی، بادلِ ناخواستہ اپنے اوپر مسلمانوں کا مصنوعی خول چڑھا کر اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا ٹھان لی تھی۔ بے دریغ، بے گناہ لوگوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔

امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ اسلام کی متغیّر حالت دیکھ رہے تھے، مگر صلح نامہ امام حسنؑ، کوئی قدم اٹھانے سے انہیں روکے ہوئے تھا۔ معاویہ کے مرتے ہی صلح نامہ موثّر نہ رہا۔ ان کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ امامِ وقت ہونے کی حیثیت سے اس کے پیروں پر دوبارہ کھڑا کرنے کی سعی کریں۔ یزید نے امام سے بیعت کی خواہش ظاہر کی، جسے امام نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم جیسا اس جیسے کی بیعت کیسے کر لے۔ بلا تاخیر، امام نے بمعہ افرادِ خاندان ایک چھوٹا سا قافلہ تشکیل دے کر، بقصد اشاعت دین، مکّہ کے سمت راہیٔ سفر ہوئے۔ راہ میں پڑی بستی والوں کو فقط امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تفسیر (جس

میں درسِ اخلاقِ اسلامی مضمر ہے) نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا کر، اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلاتے رہے، تاکہ وہ اپنی اصلاح کرتے رہیں اور اسلام کی رگوں میں دوبارہ خون رواں ہو جائے۔ حج کی آمد تک امام مکّہ میں مقیم رہے۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ یزید نے دورانِ حج انہیں قتل کروانے کا انتظام کر رکھا ہے، خیال کیا اگر یزید اپنی تدبیر میں کامیاب رہا تو ان کا مشن نامکمل رہ جائے گا عمرہ پر اکتفا کیا اور عراق کی طرف رخِ مسافرت موڑ دیا۔ راہ میں درسِ اخلاقِ اسلامی جاری رکھا۔

یزید کا امام حسینؑ کے قتل کا منصوبہ، جس کی امام نے پیش بینی کر لی تھی، مجسّم بن کر سامنے آیا حکومت کے جوش میں آ کر یزید کی چالیس ہزار اسلحہ سے لیس فوج نے امام کے بہتّر نفوس کے چھوٹے سے قافلے پر، فرات کے کنارے بمقام کربلا یلغار کر کے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ امام کی مزاحمت سے پاک صلح جوئی کی یقین دہانی کے باوجود قافلہ سالار عمر سعد، بیعتِ یزید کرنے یا جنگ پر مصر رہا۔ فاسق و فاجر یزید کی بیعت کرنا؛ ان کے منصب کی شان کے خلاف تھا، جو فسق و فجور کو اسلامی اقدار کا جزو بنانے کے مترادف تھا۔ ظاہر ہے، امام، اسلام پر کسی قسم کی آنچ آنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ یزید کی طرف سے سارے در مسدود پا کر، انہوں نے عزت کی موت کو ترجیح دی۔ جنگ سے تین دن قبل اشقیا نے خاندانِ رسول پر پانی بند کر دیا۔ حال آنکہ یزیدی فوج کے لئے ہر قسم کی آسائش موجود تھی، اس کی روحی کیفیت اس قدر گری ہوئی تھی کہ قافلۂ حسینی کے جانباز مجاہدین، جذبۂ شہادت سے سرشار، ایک ہی ہلّے میں اسلام سے باغی فوج کے پرے کے پرے صاف کر دیتے۔ ایک کمسن بچّہ بھی جب شہادت پیش کرنے آتا، فوج پسپا ہو جاتی۔ انہیں اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتی۔ ان پر خوف اس قدر طاری تھا کہ چھ مہینے کے ایک بچّے کے خشک گلے کو بھی دور ہی سے سہ شاخہ تیر چلا کر شہید کیا۔ امام حسینؑ جب تنہا رہ گئے اور شہادت پیش کرنے کے لئے میدان میں وارد ہوئے؛ کوئی بھی اپنے کو اس قابل نہ پاتا کہ ان کے قریب آ کر جنگ کرے۔ تیروں سے جب سارا بدن چھلنی ہو گیا۔ نڈھال امام نے تلوار نیام میں ڈال دی اور گھوڑے سے اتر آئے۔

تنہا رہ جانے کے بعد امام نے جامِ شہادت نوش فرمانے سے قبل صدائے استغاثہ (فریاد)

بلند کی، جس کا اصل مطلب و مقصد تھا: ہے کوئی جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کے لئے اسلام کی مدد کرے؟ یہی وہ کلمہ تھا، امام دورانِ مسافرت، لوگوں کو جس کی ترغیب دلاتے رہے۔ اس کلمے میں اس قدر وسعت و گہرائی ہے کہ جس کے حدود کو چھو لینے کی بھی کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ مگر جب کوئی اس کی طرف خلوص کے ساتھ بڑھتا ہے، وہ اپنے خزانوں کا منہ اس کی طرف کر دیتا ہے۔ امام اپنے اس پیغام کے ذریعہ یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ اے مسلمانوں؛ بھول نہ جاؤ کہ تم سب کا رخ عقبیٰ کی طرف ہے جو تم سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے؛ ضرورت ہے، کہ جلد تر طاغوتی طرز زندگی کو، جو کھلی بے راہ روی ہے، خیر باد کہہ کر تقویٰ اختیار کرو اور، بالغ نظری یا روشن خیالی کی طرف پلٹ آؤ۔ اسلام کا دامن تھام لو۔ یہی وہ راہ ہے جو تمہیں ہر دو جہان میں اللہ کے حضور سرخ رو رکھے گی۔

نا عاقبت اندیش یزیدی فوج نے بعد از شہادتِ امامؑ رسول زادیوں اور ان کی ساتھی عورتوں کے سر سے چادریں اتار لیں، ان کے ساتھ کمسن بچوں کو اسیر کر کے در بدر پھراتے ہوئے، شام کے زندان میں قید کر دیا، اور اذیتیں پہنچاتے رہے۔ عورتوں بچّوں کے اس بے حال قافلے نے، دورانِ در بدری، قیامِ حسینی کی نشر و اشاعت کے آلہ کار بن کر بقاء اسلام کی سربلندی کا کام انجام دیا۔ جہاں سے بھی یہ لٹا ہوا قافلہ گذر جاتا، لوگوں کی رگوں میں خون اسلام جوش مارنے لگ جاتا۔ مخدراتِ عصمت نے امام کے زندگی بخش پیغام کو قریہ قریہ اور گھر گھر پہنچا دیا۔ یہ بیبیاں اگر ساتھ نہ ہوتیں تو یہ خون جو ناحق بہایا گیا تھا، یعنی شہادتیں جو پیش ہوئیں، کشتِ اسلام کو دوبارہ سرسبز نہ کر پاتیں۔ امام کی اس حکمت عملی نے ان کے ذریعہ اسلام کو دوبارہ جان بخشی اور زندہ جاوید بنا دیا۔ جوش ملیح آبادی کا مندرجہ ذیل شعر، اس معجز نما و انوکھی شہادت میں جو کشش اور قوتِ انسان سازی موجود ہے، نہایت سادگی اور خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

کسی شعر کی تشریح خواہ شاعر خود ہی کوشش کیوں نہ کرے شعر کا حق ادا ہونا آسان نہیں۔ جس زاویہ سے اس پر نظر ڈالی جائے معنیٰ کے نئے ابواب کھلتے نظر آتے ہیں۔ جوش نے لفظ انسان سے ابتدا

کر کے شعر میں انوکھاپن پیدا کر دیا، اور اس کی تدریجاً بیداری جو اس قدر معنیٰ خیز ہے کہ اس کی وسعتوں کو فقط اس کا خالق ہی جانتا ہے، اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہے کہ فقط انسان میں وہ جاذبہ موجود ہے کہ دنیا جس رفتار سے علم و آگاہی میں ترقّی کرتی جائے گی، ساتھ ہی وہ بھی اس کی منزلیں طے کرتا جائے گا۔ ایک وقت آن پہنچے گا کہ اس میں اچھائی اور برائی میں تمیز کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں یہ مرحلہ خود کار نہیں ہے، اس لئے کہ دانشگاہی علوم میں اچھائی کے ساتھ برائی کی بھی آمیزش موجود ہے، جو معلّم کی نگاہوں سے بھی اوجھل رہتی ہیں۔ ایسا علم حقیقی بیداری پیدا نہیں کر پاتا۔ چونکہ اللہ عادل ہے، اس نے صحیح علم و آگاہی کا بندوبست عین ابتدا انسانیت سے ہی شروع کر دیا تھا۔ قرآن انسان کو ہدایت کرنے والی اللہ کی دی ہوئی کتاب ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا واجب قرار دیا گیا ہے۔ ان کے بعد رسول کے بارہ وصی اور ان کی بیٹی فاطمہؑ کی ہدایت پر عمل ان ہی احکام کا حامل ہے۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو ان پاک ہدایت دہندگان کے راستے پر چل کر (تقوٰی کے مدارج طے کرتے ہوئے) عبودیت کا اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ یعنی بار جہان کو حمل کرنے والا، ان ہدایات سے آراستہ انسان کے علاوہ کوئی اور نہیں!

مختصراً، جوشؔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ علمائے جہان، اگر علم بردارِ حقّانیت، شہادتِ عظمیٰ کے مقاصد، جو ترقّی پزیر اقدارِ اسلامی پر محیط ہیں، تشریح کر کے بتاتے رہیں گے کہ کس طرح انسان کو تکامل سے ہمکنار کر سکتے ہیں، انسانیت میں آفاقیت پیدا ہو جائے گی۔ ایک ایسا وقت آن پہنچے گا کہ انسان علم و آگاہی کے اعلیٰ ترین مقام پر جا پہنچے، اس کی آنکھیں پوری طرح روشن ہو جائیں، اچھائی و برائی کی سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر جوش جس امر کو خصوصی طور پر واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اقوامِ عالم کا مدعا ایک ہوگا، سب کا مرکز بھی ایک بن جائے گا۔ انسانیت کو فرقہ بندی سے نجات مل جائے گی۔ اپنائیت کا منظر، عام ہوگا۔ ہر انسان نمونہ اخلاق نظر آئے گا، ایک دوسرے کا معاون و مددگار ہوگا، آسودگی کے ساتھ مائل بہ ترقّی و کمال ہوگا۔ یہی تقاضائے ربانیت پروردگارِ عالم بھی ہے۔ امامؑ کی لاثانی شہادت انہیں محافظ و مخزنِ توحید و عدل بنا دے گی، جو اصل اساسِ

اسلام ہے۔

مزید یہ کہ اقوام میں بٹی ہوئی انسانیت، فرقہ واریت اور امتیازات کی مہلک بیماری سے دست بردار ہو جائی گی۔ ڈنواں ڈول سفینہ انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے والی، انتہائے عظمت کی مالک، لاثانی شہادت کے حامل حسین ہمارے ہیں کی صدا ہر سو بلند ہوگی کہ جس نے سوئی ہوئی بے حال انسانیت کو اخلاق کا مرقّع بن کر فنِ قربانی و جہاد کا درس دے کر بیدار کر دیا، تاکہ وہ کشتِ انسانیت ساز اسلام کو سرسبز وشاداب رکھے، اس کی کھیتی کو دوبارہ کوئی ویران نہ کر پائے، وہی اسلام اب جن مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہے، خانوادۂ رسولؐ کے سوگ میں، اس طرح عزاداری برپا کرتے ہیں، کہ ان کی فکر ودلائل سے عاری غیر منطقی مراسمِ عزا پر آنسو بہایا جائے۔ یک از قولِ امام علیؑ کی تاباں صداقت، محتاج بیان نہیں رہے گی: ''حق کو پہچان لو، حق والوں کو خود بخود پہچان لوگے''۔

عزاداری کیوں؟

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے۔ (قمر ۵۴:۴۹)

اس نظریۂ مظہرِ قدرت میں کوئی شک نہیں رہا ہے کہ اللہ نے سرچشمۂ قوّت وتوانائی، انسانی دماغ کو منفرد وحیرت انگیز وسیلۂ پیغام رسانی: اعصابی نظام کا مرکز اور کنٹرولر بنا کر پورے جسم کو اس کے تابع کر دیا ہے۔ رہا یہ کہ دماغ سے کس طرح کام لیا جائے؟ تو اسے انسانی جذبات کے اختیار میں دے دیا۔ جب جذبات کو برسرِ کار لانے کی باری آئی تو اس کو انسانی خواہشات کے ماتحت قرار دے دیا۔ اس طرح خواہشات کو اس کے جذبات سے ملحق کر کے انسان کو حرکت میں لانے کے دور کو مکمل کر دیا۔ اس دور کے پانچوں شرکا اپنی اپنی جگہ پر بے پایاں قوت کے مالک ہیں۔ یہ انسانی خواہشات سے پیدا شدہ جذبات کی کارنمائیاں ہیں کہ انسان اپنے مقاصد کے حصول کے لئے رواں دواں نظر آتا ہے۔ اس کی کامیابیاں اسی جذبے کی مرہون منت ہیں۔ اس مقام پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انسان کی یاد داشت میں جو علمی وتجرباتی ذخیرہ موجود ہوتا ہے انسانی جذبات اسی دائرے میں رہ کر دماغ پر اثر انداز

ہو سکتے ہیں ان حقائق کے مدِّ نظر یہ فکر ہاتھ آتی ہے کہ، کوئی شخص، جتنے زیادہ ابھرے جذبات کے ساتھ کسی مقصد کے حصول کی طرف بڑھتا ہے، اسی سطح کی بلند کامیابی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔اس کا علم اور تجربہ اس کے حدود کا تعین کرتے ہیں۔

ہمارا موضوع اخلاق سے متعلق ہے، جو عین مطابق بہ اسلام ہے۔رسول اکرمؐ کو اللہ نے اخلاق کو اس کے عروج (ارتقی) پر پہچانے کے لئے مبعوث کیا تھا۔رسولؐ نے اخلاق کے بالاترین منزل پر پہنچا کر سارے جہان کو منوّر کر دکھایا۔جب آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے اس اخلاق کے اقدار کو پیروں تلے روند دیا گیا اور اسلام کی کشتی ڈنواں ڈول ہونے لگی، نظام جہان کے درہم برہم ہو جانے کا خدشہ پیدا ہوا تو نا قابل برداشت مظالم اور مصیبتوں کا حامل، قیام حسینی، پرشوق شہادتوں کا لاثانی ذبح عظیم، لازمۂ وقت بنا۔اس قیام میں مظلوموں پر کیا گذری ہوگی اسے تو وہی جانتے ہیں۔مگر اس سر گذشت کو سن کر ہی انسان کا دل دہل جاتا ہے، جذبات اس قدر زیادہ ابھر جاتے ہیں کہ اگر آنسو بن کر بہہ نہ جائیں تو شاید دماغ گریہ میں مبتلا رہ کر اپنی توانائیاں کھو بیٹھے۔مندرجہ ذیل قرآن کی دو آئتیں، ابھرے ہوئے جذبات کی توانائی کی وضاحت کر رہی ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢

یقیناً صاحبِ ایمان کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں۔(مومنون ۲۳:۱تا۲)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٦٢

بھلا کون ہے کہ جب مضطر پکارے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔(نمل ۲۷:۶۲)

ان دو آیات میں، گڑگڑا کر رونے کے ساتھ اللہ سے التجا ہو یا حالتِ اضطراب، ہر دو ابھرے ہوئے جذبات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

بمطابق پہلی آیۃ، انسان کو دنیا کی مسافرت، مومنین جیسی کامیابی یا راستگاری کے ساتھ طے

کرتے ہوئے، اپنے مالک سے جا ملنے کی خواہش پوری کرنے کیلئے، اپنی نمازوں میں گڑگڑا کر، خشوع و خضوع، یا ابھرے ہوئے جذبات کے ساتھ اللہ سے ہم کلام ہونا ہوگا۔ جب تک یہ کیفیت طاری نہ ہوگی، نماز میں قربتِ الٰہی حاصل ہونا محال ہے۔ یعنی نماز کے کلمات کو ابھرے جذبات کے ساتھ ادا کرنا ہوگا تا کہ دماغ اپنی تمام تر توانائیوں کو بر سرِ کار لا کر اسے ہمہ وقت تقویٰ کی طرف مبذول رکھے ۔جذبات کیسے ابھریں؟ محبوب سے ملنے کے لئے اس کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے، بغیر اس کی خوشنودی و رضا کے ممکن نہیں۔ رضا الٰہی کی شرط مومنیت ہے، جس پر تادمِ آخر قائم رہنا ہے۔

راہِ مسافرت پُر خطر ہے، زمانے کی چمک دمک، دل فریبیاں، اس کی رنگینیاں، لہو لعب، دعوتِ ہم نشینی دے رہی ہیں۔ ان میں اس قدر کشش ہے کہ زاہد بھٹک کر بادہ کش بن جائے اور زہد سے ہاتھ دھو بیٹھے، مومنیت تو دور کی بات ہے۔ یہی مقامِ آزمائش ہے۔ ان کی دلربائیوں سے بچ کر راہِ راست پر قائم رہنے کی طاقت اللہ کے دیئے ہوئے عادل نظام ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اعمال میں کوتاہیوں کا خوف: کہ اعمال اگر درست نہ ہوئے تو اللہ کی رضا حاصل نہ ہو سکے گی، یوم الدین پر حشر کیا ہوگا؟ یہ تصور ہی دل کو رقیق کر کے خشوع و خضوع پیدا کر دیتا ہے۔ اور مومن کو دھن لگی رہتی ہے کہ اس کے اعمال رضائے الٰہی سے ہمکنار رہیں۔ ہر معاملے میں خود فراموشی، حق جوئی، منکسر المزاجی، ادب و احترام، عدل و انصاف وغیرہ کا لحاظ رہے اور اخلاق اس قدر دل آویز ہو جائے کہ برجستہ سبحان اللہ زبان پر جاری ہو جائے۔ یا یوں کہیے کہ، جب فرد، بیم و رجا کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، اس کے ابھرے ہوئے جذبات، (نظام اعصاب) متحرّک ہو کر تمام تر ذہنی رجحانات کو مومنیت کے سمت مبذول کر دیتے ہیں۔

بمطابقِ سورۃ حمد؛ کامیاب زندگانیٔ دنیا کے لئے اللہ کے احکام کو بجا لانا لازم ہے (حمد، اتّباع و فرماں برداری میں منتج ہوتا ہے)۔ اس کو بجالانے میں اگر ہم ناکام رہے تو یوم الدین پر سرخرو نہیں رہیں گے اور جہنّم کی اذیتیں ہماری قسمت بن جائیں گی۔ اس ناکامی سے بچنے کے لئے جب ہم بیدار ذہن اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے دعا مانگیں گے کہ جن پر وہ غضبناک ہوا اور جو بھکے

ہوئے ہیں، ان کے راستے سے بچا کر ہمیں ان کے راستے پر مستحکم کردے جن پر اس نے نعمتیں نازل کیں اور جو یوم الدین پر پہنچنے کا بے خطر (صراط مستقیم) سیدھا راستہ ہے، اللہ ہمیں دماغ کو دیئے ہوئے نظم کے تحت متقی جیسی زندگی سے ہم کنار کردے گا۔

یہ آیۃ (۲۳:۱۔۲) اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ، ہم جس قدر زیادہ ابھرے ہوئے جذبات کے ساتھ صلاۃ (نماز) کے کلمات کی تلاوت کریں گے، اسی قدر تیزی سے ہمارا دماغ، جو ہمارے اعصابی نظام پر مسلّط ہے اور جسم کے اعضا اس کے احکام کے تابع ہیں، مستقل یاددہانی کے ذریعہ، ہم کو تلاوت شدہ کلمات سے متعلق جو اعمال ہیں ان کی انجام دہی کے لئے ہمتِ پیدا کرکے، اس کی طرف راغب کردے گا، اور ہم اللہ کا فرماں بردار بندہ بن کر اس کے احکام کی پابندی کے لئے ہماوقت اپنے آپ کو آمادہ پائیں گے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے اعمال کو دین کی راہ پر استوار کرکے درست حالت میں قائم رکھ سکتے ہیں۔ تکرار کے اوصاف سے استفادہ کرتے ہوئے، یاڈھانی کے لئے پانچ اوقات پر مبنی (نماز) صلاۃ برپا کرنے اور اس میں بارہا سورۃوں اور دیگر کلمات کی خضوع وخشوع کے ساتھ تلاوت رکھی گئی ہے۔ ہمیں گرہ باندھ لینا چاہئے کہ بغیر خشوع وخضوع کے حضوریٔ قلب ممکن نہیں۔

دوسری آیۃ: ۲۷:۶۲؛ مضطر، وہ ہوتا ہے، جو کسی سخت مصیبت میں جا پڑا ہو یا صدمہ کی وجہ سے شدید دباؤ میں مبتلا ہوجائے اور رقت زدہ دل سے، اللہ سے دعا مانگے تو اللہ کے دئے ہوئے نظم کے تحت، ابھرے ہوئے جذبات سے اثر انداز ہو کر دماغ، اس مصیبت سے نبرد آزمائی کی قوت سے لیس کردیتا ہے۔

اگر ہم نے مندرجہ بالا آیاۃ کی حکمتِ عملی کو سمجھ لیا ہے تو عزاداری کیوں؟ کے جواب کا حصول زیادہ دقت طلب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ عزا یعنی سوگواری بھی اسی زمرے میں آتی ہے کہ جو جذبات کو بر انگیختہ کردے۔ مصائب جو یزید کے ہاتھوں خانوادۂ رسولؐ پر وارد ہوئے، ہسٹری اس کی مثال نہیں رکھتی۔ کوئی کتنا ہی شقیق القلب کیوں نہ ہو، ان مصائب کو سن کر متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ ضرورت

ہے کہ اسی منقلب حالت میں (یعنی مضطرب حالت میں) امام کے اسوۂ حسنہ خصوصاً ان کی وقت نزع، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فریاد کو دل کی گہرائیوں میں ہمیشہ زندہ رکھے یا، اپنے آپ سے اس پر قائم رہنے کا وعدہ برقرار رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رقیق حالت میں اس پر قائم رہنے کی فریاد کو دل میں جگہ دیئے بغیر رہا نہیں جاسکتا۔ اس طرح، ابھرے ہوئے جذبات برائیوں کو ترک کر کے تقویٰ اپنانے میں نہایت درجہ مفید، مدد ومعاون ثابت ہوں گے۔ برگذاریٔ عزاداریؑ کی اسی لئے آئمہ اطہار نے بڑی تاکید کی تھی۔ امامؑ کا اس قدر محیر العقل شہادت پیش کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہر بندہ خدا اس سے استفادہ کر کے متقی بن جائے اور یوم الدین پر اپنے مالک کے حضور سرخ رو رہے۔

سوال پیدا ہوتا کہ سارے جہان میں منبر سے تقریباً سال بھر کسی نہ کسی صورت میں مصائب بیان ہوتے ہیں، مگر بے راہ روی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی، نہ ہی ہماری اولاد گمراہی سے اپنا دامن چھڑا پا رہی ہے۔؟

یہ سوال بڑا غور طلب ہے۔ اس لئے کہ قیام حسینی پر اس کے بے اثر ہونے کی وجہ سے آنچ آتی ہے، کہ جیسے وہ ایک بے مقصد و بے مصرف تحریک تھی، وجود میں آئی اور تماشہ بن گئی (رسموں کے حوالے ہوگئی)۔ امام کی حکمت عملی، جیسے کسی ناعاقبت اندیش کی طرّ احی تھی، جس کی قسمت میں ناکامی لکھی جاچکی تھی۔

قرآن: ۴۹/۵۴؛ یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ہر عمل کا ردِعمل ضرور ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری سی بات ہے کہ کسی سے اگر ہم نفرت سے پیش آئیں گے، وہ ہم سے نفرت کرے گا۔ جب کہ انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ، اس کا تجزیہ کیا جائے کہ پہلا شخص کیوں نفرت سے پیش آیا؟ تا کہ اس کی غیر جانبدارانہ اصلاح کا بندوبست کیا جائے۔

ہوسکتا ہے، اس کے والدین نے بچپنے میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے لاڈ و پیار سے اس کی پرورش کر کے اس میں جذبہ مفاخرت پیدا کر دیا ہو۔ اسے اتنی بھی تعلیم نہ ملی ہو کہ خود آگاہ ہو کر اپنی اس پر وردہ خصلت کی برائی کو سمجھ سکتا اور اس سے نجات حاصل کر لیتا، جس کے نتیجہ میں مفاخرت نے حد سے

زیادہ اسے اپنے شکنجے میں کس لیا ہو، اب اس کی ناک ربھوں ہر وقت چڑھی ہی رہتی ہے۔ ہر معاملہ میں اور ہر طرح سے وہ اپنی بات اونچی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی شخصیت کے بڑے دور رس منازل رمراحل ہوتے ہیں، جس کا ایک مقام پاگل پن بھی ہے۔ ایسے لوگ غیر شعوری طور پر مذہبی منافرت کی برائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور گھٹی میں پڑی سکون دہندہ مفاخرت کی کشش کی بنا پر، مذہبی منافرت کے پرچم بردار بن جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نفرت کے بیج بوتے رہتے ہیں۔

مذہبی منافرت، جہلِ مرکّب کا جزو ہوتا ہے، اس میں پڑے کٹھ ملّے، پنڈے، پادری وربائی وغیرہ، اپنی اقتصاد کو درست رکھنے کیلئے عوام میں تفرقہ آمیز تعصّب کا بیج بو دیتے ہیں اور وہ پشتہا پشت آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اس قسم کی منافرت نے خون کی اس قدر ندیاں بہائی ہیں، کہ ہسٹری حساب رکھنے سے قاصر رہی ہے۔ مسلمانوں میں فرقہ بندی کی اصل وجہ تعصّب ہے، جو جہالت بلکہ جہل مرکّب میں مبتلاء لوگوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس نے انہیں کمزور بنا دیا ہے، اس کی ذمہ داری منبر پر جلوہ افروز ہونے والے خدا ناشناس نادان ذاکرین وعلماء پر آتی ہے، کہ وہ ابھی تک جب کہ علم نے جہان کو بقعۂ نور بنا دیا ہے، زمانہ جاہلیت سے ملی تعصب آمیز تقاریر کرتے ہوئے تھکتے نہیں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلام ایک آفاقی، صلح آشتی وسلامتی پسند دین ہے، فرقہ بندی کی مذمت کرتا ہے، کسی فرقے کی جاگیر نہیں ہے۔ پورا جہان، واحد اللہ کی ملکیت ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے یہاں کی ہر شے کو پیکرِ وحدانیت بنایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہر شے کو مختلف مگر یکتا شکل دی، درخت ہو یا جڑی بوٹی ایک دوسرے سے ہو بہو میل نہیں کھاتا۔ موجودات کی ہر شے رصنف کو، دنیا کی پیشرفت کے لئے جو کام اس سے لیا جانا ہے یا دنیا کے کاروبار کو چلانے کیلئے جو کام اس کے ذمہ مقرّر کیا گیا ہے، اس کے مطابق شکل صورت ڈھال کر، اس سے مطابقت رکھتی ہوئی ہدایت دہندہ جبلّت سے آراستہ کیا، محدود خود مختاری دے کر اس جہان میں وارد کر دیا، ہر صنف کو یگانگت عطا کر دی۔

انسان کو اپنی مخلوقات میں اشرفیت عطا کر کے، دوسری مخلوق کے مقابلے میں اس کی فہم و ادراک میں اضافہ کر دیا۔ اسی طرح خود مختاری میں بھی مقابلتاً کچھ توسیع کر دی۔ اس وسعت کے مدنظر اس

کے لئے مخصوص ہدایت کا بھی انتظام کر دیا۔ اور متنبّہ کر دیا کہ ان سے تجاوز نہ کرنا۔ قدرت کی طرف سے انسانیت کو ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رکھنے کیلئے اتنے انتظامات کے باوجود، اللہ کے دین میں (اسلامی نظام میں) اس کے نام نہاد معتقدین نے اللہ کے بھیجے ہوئے ہادیوں کی ہدایت کے منکر ہو کر اس کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے بجائے اس کے حصّے بکھرے کر دیئے۔ فرقوں پر فرقے بناتے چلے گئے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اللہ کے احکام کے برعکس جانتے بوجھتے اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہیں۔

منبر سے ایسی تقاریر پیش ہونا چاہئے، جو مقصود قرآن نہ فقط مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر کے ایک دوسرے سے قریب تر کر دے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ جو فکر یا مذہب جس کو بھائے، آزادی سے اس پر کاربند رہے مگر انسانیت کے رشتے سے، ایک دوسرے سے گلے لگا رہے۔ یہی انسانیت کا تقاضہ بھی ہے۔ یہ کام مشکل نہیں، کہ علم جب اپنی توانائیوں کو لے کر آگے بڑھتا ہے، لوگوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ بے سر پیر کی رسم آلودہ عبادتوں کی پول کھلتی ہے۔ جب وہ تاریخ کے اوراق گردانتا ہے، تعصّب سے جڑی ہوئی خونریزیاں اس کے دل کو دہلا دیتی ہیں۔ دلیلوں کی تلاش اس کی فکر بن جاتی ہے۔ جانبداری کو وہ کیوں اور کیسے کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ حقیقتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ انسان سازی اس کی جستجو بن جاتی ہے۔ راہِ حق کی تلاش میں وہ دیوانہ وار سرگرم نظر آتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ منبر پر بیٹھنے والے ذاکر کو چاہئے کہ اپنی غیر جانبداری کو ہاتھ میں لے کر انسانی اقدار کی پرچار کرے۔ اسلام کے فطرت سے ہم آہنگ اخلاقی قوانین (اصول و فروع) انسان ساز، اخلاقِ حمیدہ و سادگی پسند کیفیات کو اجاگر کرے۔ اس کی ہمہ گیری روشن کرے۔ ذاکر کی اتحاد آموز تقریر جب سازش کاروں کے چہروں سے نقاب اتار پھینکے گی فرقہ وارانہ کشت خون کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ ضرورت ہے کہ منبر سے جو تقاریر کی جائیں، ان کے لئے قوانین پہلے سے مرتّب کئے جائیں، جس کے لئے بزرگ علماء، استاد ہائے مدرسہ و دانشگاہ، ماہرین نفسیات، سیاست مداران اور دانشوروں کو دعوت دی جائے، جو اخلاقِ حمیدہ کو یعنی اللہ کا عطا کیا ہوا تعصّب و فرقہ واریت سے پاک اخلاقِ قرآن، محمدؐ و آل محمدؐ اس کا مرکز ہوں۔ مندرجہ ذیل نکات، کم و بیش، اگر زیر نظر رکھے جائیں تو امید ہے کہ ذاکری

کے لئے ایک بہتر راہ نکل آئے:

۱۔اللہ کی حمد (شکر اللہ کا کہ اس نے اس پر رنگ و فرحت بخش دنیا کی ہر شئے کو اس کے تابع کر کے توفیق دیدی کہ وہ خرافات سے کٹ کر، انسانیت کی ترقّی کیلئے کام کرتا رہے۔اس عمل میں اپنی خوشنودی رکھ دی) سے مجلس شروع کی جائے، جس میں :۱۔اسلام کی معقولیت دلیل کے ساتھ بیان ہو۔۲۔کسی ایک مسئلہ زندگی کی، جس سے عوام دوچار ہوں، شرعی تشریح کی جائے۔۳۔حیاتِ محمد و آل محمد ؐ سے حاصل شدہ، قرآن کی روشنی میں، اخلاق کو درست حالت میں رکھنے کے لئے اصول بتائے جائیں۔ ۴۔ترغیبات کے ضمن میں، ترقّی کی دوڑ میں مسلمانوں کا پیچھے رہ جانے، اقتصادِ اسلامی چھوڑ کر، غیر اسلامی سودی نظام کا مسلمانوں میں رائج ہوجانے، فراوانی، جو باعثِ ذہنی فشار بن جاتی ہے، دیگر خرافات، جو بے راہ روی میں مبتلاء کردیتے ہیں ملوث ہونے کے وجوہات کا ذکر ہو۔۵۔قیامِ صلاۃ سے کیسے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔شہادتِ عظمیٰ کس طرح مسلمانوں کو موجودہ گرفتاری سے نجات دلاسکتی ہے۔۶۔مصائب امامؑ کے ساتھ ہی انسانیت کو بے راہ روی سے بچانے، علم و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج طے کرتے رہنے خود کفالت اور دوسرے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی قوت کے لئے اللہ سے دعا کی جائے۔ہر وہ بات جس میں تعصب کی آمیزش ہو اس سے پوری طرح اجتناب کیا جائے، وغیرہ وغیرہ

مندرجہ بالا مثالوں کے ہمراہ، ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ قیامِ حسینی، معاشرے کی حالت کو جو بے راہ روی میں مبتلا ہے، کیوں درست نہ کرسکا؟ کیا یہ الزام صحیح نہیں؟۔اس کی تلافی، اس وجہ سے نہیں ہو پارہی ہے کہ لوگ اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجّہ نہیں کر پارہے ہیں۔اللہ نے انسانیت کی سالمیت کی ذمّہ داری جن کے حوالے کی تھی غفلت کے شکار ہیں۔اشرفیت کی حامل اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرکے بداخلاق بنادیا گیا ہے۔ان کو اسلامی اخلاقیات سے متعارّف نہیں کرایا گیا۔بلکہ نفرت و تفرقہ انگیزی کی لعنت میں مبتلا کردیا گیا ہے، جس کا سلسلہ جاری ہے، کوئی لگام لگانے والا نہیں۔اتنا کچھ جان لینے کے بعد کیا عوام کی بھی ذمّہ داری نہیں کہ خود اس غفلت سے باہر آئیں اور انسانی برادری کے ساتھ مل کر، متحدہ طور پر تفرقہ گروں کو اپنی صفوں سے باہر کردیں؟

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا.

ان لوگوں کو چھوڑ دو، جن لوگوں نے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ انعام ٦: ٧٠

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا

جو کچھ تمھیں عطا کیا گیا ہے، چند روزہ لذتِ وزینت دنیا ہے۔ (قصص ٢٨: ٦٠)

حقیقتوں سے خواہ کتنی بھی بے اعتنائی کیوں نہ کی جائے۔ انہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔ گویا کہ اگر انسان عقبہ کی حقیقتوں کو باور کر لے۔ فانی کے مقابلے میں باقی رہنے والی دنیا کی فکر میں رہے تو جانبداری وتعصب کا وجود باقی نہ رہے گا اور معاشرہ جو بکھرا پڑا ہے، متحد ہو کر، ترقّی کی راہیں جو بدخواہان اسلام (اسلام دینِ انسانیت) کی بنا پر مسدود پڑی ہیں، دوبارہ موجیں مارنے لگے، تباہ حال انسانیت اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے۔

جب ہم قیامِ حسینی کی بات کرتے ہیں، تو حسینؑ ہمیں میرِ کاروان انسانیت نظر آنا چاہیے۔ ان کا اللہ کا دیا منصب کیا ہے اس کی شناخت ہونا چاہیے۔ ولایت کا درجہ ومنزلت کیا ہے؟ ولایت کے رشتے سے ہمارے فرائض کیا ہیں؟ ہمارے لئے ان کا پیغام کیا ہے؟ مستقلاً ہمارے ذہن میں قائم رہنا چاہیے۔ یہ باتیں ہمارے ذہنوں میں کیسے قائم رہیں۔ انسانی یادداشت بہت ساری وجوہات کی بنا پر اس کے قابو میں نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں اس کی یاددہانی کا لازمی طور پر مستقل انتظام ہر زمانے میں وقت کا تقاضہ رہا ہے۔

قرآن واحادیث، اقوالِ محمد وآل محمدؐ؛ خانہ کعبہ ومساجد وامام بارگاہیں، مدرسے اللہ کی کبریائی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ مگر حج، نماز ہائے باجماعت، مجالس، جلوس، جلسے کے موقع پر منبر پر بیٹھنے والے حضرات حقِ ادا نہیں کر رہے ہیں، اصلاح کے بجائے تفرقہ اندازی کی باتیں کرتے ہیں۔ مراجع، علماء، خطبا، ذاکرین، مرثیہ خوان، نوحہ خوان، قارعی؛ ساتھ ہی عوام کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سب کے سب یاددہانی کے لئے وسیلے ہیں، تاکہ مسلمان اسلامی اقدار یا اس کی رسّی کو تھام کر باسعادت مومن بنا رہے اور بے راہ روی مسلم صفوں میں راہ نہ پا سکے۔

احادیث (واقوال رسول) کی بابت رسولؐ نے صاف فرمادیا تھا کہ اگر اس کے افکار قرآن سے متفق ہیں تو ان پر عمل پیرا ہوا جائے۔ قرآن کی زبان آسان عربی میں ہے۔ اسوئی حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ہی اسلام کی راہ اختیار کی جاسکتی ہے۔ فوری طور پر، عربی کو مسلمان گھروں میں بولی جانے والی زبان بنا دیا جانا چاہیے تا کہ قرآن، احادیث وکلماتِ صلاۃ، ہمارے لئے بیگانہ نہ رہیں۔ اس کے نتیجہ میں، ہمارے لئے ان کا سمجھنا آسان ہو جائے گا اور ماحول اسلامی بن جائے گا۔ لوگوں کے بگڑتے ہوئے اخلاق، حق پر استوار ہو جائیں گے۔

ادارہ مرجعیت کے حضور دست بستہ گذارش ہے کہ، چونکہ منبر کو یرغمال بنالیا گیا ہے، انسدادِ بے راہ روی اس کے ذمہ تھا۔ وہ اپنے اس منصب پر پورا اترنہیں پا رہا ہے، بلکہ الٹے اثرات مرتّب کر رہا ہے۔ اسلام کے اصل مقاصد کو چھوڑ کر، ذاکر کا جدھر جی چاہتا ہے چل پڑتا ہے۔ سامعین میں مناظرہ بازی کا ذوق پیدا کر کے ان میں تعصّب کے بیج بو رہا ہے۔ اس طرح قرآن کے احکام کے برعکس مسلمانوں کو بجائے متحد کرنے کے تفرقہ کی خلیج بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ لازم ہے کہ منبر کے بے جا استعمال کی روک تھام اور اصلاح کیلئے مساجد، امام بارگاہوں و مدرسوں کو مستقل طور پر فرمان وقت کا تقاضہ ہے۔ جس کی اطلاع عوام کو بھی دی جائے، تا کہ وہ اس سے استفادہ کر سکیں۔ یہاں اس بات کی نشاندہی لازم ہے کہ ان مسائل کو ایک رخ دینے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ رہبریت رلیڈر شپ کو وجود میں لایا جائے، تا کہ اسلامی اقدار جو ان کے اصل مقام سے ہٹا دیئے گئے ہیں، واپس لا کر قائم کرنے میں آسانی ہو۔ اس کو تشکیل دینے کی توانائی فقط مرجعیّت کے ہاتھوں میں ہے۔ رہبریت کن اصولوں پر مبنی ہو، اس کے احکام کا تعیّن بھی وہیں سے ہونا چاہیے۔

رہنمائی

اسلام کی تاریخ میں چند ادوار نظر آتے ہیں جب صالح لیڈر شپ برسرِ کار رہی ہے، مگر مفاد پرست عناصر، عاقبت اندیشی جن کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گذری تھی، ان ادوار کے آثار کی تاب لانا ان کے لئے مشکل تھی، ہمیشہ ان کے بچے کھچے نشانات کو بھی مٹانے میں لگے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ ان کے ساتھی و آقا حضرت شیطان نے ان کے کان میں کہہ دیا تھا کہ عقبہ فقط ایک ڈھونگ ہے؛ بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

چونکہ پروردگار عالم نہیں چاہتا کہ دنیا رہبریت وہدایت سے خالی رہے، رہنماؤں کا سلسلہ جاری رکھا۔قید خانوں کی تاریک کوٹھریوں سے بھی ہدایت جاری رہی۔دین میں زبردستی نہیں۔جن کا اصل مقصد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا، خواہشمندِ ہدایات رہے، اور باوجود رکاوٹوں کے ان کی رہنمائی سے مستفید ہوتے رہے۔وقت کے ساتھ زمانے کی بدلتی ہوئی معاشرے کی روش کے مدّنظر انھوں نے مختلف طریقوں سے لوگوں تک ہدایات پہنچائی اور انہیں متحد رکھا۔اپنے اس طرز سے آئندہ نسلوں کے لئے بھی ایک زرّیں اصول قائم کر دیا؛ 'لیڈر شپ کے بغیر بکھرے رہنے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا'۔

حالِ حاضر کے پیش نظر جبکہ یک جہتیٔ مسلم امہ شکست خوردہ ہے، نادانی میں پڑ کر، اپنی ثقافت کا ہوش کھو بیٹھا ہے، کوّا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھول گیا، کی مصداق بنا ہوا ہے، وہ لوگ جو اسے اس کی اصلی چال پر چلانے کے لئے مقرّر کئے گئے ہیں ناکام ہیں، اخلاق کی حالت ناگفتہ بہ ہے؛ وقت کی اہم ضرورت ہے، کہ بلا تاخیر، مرجع وقت سے رجوع کیا جائے، کہ لیڈر شپ کے ڈھانچے کا تعیّن کر کے اسے نافذ فرمائیں۔

اسلام کی نگاہ میں ہمدردی وگراں قدر کارِخیر یہ ہے کہ، وہ جو منحرف ہو کر اخلاق کے گراوٹ میں جا پڑیں ہیں، انہیں ان سے نجات دلایا جائے۔

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: اگر تمھارے ذریعہ اللہ کا ایک نفر بھی ہدایت پالے، تو وہ تمھارے لئے ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو زیر آفتاب روشن ہیں۔سفینۃ البحار، جلد ۲، صفحہ ۷۰۰

مسئلہ کہ، کیا دانشمندوں کے ہاتھ میں لیڈر شپ دی جاسکتی ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ، مسلمان دانشمند جو نکہ علوم سے مزیّن ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کے قوانین سے واقفیت ضرور رکھتا ہے۔چونکہ اس نے باقاعدہ علم دین کسی دینی مدرسے سے حاصل نہیں کیا، تجربہ کار علماء کے مشیر کاروں میں شامل رہا، لیڈر شپ کی اس میں صلاحیت موجود ہے، کتب بینی (دین) اس کا مشغلہ تھا، ضرورت کے

تحت اس سے استفادہ لازم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ لیڈر شپ اعلیٰ قسم کے دینی درسگاہوں سے ابھرے، اس میں دانشمندان جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مہارت رکھتے ہوں بطور مشیر شامل رکھے جائیں۔ مشکل جو شامل حال رہی ہے، یہ ہے کہ کسی بھی دینی ادارے کو اس بات کا خیال ہی نہیں آیا کہ اس لیڈرشپ کا آغاز محلے کی مسجدوں سے ہونا چاہئے۔ یعنی محلّے کی مسجد میں جو لوگ قیامِ صلاۃ کے لئے آتے ہیں وہاں کا پیش امام ان کا رہنما/لیڈر بھی ہو، جو ان کے ساتھ مل کر محلّے کے مسائل حل کرے۔ مسائل جو وہاں حل نہ ہوسکیں جمعہ کی مساجد کے پیش اماموں کے حوالے کئے جائیں (محلّوں کے مساجد کے پیش اماموں میں امام جمع ہ کو مرکزی حیثیت دی جائے)۔ ملک کے دارالخلافہ میں مرجع اپنا نمائندہ مقرر کرے جہاں آئمہ مساجدِ جمعہ، جو معاملات ان سے حل نہ ہوئے ہوں پیش کریں۔ اور سال میں موقع حج پر، اسلامی سکریٹریٹ کے قیام کے ذریعہ اسلامی ممالک کے نمائندے اپنے مسائل حل کریں۔ اس کی رہبری مرجع وقت کے ہاتھ میں ہو۔ اس طرح مسلم امہ کے مسائل متحدہ طور پر، عدل اسلامی کے تحت حل ہوتے رہیں گے۔ ربانیتِ الٰہی کے تقاضے انسان کو تکاملِ اخلاق کی طرف مائل بہ پرواز رکھے گی۔

پیش امام مسجد۔۔۔رہنمائی

مساجد کے پیش اماموں میں عادل رہنمائی کس طرح پیدا کی جائے؟ یہ امر بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر ان میں عادل رہنمائی کی فطری صلاحیت اور ولولہ موجود نہیں تو اس سے کس طرح عادل رہنمائی کی توقع کی جاسکتی ہے؟

علمیہ حوزوں کو اس مہم کام کے لئے، اعلیٰ مقام، علماء، دانشمندان، اور ماہرین نفسیات کی کمیٹی بنانا ہوگی تاکہ داخلہ انہیں طلباء کو ملے جو ان کے چنے ہوئے ہوں۔ اس بناء پر کہ پیش امام کے لئے عدالت کو اس کے اصل مقام پر رکھنا ضروری ہے اور جس دور میں وہ موجود ہے عدالت کا حامل نہیں، تو کیا وہ ایسی حالت میں عدالت کا دامن پکڑ کر رکھ سکے گا؟ اس آئیڈیل یا معنویت کو سوچ کر ہی روح کانپتی ہے۔ اس لئے کہ اصل مسئلہ تو فرد کے اقتصاد کا ہے۔ اور پورے جہان پر سودی نظام کیپیٹل ازم کا اثر

ہے۔تو کیا اسلام کے قوانین قابل اجراء نہیں۔اہلبیت رسولؐ باوجود اساس کے مالک ہوتے ہوئے،اسی معنویت پر قائم رہے۔ان کے یہاں یہ بات طے شدہ تھی کہ جب تک ایک عام آدمی تر روٹی نہیں کھائے گا وہ بھی روکھی روٹی کھاتے رہیں گے۔بچی ہوئی رقم انفاق کے کھاتے میں جا کر عوام کی ترقّی کے کاموں میں صرف ہوتی۔اقتصاد اسلامی کو اگر درست طریقے سے سمجھ لیا جائے تو دوسرے غیر عادل اقتصادی نظامہائے جہان اس کے سامنے ہیچ نظر آئیں گے۔اس مضمون پر اسلامک سمینری نے بہت ساری کتابیں چھاپی ہیں،تقریباً ہر ملک میں دستیاب ہیں۔

مجوزہ رہنمائی کا مقصد ہی یہ ہے کہ عوام میں مسجد کے وسیلے سے اقتصاد اسلامی کو جاری کر دیا جائے۔اختصار کو مدّنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ جب عادل پیش امام نمونہ بن کر عوام کے سامنے آئے گا ،اور انہیں بتائے گا کہ وہ اللہ کی دی ہوئی دولت جو اس کی ملکیت ہے تجوریوں میں پڑی امانت میں خیانت کی صورت اختیار کئے ہوئے فقط مفاخرت کو ہوا دے رہی ہے اگر توازن قائم کرنے کے لئے (مثلاً) فقر دور کرنے میں یا تعلیمی اداروں کو قائم کرنے پر صرف کیا جائے تو جہلاء علم حاصل کر کے ترقّی کی راہوں پر گامزن ہو جائیں گے اور معاشرہ فقر کو خیر باد کہہ دے گا،اور جلد ہی عوام میں اقتصادی برابری پیدا ہو جائے گی۔مفاخرت جو ساری خرابیوں کی جڑ ہے وجود کھو بیٹھے گی۔اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی،وغیرہ غیرہ۔اسی لئے عادل رہبریت کا قائم ہونا اشد ضروری ہے۔موقفِ قرآن کے خلاف اسلام میں فرقہ بندی کے وجود نے ترقّی کی راہوں کو مسدود کر دیا ہے۔اصحاب فکر پر لازم ہے کہ اس حقیقت پر غور وخوض فرمائیں،اور اس کار خیر کو جاری کرنے کا انتظام کریں۔اللہ نے انہیں یہ صلاحیت اسی لئے عطا کی ہے۔اگر عہدہ برآنہ ہوئے تو رضائے الٰہی ہاتھ نہ آئے گی۔

عام طور پر ہو یہ رہا ہے کہ گھر والے،حقیقتوں سے نا آشنا ہونے کی بناء پر ہونہار بچّوں کو حصولِ علم دین کیلئے حوزوں میں نہیں بھیجتے۔بچّوں کو محلّات جیسے مکان،جھلکتی ہوئی لمبی چوڑی گاڑیاں زرق برق لباس اور دولت کے انبار کا خواب دکھاتے رہتے ہیں۔چونکہ اسلامی اقدار کا انھیں علم نہیں ہوتا،اپنی زندگی کارہائے عبث میں ضایع کر دیتے ہیں۔اگر نوجوانوں کو اسلام کی اقتصادی معقولیت سے آگاہ کر

کے محترم و معزز لیڈر شپ کی دعوت دیجائے تو وہ دوسری طرف بھاگنے کے بجائے پروقار رہنمائی کو ترجیح دیں گے۔

ایسا نہ ہو کہ خواب غفلت ہم پر طاری رہے اور مقالے کے شروع میں مندرجہ آیۃ۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ کی زد میں ہم جا پڑیں اور عاقبت خراب کرلیں۔اس سلسلے میں ہم پر لازم ہے کہ مراسم کے گھروندے سے جلد باہر آجائیں اور قیامِ صلاۃ اور عزاداری کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مثبت رہبری کو وجود میں لاکر معاشرہ کی اصلاح کی سعی کریں۔تاکہ تعصّب انگیز تقاریر کی روک تھام ہوسکے گی۔

عزاداری چونکہ منبعِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے،اس کی تبلیغ صحیح انداز میں درست لیڈر شپ کے ذریعہ ہی قرار پاسکتی ہے۔ان باتوں کے مدّنظر،مسلم خاندانوں میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے ،جہاں اخلاق کے ہر گوشے پر نظر رکھ کر خوش اخلاقی کو عادت کا حصّہ بنا دیا جائے۔درج ذیل خاکے میں مفید ردّ و بدل مدّنظر رکھ کر دستور العمل بنایا جائے،جس کا اجرا متذکرہ رہبری کے لئے بصورت ادعائمل میں لایا جائے۔

۱۔اوّل یہ کہ خوش اخلاقی میں رخنہ انداز عادتوں کو،قریب آنے نہیں دیں گے۔بلکہ بلا تاخیر ان کا قلع قمع کردیں گے۔رضا کاری یا غیر مشروطہ طور پر اپنی خدمات پیش کرنا: خود کو فراموش کرکے عوام کیلئے فلاحی کام انجام دینا،ان سے مستقل رابطہ برقرار رکھنا؛ ایک ایسا عمل ہے جسے اسلام کی آبیاری میں خود امامؑ نے اختیار کیا،اپنائیں گے۔

۲۔اس سلسلے میں،خود اور دیگر افرادِ خاندان کی مصروفیات کے مدنظر،ان کی ایما حاصل کرکے دستورِ عمل مرتب کیا جائے۔اس کے لئے پندرہ سے بیس منٹ کا ایک جلسہ رکھا جائے۔یہ امر بھی بڑی

اہمیت کا حامل ہے کہ جس بات کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ اس کا فطری، عقلی، منطقی اور مدلل ہونا ضروری ہے۔ چونکہ سازش کے تحت میڈیا نے اسلام کو ایک غیر ترقّی پزیر مذہب کے حلیہ میں پیش کیا ہے، ایک نفسیاتی ضرب ہے اور اس کے اثرات مسلمانوں پر نمایاں ہیں، ہمیں اس فتنہ بردار سازش کو خنثہ کر کے، ترقّی کے عمل کو جاری کرنا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسلام کی معقولیت اور سچّائی کا ثبوت فراہم کر کے، بچوں کو سمجھایا جائے (باور کرایا جائے)، کہ ان کے رگ و ریشے میں روز افزوں اختراع و ترقّی کرنا موجود ہے، مگر اس پر سازشکاروں نے پردہ ڈال دیا ہے۔ علم اور تقویٰ کے اعلیٰ مدارج طے کر کے مسلمانوں کو ترقّی کی پہلی صف سے آگے لا کھڑا کرنا ہے۔

۴۔ دستور العمل میں: اصول و فروعِ دین، قرآن، نہج البلاغہ، صحیفہ کاملہ توضیح المسائل اور احادیث وغیرہ کا مطالعہ، ان کے نکات پر عمل پیرا ہونے کی نیت سے کیا جائے۔ تا کہ بلا تاخیر اصلاح کی طرف قدم بڑھنا شروع ہو جائے۔ سونے سے پہلے بلا ناغہ ہر ایک کو دن میں فقط پانچ سے سات منٹ دیا جائے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہر روز، انٹرنٹ یا سافٹویر جو عربی زبان، بول چال کے ذریعہ سکھاتے ہیں لازمی طور پر سیکھا جائے۔ دو سے تین مہینے کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ اسی میں گفتگو کی جائے۔ وقت گذرنے کے ساتھ اس میں مہارت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ طے کر لیا جائے کہ گھر میں فقط عربی ہی میں بات چیت ہو گی۔ باہر کی جو بھی زبان ہو، وہاں اسی میں گفتگو ہو گی۔ ہم اپنی (اسلامی) ثقافت سے متصل ہو جائیں گے۔ ہمیں ہماری دینی و ثقافتی اساس واپس مل جائے گی، اور دینی کتابوں کے ترجمہ کی محتاج نہیں رہے گی۔ اس طرح جب ہماری ڈوبتی ہوئی شہ رگ میں اسلام سے مرصع خون کی روانی دوبارہ پیدا ہو جائے گی، یہ اخلاق، دوسروں پر بھی اثر انداز ہو گا۔ انسانیت کسمپرسی کی حالت سے باہر آ کر، خود اپنی پاسداری کرنے کے قابل ہو جائے گی۔

اس سلسلے کو محکم و مصمم عہد کے ساتھ مستقل مزاجی کے حوالے کر دیا جائے۔ جس میں چھوڑ پکڑ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ تا کہ یہ برنامہ مسافرت طے کرتا ہوا اپنی فرحت بخش خوشبو سے آئندہ نسلوں کو بھی

معطّر کرتا رہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ اس میں استحکام پیدا ہو جائے گا، نئی راہیں کھلیں گی۔ بفضل خدا معاشرہ پاکباز بن جائے گا۔

غیر مسلم ثقافتی میدان میں :۔

ہمسایوں اور ملنے جلنے والے لوگوں کے ساتھ بیگانگی کا احساس کسی صورت سے بھی پیدا نہیں ہونے دیا جائے۔ دوستی مقدم ہو۔ ہمیشہ جھک کر ملے۔ اپنی کتھا سنانے کے بجائے اس کی سنے۔

ایک دوسرے سے ملنے پر Hello Hi کے علاوہ احوال معلوم کرنے کے ساتھ وقت کے تقاضوں پر بھی بات ہو۔

ہمسایہ کے حرکات وسکنات بدرجہ غائر مطالعہ کیا جائے۔ راہ ورسم اتنی نہ بڑھنے نہ دے کہ وہ دھوکا دھڑی سے کام لے کر نقصان پہنچادے۔

تقریب شادی وغیرہ میں شامل ہو، مگر شمولیت سے قبل، ناچ گانا، شراب، غیر حلال گوشت، بے حجاب عورتوں کے ساتھ فری مکس اپ سے اپنی مجبوری ظاہر کردی جائے۔

ان کی فن زدہ محفلوں میں شامل نہ ہوا جائے کہ جو ناچ گانا، شوخی، مسخرہ پن و بداخلاقی کے علاوہ کچھ نہیں۔ لہو ولعاب فرائض سے دور کردیتے ہیں اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ تفریح منظور ہو تو کبھی کبھی محدود ماحول سے نکل کر، بیوی بچوں کے ساتھ سبزہ زاروں میں کھیل کود، تصویر کشی، کشتی رانی، آثارِ قدیمہ کی سیر وسیاحت فرحت بخش ثابت ہوگی۔

BirthDay parties سے گریز کیا جائے کہ وہ بچّے میں مفاخرت کا بیج بوتی ہے، اور تحفوں کے حصول کی لالچ پیدا کرتی ہے۔ اگر وہ مصر ہوں تو بچّے کو لفافہ میں کچھ رقم رکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے دے دیا جائے، یہ کہہ کر کہ یہ تمھارے لئے اس لئے ہے کہ اس میں سے کچھ تم کسی ایسے کو دیدو جو اس کا تم سے زیادہ مستحق ہو۔

ہمسایوں کو گاہے بگاہے، پھل رفروٹ وسبزی وغیرہ کا تحفہ، بذاتِ خود جاکے پیش کرے۔ ان کی خوشی غمی میں ضرور شامل ہوا جائے۔ ہو سکے تو اپنی خدمات پیش کی جائیں۔

اگر ہمسائے کو ہماری کوتاہی سے تکلیف پہنچی ہو، تو معافی کے ساتھ ازالے کی جلد تر کوشش کی جائے۔ غلطی خواہ اسی کی ہو، پھر بھی خود ہی پہل کرے، یہ عمل صلح وآشتی کی اعلیٰ ترین ضمانت ہے۔

اگر ہمسائے کا رویّہ زیادہ تکلیف دہ ہو تو، علیحدگی میں باادب طریقہ سے سمجھا دیا جائے۔ قطع تعلّق سے بہر صورت گریز کیا جائے۔

دیکھا دیکھی کتّا پالنے سے گریز کیا جائے۔

گھر اور اطراف کو صاف ستھرا رکھا جائے، کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔

مذہبی مذاکرات سے دور رہے۔ دورانِ گفتگو اگر بات چھڑ جائے تو انسانیت کو بنیاد بنا لے۔

اگر کوئی موقع امداد باہمی کا آجائے تو اس میں شمولیت اختیار کرے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٕيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

ظالموں کو ان کے فسق اور بدکرداری کی بناء پر سخت عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ (اعراف ۷:۱۶۵)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

جو لوگ کتاب سے تمسک کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی ہے تو ہم صالح اور نیک کردار لوگوں کے اجر کو ذائع نہیں کرتے۔ (اعراف ۷:۱۷۰)

ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ مدرسے جہاں سے ایسے علماء ڈھل کر نکلتے ہیں ان کی اصلاح کی جائے۔ صرف ذہین بچّے جن میں سربراہی کے جوہر چمک رہے ہوں داخلہ دیا جائے۔ دروس میں طلباء کو تاکید کریں کہ تحصیل کے بعد جب وہ میدانِ عمل میں آئیں، مسلم عوام پر زور ڈالیں کہ عربی زبان بغیر حیل وحجّت سیکھیں، گھر میں ہر شخص اسی زبان میں بات چیت کرے۔ تاکہ قرآن اور صلاۃ وغیرہ سے پرمعنیٰ استفادہ ہوسکے۔ قرآن کی تلاوت اپنا صحیح مقام حاصل کرلے اور عوام

کو تقویٰ کی راہ اختیار کرنے میں آسانی ہو جائے۔اس طرح قرآن کی تعلیمات جنہیں سرد خانے میں ڈال کر عوام کے دسترس سے باہر کر دیا گیا ہے دوبارہ اپنی توانائیوں کے ہمراہ، بے راہ روی کے شکنجے میں کسی ہوئی مفلوج انسانیت کو اس کی گرفت سے نجات دلا کر صحیح مقام پر پہنچا دے گی۔

چونکہ یہ اہم ترین کام صدیوں سے غفلت کا شکار رہا ہے، ضرورت ہے کہ عوام عالم خود اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔احتجاجی جلسہ وجلوس اور برقی میڈیا کے ذریعہ، دینی تعلیمات کے حوزے، مدرسوں اور سنڈے اس کولز کے دروازے کھٹکھٹائیں۔کل کی مکدّر زدہ غیر منطقی ہدایت دہندہ اداروں کے حوالے نہ کر دیں۔یہ معاملہ ہماری اپنی مغفرت کے ساتھ منتھی ہے۔کچھ پتہ نہیں 'کب لاد چلے گا بنجارہ !!' اس کوتاہی کی نشاندہی کے بعد نصیحت و یاددہانی کی طرف ایک نظر ڈالتے ہیں ہیں، جس کی حقیقتوں سے ہم بیگانہ ہیں۔

نصیحت و یاددہانی جیسے الفاظ اتنے ثقیل نہیں جتنا کہ ہم کو ان سے ڈرا دیا گیا ہے۔ہم عام طور پر یہ کام، یہ بھول کر کہ نصیحت کر رہے ہیں بے دھڑک انجام دیتے رہتے ہیں، خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔مندرجہ بالا آیات اتنی سخت نہیں کہ انہیں ذہن قبول نہ کر پائے۔رہی تقویٰ کی بات تو اسے خوفناک بنا کر پیش ضرور کیا گیا ہے، مگر ہے نہیں۔

تقویٰ: پرہیزگاری، انحراف از اطاعت الٰہی سے خوف کے معنیٰ میں آتا ہے۔خوف خدا اگر پریشانی کا باعث بنتا ہے، تو کیا ہم اللہ کو نہایت رحم کرنیوالا نہیں جانتے۔وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ ان قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اس دنیا کی مسافرت طے کرے اور بے خطر اس کے حضور جا پہنچے۔اس نے تقویٰ کو اپنے بندے کی حفاظت کے لئے پہلے سے، اس کے سادہ احکام کو مرتب کر کے رسول کے ذریعہ پہنچا دیا ہے۔اکثر ہم دنیا کی بدخلاقیوں میں رچی ہوئی رنگینیوں میں زیادہ کشش پاتے ہیں، جس سے بے راہ ہو جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ہمیں ہمہ وقت صرف اللہ کا بندہ بن کر اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہنے کا حق ہے۔جیسے ہی ہم کسی سے ظلم و زیادتی کی یا بدتہذیبی سے پیش آتے ہیں، اپنے معبود کی بندگی سے دور ہو جاتے ہیں، اور غضب الٰہی کی زد میں جا پڑتے ہیں۔زندگی کی باریکیوں کو سمجھنے کے

لئے ہمیں اللہ کے بھیجے ہوئے پاک و مطہّر ہدایت کاروں سے تمسّک کی ضرورت ہوگی۔سچّائی کی تلاش ہمیں سچّوں سے ملادیتی ہے۔ان کی ہدایات روزروشن کی طرح عیاں ہیں۔

نصیحت و یاددہانی کا حق ادا کرنے کے لئے،لوگوں کو اصول وفروع دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے دعوت دیتے رہنا ہے۔جب تک ہم خود ان پر عمل پیرا نہ ہونگے دوسروں پر ہماری نصیحت اثر انداز نہیں ہوسکتی۔یہ کام ہمیں اپنے گھر سے شروع کرنا ہوگا،کہ یہی اخلاق وآداب کا منبع ہے۔یہیں سے اس کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ہمیں کیسے معلوم ہو کہ اخلاق کیا ہے؟اس کے لئے ہمیں قرآن ومحمدؐ وآلِ محمدؐ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا ہوگا۔قرآن،نہج البلاغہ وصحیفہ کاملہ و دیگر کتابوں کا اطمینان کے ساتھ بغور،سمجھ کر مطالعہ،ہماری رہنمائی کرے گا۔نصیحت و یاددہانی ہم پر فرض ہے۔اسے ایک مستقل عمل بنا لینے سے ہماری اپنی اور دوسروں کی یاددہانی ہوتی رہے گی اور ہم راہِ راست پر قائم رہیں گے۔ایک بار اور تین آیتیں جو اوپر درج ہیں،نہایت خلوص کے ساتھ پڑھ لینے سے بات عیاں ہوجاتی ہے۔ہر وہ عمل جو خلوص کے ساتھ انجام نہ دیا جائے بے مصرف ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کارِ خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

یہاں تک جن غفلتوں کا تذکرہ ہوا ہے،اگر ہم،بے راہ روی کے نسبت سے ایک سرسری مگر غائر نظرِ ڈالیں،تو خود ہی اندازہ لگالیں گے کہ غفلتوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو باقی رہ گئی ہے،جنہیں اس سلسلے میں شامل ہونا چاہئے تھا۔جن حضرات نے اس کتاب کو یہاں تک پڑھنے میں صبر وتحمل سے کام لیا،چونکہ انہیں غفلتوں کی روش کا اندازہ ہوگیا ہے،ان کے بیدار ذہن کے لئے مشکل نہیں کہ بقیہ غفلتیں،جن کی انتہا نہیں؛ضرورت کے تحت،ڈھونڈ نکالیں۔اختصار کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اس باب کو زیادہ طول نہ دیا جائے۔مگر مندرجہ ذیل غفلت سے اگر ہم نے دوری اختیار نہ کی تو گویا ہم نظریۂ ولایت سے کنارہ کش ہوئے۔

مفکّرین کا اپنا کردار ادا کرنے میں غفلت

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: مغفرت کے لئے اپنے آپ میں فکر کرنے اور اندیشۂ عاقبت کی

محبت پیدا کرو۔ یہ گناہوں اور کدورتوں کو دھو کر، تمھارے ثواب میں اضافہ کر دے گی۔

یہ فکر کہ دوسروں کے مسائل حل کرنے اور مصیبتوں میں گھرے لوگوں کی مدد کرنے سے پُرعظمت، فرحت و مسرّت میسّر ہوتی ہے۔ ایسی خوشی روح کو تازگی بخش کر، دل میں پڑی ہوئی کدورتوں کو بھی رفع کر دیتی ہے۔ دبستانِ فطرت کی عمق میں بسی دلکشیوں کو، جنہیں آنکھیں دیکھنے سے قاصر تھیں، روشن کر کے، حمد وثنائے الٰہی کیلئے دل میں بیساختہ ابھار پیدا کر دیتی ہے۔ اللہ کی خلق کی ہوئی موجودات کی ہر شے، بلا شبہ نہایت حسین اور دلکش ہے۔ اس کی سوجھ بوجھ چارہ ساز بن جاتی ہے۔ جب وہ بموجبِ آئین بقا: موت وحیات کے فطری امکانات کی مطابقت کرتے ہوئے خدمتِ انسانی میں اپنے متاع کی قربانی پیش کرتا ہے، اس کے روح کی پرواز کسی پیمانے کی محتاج نہیں رہتی۔ جسمانی اور نفسیاتی قوتیں عقل کی ہمکار بن کر، زندہ فکر عطا کر دیتی ہے۔ معاشرے کو ترقّی کی راہوں پر گامزن کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل بن جاتا۔ اس کے برعکس؛ جس کی فکر مختلف وجوہات کی بناء پر اس جہان سے خالی ہاتھ واپسی کو محکم طور پر باور نہیں کر پاتی، اس کی بڑھتی ہوئی بے جاء خواہشات، خودخواہی اور اپنے آپ سے محبت کے تابع ہو کر، بجائے اپنی خدمات پیش کرنے کے دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اس غیر فطری اخلاق کی پیروی کی بناء پر وہ معاشرے میں بگاڑ پیدا کر کے اسے رو بہ پستی وتنزّلی کر دیتا ہے۔

اسلام اپنے مفکّر سے توقّع یہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دینی تعلیمات سے بھی مزیّن کرے۔ اپنی روش کو اس طرح مرتّب کرے کہ وہ عوام کے معاشرتی رجحان کو مائل بہ بلند تر ترقّی کر دے۔ ان میں حصول علم کا بیج بودے تا کہ ان کی فکری افق میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے۔ اس طرح ان کی فہم میں جس قدر بالیدگی پیدا ہوتی جائے گی، غور وفکر کی صلاحیت بڑھتی جائے گی۔ دین سے ملی خداشناسی کی نسبت سے، خودآگاہی انہیں جاہ طلبی، فخر ومباہات کی ظلمات سے نکال کر فروتنی، کسر نفسی وخدمت گذاری کی روشن راہ پر رواں کر دے گی۔ مخالفتِ نفس کا حامی بن کر وہ عدالت کے حامی بن جائیں گے۔

دور حاضر میں ضرورت یہ ہے کہ برنامہ ریزی اس طرح کی جائے کہ بموجبِ تعلیمات اسلامی خلوص کے ساتھ، باہمی رگروہی رجماعتی تعلقات کو فروغ دے کر کشادگی پیدا کر کے، لوگوں کے

اعمال میں بہتری پیدا کردے۔ان کی خود ارادی قوی ہو کر محکم و مضبوط ہو جائے، جوان کی شخصیت کو مضبوط بنا دے۔ وہ حقیقت پسند بنیں اور معاشرے کو درست حالت میں رکھ کر ترقّی کی راہ پر گامزن کر دیں۔ مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی صلاحیت کے مطابق مفکّر بن کر ابھرے، تا کہ ظالم کو راہ نہ ملے، اور ظلم کا خاتمہ ہو جائے۔

اس نظام کا اچھوتا پن یہ ہے کہ اس میں سماجی و معاشرتی رکھ رکھاؤ کا ناتا انسان کا اللہ کی بندگی سے مربوط ہو جاتا ہے۔یعنی خدمت خلق دراصل بندگی/اطاعت خدا ہے۔ اس اطاعت کے زیر نظر، لوگ ایک دوسرے کو ہمدردی، تقویٰ کی ترغیب دلاتے ہیں، جو نئی نسل میں حسن سیرت، راست بازی و پاک دامنی کا بیج بو دیتی ہے۔ جو'میں' کے زہر ہلاہل سے نجات دلا کر'ہم' کے جامِ روح افزا کی دعوتِ عام کر دیتی ہے۔اور عوام کی تعمیری توانائیوں میں اضافہ کر کے لوگوں کو خوش حالی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

چونکہ فکر کی اصل خوراک علم ہے اور علم اتھاہ ہے، اسلامی مفکّر پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ زمانے میں رائج، علم کے اعلیٰ ترین سطح سے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے علم کے حصول کیلئے عوام کو تیاّر کرے۔ یہ فقط علم میں وہ قوّت ہے کہ جو آگے بڑھ کر دور بینی و دور اندیشی عطا کر دے، انسان کو مظالم سے نجات دلا دے۔

اسلام ایسے ضابطۂ حیات کا مالک ہے کہ جو لوگوں کو آگاہ رکھتا ہے کہ وہ لوگ جو معاشرے کی خدمت کے لئے آمادہ نہیں رہتے، مسلمان نہیں ہیں۔ اس ضمن میں، رسول نے فرمایا کہ:

'وہ جو صبح گاہی بیدار ہوتا ہے اور احساسِ نگرانیٔ انسانیت نہیں رکھتا، مسلمان نہیں'

یہ کیفیتِ فکر کی کارگزاریاں ہیں۔ عاقبت اندیشی، یعنی ہماری اپنے اعمال کی طرف سے نگرانی، جو ہم کو بہ حسن و خوبی، ہدف تک باحفاظت پہنچا دے گا۔ وہ یوم الدین ہے۔

اللہ، مالک یوم الدین کہہ کر اس لئے اپنے آپ کو متعارف کراتا ہے کہ وہ خصوصاً اپنی مخلوقِ اشرف پر مہربان ہے؛ متواتر یاددہانی کراتا رہتا ہے کہ دنیا کی مسافرت طے کرنے کیلئے اس نے دنیا کو تمام تر آسائشوں اور دلجوئیوں سے آراستہ کر دیا ہے، تا کہ وہ اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر باآسانی اس

سے آملیں۔ جہاں اس نے اپنی محبوب مخلوق کے لئے، خیال وخواب سے بالاتر آرام و سائش کے اسباب مہیا کرر کھے ہیں کہ دوران مسافرت اس کی چوک کی بناء پر اگر اذیّت وتھکاوٹ کا سامنا ہوا زالہ ہو اور وہ مہمان نوازی کا حق ادا ہو۔ تمہیں ہمارے پاس آنا تو ہر حالت میں ہے۔ ہمہ وقت عدالت کا پاس رکھنا۔اس کے لئے اعلیٰ ترین علم کی ضرورت۔ علم کے آگے دیوار کھڑی نہ کرنا جو ظالموں کا شیوہ ہے علم سے دور انسان میں بے حسی پیدا ہو جاتی ہے۔اسی لئے وہ ظلم کو برداشت کرتا رہتا ہے۔

اگر یوم الدین ہمارے ذہن کے پردے پر، پرخلوص اور محکم طور پر اس فکر کے ساتھ برقرار رہتا ہے کہ ہمیں، اس روز حتماً کامیاب ہونا ہے، تو یہی فکر ہمارے اعمال کو خود بخود حسن و پاکیزگی سے ہمکنار کر کے رکھے گی۔ چونکہ ہر انسان پر معاشرہ اثر رکھتا ہے، اس کی عاقبت کا معاشرے کی سلامتی سے بڑی نسبت ہے۔ جس کی سلامتی کا دار مدار تربیت وہدایت پر ہے۔اگر ہدایت ناتواں ہے، تو فکر کمزور رہ کر عاقبت پر اثر انداز ہوگی۔

ادارے جو دینی تعلیمات سے مزّین کر کے علماء کو معاشرے کے حوالے کرتے ہیں، ضرورت ہے کہ وہ انہیں نہ فقط دینی مسائل کو حل کرنے کی تعلیم دیں، بلکہ ان میں غور فکر کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے اس سے کام لینے کا سلیقہ سکھائیں۔تا کہ وہ وقت کے تقاضوں کے تحت، موجد نگاہوں کے ساتھ، گہری فکر سے کام لے کر لوگوں کو زمانے کی موجودہ ترقّی کی رفتار سے پیچھے رہنے نہ دیں۔اس کے لئے انہیں منصوبہ بندی کی بھی تعلیم دی جائے۔

چونکہ سرِ دست علماء ساز اداروں کا رجحان اس طرف نہیں ہے اور دنیائے اسلام غیر از علماء، مفکّرین سے خالی بھی نہیں ہے، یہ بیڑا مفکّرین کو اپنی عاقبت اندیشی کے تحت اٹھالینا چاہئے۔اور ہر حوزۂ علمیہ سے رابطہ قائم کر کے اس کمی کی طرف ان کا ذہن مبذول کرانا چاہئے۔اگر مفکّرین پر بھی غفلت طاری رہی، اور مدرسوں کا دروازہ کھٹ کھٹایا نہ گیا تو عوام تک صحیح ہدایات کا سلسلہ جاری نہ ہو پائیگا، ہر دو کی دنیاوی زندگی خطرے میں پڑ کر عقبیٰ پر اثر انداز ہوگی

علامہ اقبال جیسا مفکّر قوم کو اپنی شاعری کے ذریعہ متعدد طریقوں سے جھنجھوڑ کر جگا تا رہا۔

غفلت زدہ قوم بیدار نہ ہو پائی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جگانے کا حق ادا نہ ہو سکا۔احوالِ واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ، بیشتر نفسیات کی گہرائیوں سے متعلّق ہے، ایک قوی ہیکل جر صقیل کی ضرورت ہو گی جو اسے باہر لا سکے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ انہیں جگانے کا کام جن لوگوں کے ذمّہ کیا گیا تھا، چونکہ ان پر یہ غفلت طاری ہے، اس کو دور کرنے کیلئے کوئی سبیل تلاش کرنا ہو گی۔یہ کام اس قدر مشکل نہیں کہ جتنا بنا دیا گیا ہے۔

غفلتوں سے کیسے چھٹکارا حاصل ہو؟

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر رہتی ہے، خواہ وہ کم پڑھا لکھا ہو یا اعلیٰ تعلیم کا مالک ہو، اولاد کا بے راہ ہونا پسند نہیں کرتا۔اس حقیقت میں اتنی قوت ہے کہ غافل ترین سرگرم خواب کو، اٹھا کر کھڑا کر دے۔بشرطے کہ غاصب معاشرہ ہمّت کو پست نہ کر دے۔بہر صورت یہ کام مفکّرین کے کاندھوں پر ہے کہ وہ ہم خیال لوگوں کو جمع کر کے دینی مدرسوں سے رابطہ قائم کریں۔نہایت شائستہ مذاکرات کے ذریعہ ایک مستقل شعبہ، دروسِ تعلیم نفسیات کا انتظام کریں۔جس میں اعلیٰ درجے کے ماہرین نفسیات کی مستقل طور پر تقرّری ہو۔تحقیقات کی آسانیاں اسے میّسر ہوں۔ان سے استفادہ کر کے زمانے کے روز افزوں ترقی و تنزّلی کے مدنظر curriculum بنایا جاتا رہے، بزرگ علماء بھی اس گروہ میں شامل ہوں۔اس میں تجربہ گاہوں کا بھی بندوبست ہو، جو زمانے کے اتار چڑھاؤ کے مدّنظر اس کے اقدار کو روبہ ترقّی رکھے۔ایسے بچّوں کی تلاش کریں جو اعلیٰ صلاحیت کے مالک نہات ہونہار ہوں، ان میں سربراہی کی جھلک عیاں ہو۔ان کو چننے کے لئے، اعلٰی درجہ کا ایک کمیشن تشکیل پائے۔

ان تجربہ گاہوں سے حاصل شدہ افکار، طلبہ کو اس طرح پڑھائے جائیں کہ وہ بعد از تحصیل جب میدان ہدایت میں اتریں، خواہ وہ مساجد میں مشغول ہدایت ہوں یا منبر سے تبلیغ کا کام انجام دیں، نفسیاتی دروس کے مدّنظر جو انہیں مدرسوں سے موصول ہوئے ہیں، شامل حال رکھیں، تا کہا ان کی گفتگو سامعین کے باطن میں اتر کے غفلت سے نجات دلا دے، اور انہیں بیدار کر کے معاشرے میں اخلاق حمیدہ کو کامیابی کے ساتھ عام کرنے میں معاون ثابت ہو۔

اس کے علاوہ انفرادی طور پر بھی غفلت سے جان چھڑانا مشکل کام نہیں۔فقط ایک گرم خواہش کی ضرورت ہوتی ہے۔خصوصاً جب غفلت کی تباہ کاریوں پر نظر ڈالا جائے، ذہن کے پردے پر جو نقش ابھرتے ہیں۔جذبات میں ابھار کا باعث بنتے ہیں۔ان ابھرے ہوئے جذبات کے ساتھ غفلت سے چھٹکارے کی تمنا یا خواہش اس مقصد کے بر لانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ ۔ضرورت فقط یہ ہے کہ اسی جذبات بھری حالت (مگر جسم پر سکون طاری کر کے) میں خود سے کہا جائے کہ 'اب میں ہر وقت مستعد رہتا ہوں، اپنے آپ کو اپنے، دوسروں، یا معاشرے کے مسائل کے حل کرنے میں کوئی تساہلی نہیں کرتا'۔اسی آرزو کے ساتھ اس جملے کی، سونے سے پہلے، صبح بیدار ہونے پر اور دن میں بارہا تکرار، غفلت کے چنگلوں سے آپ کو رہائی دلا دے گی ۔جذبات کا ابھار ہونا شرط ہے۔غفلت دور کرنے میں اتباعِ ولی، جو فرض کی حیثیت رکھتا ہے امداد حاصل کی جا سکتی ہے۔اضطراب میں گھلا ورد کہ اگر مقصد کی بر آوری میں تساہلی برتی تو عاقبت اثر انداز ہوگی؛ راہ ہموار کرتا ہے۔

دورانِ انتظارِ قیامِ امام مہدیؑ، ہماری غفلت

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی، تو آپ کہہ دیجئے کہ تمام غیب کا اختیار پروردگار کو ہے، تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں ہوں۔(یونس ۱۰:۲۰)

رسولخداؐ نے فرمایا:۔میرے پیروکاروں کے بہترین اعمال، انتظار فرج اور کامیابیٔ دینِ خدا ہے۔(عیون الاخبار جلد ۲ ص ۳۶)

قیامِ مہدیؑ کے سلسلہ میں رسول اللہ کی متعدد احادیث موجود ہیں۔دنیا کے بیشتر مذاہب اس

عقیدے کے حامل ہیں۔ ایک مقام پر رسول نے فرمایا: ’وہ قیام کرے گا اور زمین کو عدل انصاف سے پر کردے گا جیسے وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی‘

مندرجہ بالا عبارات صاف صاف بتارہی ہیں کہ ظلم ناپسندیدہ عمل ہے اور عدل میں وہ قوت موجود ہے کہ ظلم کو نابود کر کے انسان کو ترقّی و کمال کے راستے پر گامزن کردے۔ ہم دیکھ رہے ہیں طاغوتی طاقتوں نے انسان کو مختلف اقسام کے راہِ حق سے منحرف کردینے والے، فریب زدہ پر کشش مشاغل میں جکڑ دیا ہے، تاکہ وہ اپنے وجود کو بھول کر غلاموں کی طرح ان کے مفاد کے لئے کام کرتے رہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ لوگ بھی جو سچّائی پسند ہیں، اور راہِ راست پر قائم رہنے کے خواہشمند ہیں، اپنے آپ کو لاچار پاتے ہیں۔ چونکہ ہم منتظر ہیں کہ امامؑ دنیا میں عدل انصاف قائم کریں گے اور ہماری خواہش بھی یہی ہے، تو لازم ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہمارے تعلّقات و معاملات میں، بلاتفریقِ مذہب و ملّت، پوری انسانیت کے لئے عدالت کی کارفرمائیاں نمایاں طور پر اثرانداز نظر آئیں۔ جو لوگ سختیوں میں پھنس گئے ہوں اور انہیں کسی صورت میں بھی طاغوت سے مصالحت گوارہ نہ ہو؛ کھلے دل سے تحمّل اور ثابت قدمی کے ساتھ اس میں سے نکلنے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ اگر وہ محکم ارادے کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں، ان میں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے؛ غیر موافق حالات سے نبرد آزما ہونے اور مدافعت کی لامتناہی قوت پیدا ہوجائے گی۔

اس معاملے میں ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا ہوگا، تاکہ اپنے اس مقصد سے ہٹنے نہ پائیں ۔عام انسان تن آسانیوں میں پڑ کر سست ہوجاتا ہے؛ ایسے حالات میں لغزش امکانات سے باہر نہیں ہوتی۔ اس کیفیت سے بچنے کے لئے اور اپنے مقصد پر قائم رہنے کے لئے یاددہانی کا بندوبست لازم ہوجاتا ہے۔ انتظار چونکہ ایک مستقل کیفیت ہے، اس امرِ مہم کی طرف اپنے آپ کو راغب رکھنے میں نہایت سازگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں عظیم قوت اور خوبیوں کی مالک ’قیامِ صلاۃ‘ جو مستقل یاددہانی کی الٰہی عطا ہے، دن میں پانچ مرتبہ اس کو ادا کرنا مسلمان پر واجب بھی کردیا گیا ہے، اور اس کی ادائگی سمجھ کر غور و فکر، حضوریٔ قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ، شرائط میں شامل ہے۔ اس مقام پر مکرراً چند اہم

معروضات پیش کرنا لازم ہے کہ حق کی اس راہ میں کج روی کا باعث بنتی ہے، اور مقصد کی برآوری میں اس شدّت سے مانع ہے کہ مقصدِ الٰہی کو اکارت کر دیتی ہے، وہ ہے:۔

نماز، اور تلاوتِ قرآن کے دوران کلمات کو بے سمجھے زبان سے ادا کر دینا؟

چونکہ صدیوں سے پشت در پشت، غیر شعوری طور پر بغیر سمجھے بوجھے، صلاۃ کی ادائگی رائج ہے یا ہم اسے اپنائے ہوئے ہیں؛ اس میں خود فریبی کا جو عنصر موجود ہے، ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ ہم زبان سے کلمات ادا کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کے مفاہیم کیا ہیں۔ اس خود فریبی نے اہم دینی و دنیوی امور کی انجام دہی میں ہمیں تساہلی و انحراف کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے اثرات ہمارے اور ہماری اولاد کے اخلاق میں نمایاں ہیں۔ یہ ہماری عادت کا حصّہ بن کر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے ہم پر ترقّی کی راہیں مسدود ہیں۔ اس غفلت کی طرف متوجّہ کرانے والا کوئی نہیں۔ حوزہ ہائے علمیہ اور مدرسے بھی اسے گوارہ کئے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں وہاں سے، حجت الاسلام کی ڈگریاں لے کر نماز پڑھانے والوں یا منبر سے من مانی تقاریر کرنے والوں کو ہم دوش نہیں دے سکتے۔ جب مالکِ یوم ا لدین کی شناخت ہی نہ ہوگی، تو جہنم کا خوف کیسا۔ بے راہ روی کے لئے راہ ہموار!!۔ عوام بیچارے کس طرح ڈنڈا ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو جائیں۔ انہیں روزِ اوّل سے بتا دیا گیا ہے کہ عمامہ جس کے سر پر رکھا ہوا ہو، اس کا ہاتھ چوما کرو، وہ تمہیں جنّت میں پہنچا دیں گے۔ ہماری اس خود فریبی کی روش نے ہمیں اپنے امام (ع) کی طرف سے بھی غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ ہمیں پرواہ نہیں کہا ان کی غیبت میں ہمارے فرائض کیا ہیں۔ بار بار اس مسئلہ پر جرائت تکرار احساس شرمندگی پیدا کرتی ہے۔ مگر اس کے بغیر کوئی اور چارہ ہی نہیں۔ کسی بات کو بغیر سمجھے اس پر عمل پیرا ہونا محال ہے۔ بہر حال، عربی زبان کا گھروں میں رائج کرنا ہی اس کا حل ہے۔ پسماندہ اور دین سے دور رکھنے کے لئے یہ زبان ہم سے جدا کرا دی گئی تھی۔ اس کی بحالی بطور ثقافتی زبانِ اسلامی لازم ہے، قیامِ صلاۃ، ہمیں ہر وقت چاق و چوبند رکھنے کیلئے ایک عظیم تحفہ ہے جو بغیر عربی جانے ہوئے اثر انداز نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے ہمیں اس کی طرف متوجّہ ہونا پڑے گا۔

قیامِ صلاۃ کی وضاحت

صلاۃ = اتباع؛ اطاعت یعنی اللہ کے احکام کی فرماں برداری

قیام = کھڑا ہو جانا؛ برپا کرنا

قیامِ صلاۃ = اطاعتِ الٰہی کے مدّنظر، معاشرے میں اللہ کے احکام کے اجراء کیلئے اٹھ کھڑے ہونا۔

چونکہ یہ عمل با جماعت برپا ہوتا ہے، اس لئے قیامِ صلاۃ؛ متحدّ ہو کر اطاعتِ الٰہی کے لئے میدان میں آ کر کھڑے ہو جانا ہے۔ مقصود حقوقِ انسانی کو عدل و انصاف کے ساتھ بحفاظت ان تک پہنچانا ہے

سورۃ حمد، چونکہ پورے قرآن پر محیط ہے، انسانی روابط میں خوش اخلاقی، تسلیم و رضا کا سلیقہ سکھاتی ہے، قرآن کے رو سے حقوقِ انسانی کو اس کے حق میں محفوظ رکھنا: ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف و احترام سے پیش آنا اعمالِ انسانی کا لازمہ بن جاتا ہے۔ کسی طرف سے مزاحمت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مِل جل کر یہ عمل مشکل نہیں رہتا۔ ہر شخص، دوسرے کا خادم و مددگار بن جاتا ہے۔ متعلقہ امور آسان ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جب اونچ نیچ کے امتیازات مٹ جائیں گے، ہر فرد و بشر میں عدل کے ساتھ خدمت گذاری کا جذبہ اجاگر ہو جائے گا، بڑھ چڑھ کر خدمت شرم کی بات ہی نہیں رہے گی۔ اس کام میں سبقت لیے جانا کارِ احسن سمجھا جانے لگے گا۔ شرط یہی ہے کہ قرآن کی تلاوت اور ادائگیٔ صلاۃ، عربی دانی کے ساتھ واجباً کی جائے۔ اس طریقے سے اس کے مفاہیم و مطالب میں، انسانی روابط کے لحاظ سے جو ہدایات موجود ہیں، دل کی گہرائیوں میں مستقل طور پر جاگزیں رہ کر یاددھانی کراتی رہیں گی اور ان پر عمل پیرا رہنا ہماری عادت بن جائے گی۔ ترقّی کی مسدود راہیں کھل جائیں گی۔ انسان کی پرواز کمال کا رخ اختیار کرے گی۔ قلب کو قوت بخشنے والی چند آیات

ملاحظہ فرمائیے:

النحل اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ.

بے شک خدا عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ (نحل ۱۶/۹۰)

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ

جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ، چاہے اپنے اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (انعام ۶/۱۵۲)

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿٢٨﴾

بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے، اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کیا کہ انصاف کے ساتھ قیام کریں حدید ۵۷/۲۵ اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو، جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلبگار ہیں، خبردار تمھاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ زندگانی دنیا کی زینت کے طلبگار بن جاؤ اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنے خواہشات کا پیروکار ہے، اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔ کہف ۱۸/۲۸

مندرجہ بالا آیات، واضح طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جو اللہ کی مرضی کے طلبگار ہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ قیام کریں۔ دوران قیام، عدل، انصاف اور احسان کی روش اختیار کریں۔ جہاں تک قیام کا تعلق ہے، وہ کسی مقصد کے حصول کے لئے ہو یا کسی کو اس کے حقوق جو جابر و ظالم نے غصب کر لئے ہوں واپس دلانے کے لئے ہو۔ یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اللہ نے انسان کو جس کام کیلئے خلق کیا؛ یعنی اپنی عبادت کے لئے، اگر وہ عبادت سے متعلق جو امور ہیں، ان سے غفلت برتتا ہے، تو وہ بھی اسی زمرے میں آجاتا ہے، کہ اس کے خلاف قیام کیا جائے۔ یہ اتنا بڑا مسئلہ بن گیا کہ جس سے صرف وہی لوگ بچتے ہوئے نظر آتے ہیں، جو حدید ۵۷/۲۵ کے حدود میں آتے ہوں۔ دور کیوں جایا جائے، سب سے پہلے تو خود کے خلاف قیام کیا جانا لازم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عبادت کی تعریف کیا

ہے، ہمیں نہیں پتہ۔ عبادت کرنا تو در کنار!!

امام (ع) انہیں لوگوں کے خلاف قیام کریں گے جنہوں نے حق عبادتِ پروردگار ادا کیا نہ ہوگا۔ عبادت کا حق ادا نہ کرنے والے ہی تو ظالم ہیں۔ تسلیم و رضا کا حق دورانِ صلاۃ فقط رکوع یا سجدہ میں سرخم کر لینا نہیں۔ اللہ کے دئے ہوئے احکام کی پوری پابندی ہے۔ اسے تو کسی بات کی احتیاج ہی نہیں، نہ ہمیں اس کی سمجھ ہے۔ اس کا وجود ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ چونکہ عبادت کا تذکر نکل آیا ہے، لازم ہے کہ اختصار کے ساتھ اس پر نگاہ ڈالی جائے۔ یہ بات عیاں ہے کہ حصول خوشنودئ خدا، عملِ صالح میں مضمر ہے۔ ربّانیتِ پروردگار کا پہلے بھی تذکرہ آچکا ہے، یعنی تدریجاً ترقّی دینے والا۔ یہی خصوصیت وہ اپنے خلیفہ: انسان میں دیکھنا چاہتا ہے۔ جو عبادت کی فہرست میں، بالاترین مقام کا حامل ہے، جس کا لازمہ علم ہے: علومِ دیگر کے علاوہ پیش رفت انسانی میں سائنس و ٹکنالوجی کا بہت بڑا کردار ہے۔ اسے ترقّی دے کر دکھوں میں مبتلا انسان کو حیوانیت کی زندگی سے نکال کر، بحالِ انسانیت کرنا ہے۔ گویا کہ جہالت کے خلاف قیام کر کے پس ماندگی کا قلع قمع کرنا اور ظالم کا کلّہ چیر کر حامل خوشنودئ خدا بن جانا ہے۔ ہم ابھی بھی بھیک دے کر خوش ہو جاتے ہیں، جبکہ ہم اسے بھک منگا تر بنا دیتے ہیں۔ ان کے لئے اعلیٰ علوم، تحقیق و تجربات کا انتظام، اصل عبادت ہے۔ کیپٹل ازم غریبوں کا خون چوس کر تجوریوں کو بھرنے کا نظام ہے، اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے کتنے قسم کے مواد اور آلے تیار کر لئے ہیں: لوہے سے ہلکا اور کہیں زیادہ مضبوط گریفین نے مکان، پل، جہاز و کار سازی کو کس قدر سستا اور آسان بنا دیا ہے ایسے آلے جو فقط خارج شدہ سانس کو درک کر کے، مرض کا پتہ بتا دیں عام ہونے والے ہیں۔ اسلام کے ماننے والے اگر اقتصاد اسلامی کو اختیار کر لیں، موجودہ گری حالت میں بھی، دین کا دامن تھامے ہوئے اعلیٰ علوم حاصل کر کے ان پر دست رس حاصل کر سکتے ہیں۔ تحقیق و اختراع کا کام، اس زمانے میں جوئے شیر لانے کی بات نہیں رہی ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کی جھلک دکھا دیجئے، پھر دیکھئے اس کے تیشے کی دھار۔ کیسی پھرتی سے سنگلاخ پہاڑیوں کے سینے کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ ضرورت ہے: ’ہاتھ جس چیز پر پڑ جائے گریباں ہو جائے‘۔

اللہ سے ہماری یہ دعا کہ وہ ہمیں اعوان و انصارِ امام (ع) میں شامل کر دے۔اس وقت، جبکہ ہم غفلت میں پڑے اپنی پستی کا درک بھی نہیں کر پا رہے ہیں، مہمل سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیا جس کے خلاف وہ قیام کرنے والے ہیں اسی کو اپنا نصیر بنالیں گے؟۔یہ بات آ بیل مجھے مار کے مترادف ہے عجیب دعا ہے! ہمارا پیش امام یہی دعا کراتا ہے، ہم بھی وہی دہرادیتے ہیں۔جب فارغ از تحصیل مولوی کو عبادت کی شناخت نہیں، تو ہم کہاں جائیں، کون ہماری رہبری کرے؟ اگر ہم مدرسے میں بھی داخلہ لے لیں تو وہ بھی وہی پڑھائیں گے۔تو کیا یہ کہہ کر بیٹھ جائیں 'ہماری جانے بلاء؟'۔راستے بند ہوں تو کیا کیا جائے؟

مرد باید کہ ہراساں نشود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔نہایت جلی الفاظ میں حل موجود ہے ۔صرف غفلت کی بناء پر آنکھوں سے اوجھل ہے۔عام احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ 'مشہور حدیثِ ثقلین' سے اتنی بار سنا ہے کہ عادت میں پڑی، غور و فکر اور عمل سے عاری، یہ حدیث تیزی سے زبان پر جاری ہو جاتی ہے، اور بس!! لازم یہ ہے کہ سمجھ کر، اطمینان سے، گہری نگاہوں کو بروئے کار لاکر پڑھ لیا جائے۔نیت میں خلوص کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا جائے کہ ہم اس حدیث پر ہر حالت میں عمل پیرا رہیں گے۔ملاحظہ فرمائے:

تمہارے درمیان دو بیش بہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہل بیت۔یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے، حتیٰ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں۔اگر تم ان سے آگے بڑھو گے یا ان سے پیچھے رہ جاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔انہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

قرآن: آقا اور بندے کے درمیان عربی زبان میں گفتگو ہے (۲۸/۳۹) مالک ہدایت دیتا ہے کہ دنیا کی مسافرت میں وہ کس طرح (اسلام کی نظر میں) نامعقول باتوں سے بچتا بچاتا، خدمت گذاری کرے کہ اس کے لئے قابلِ قبول ہو، اور وہ اسے ایسے اجر سے نواز دے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

اہل بیت: اللہ نے ان کی رہبری یہ کہہ کر فرض کر دی کہ انہیں ہر برائی سے دور رکھے گا۔یعنیان کی دی ہدایات کبھی بھی حق سے ہٹ کرنہیں ہوں گی (۳۳/۳۳)

جب ہم قرآن کو عربی زبان سیکھ کر، اس کے معنیٰ اور مقاصد کا پتہ لگائیں گے اور اہلبیتؑ کی پاک روش کا احادیث، نہج البلاغہ وصحیفہ کاملہ وغیرہ سے حاصل کر کے اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے تو وہ باتیں جو ہم تک اپنی اصلی حالت میں پہنچ نہیں پاتیں، ہم پر عیاں ہو جائیں گی۔ ہمارے اعمال بفضلِ خدا درست راہ پر استوار ہو جائیں گے۔اور ہم خود علم وتقویٰ کے اعلیٰ مدارج طے کر کے، قیام برائے فلاحِ انسانی کی طرف رخ کریں گے۔امام سجادؑ کی انسان کو کمال کی بلندیوں پر پہنچانے والی دعائے مکارم الاخلاق سے، نمونے کے طور پر اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔حضرتؑ فرماتے ہیں:۔

بارالٰہا! محمدؐ وآلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان کی اتباع کرتے ہوئے اس امر کی توفیق عطا فرما کہ جو بظاہر مجھ سے دوستی کرتا ہے، مگر دراصل میرے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے، مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کے ساتھ خیر خواہی کروں۔جس نے مجھے چھوڑ دیا ہے اس سے حسنِ سلوک سے پیش آؤں، جس نے مجھے محروم کیا ہے اس پر بخشش کروں۔خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہر اس شخص کے ساتھ رابطہ قائم کروں، جس نے میرے ساتھ قطع رحم کیا۔جو پسِ پشت میری برائی کرے اس کے بر خلاف اس کا ذکر خیر کروں اور حسنِ سلوک پر شکر گذاری کروں اور بدی سے چشم پوشی کروں۔

بارالٰہا! محمد اوران کی آل پر رحمت نازل فرما، مجھے ان کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور عدل کے نشر، غصہ کے ضبط، اور فتنہ کو فرو کرنے، متفرّق (جو ایک دوسرے سے جدا ہو گئے) اور پراگندہ لوگوں کو ملانے، آپس میں صلح صفائی کرانے، نیکی ظاہر کرنے، عیب پر پردہ ڈالنے، نرم خوئی وفروتنی اور حسن سیرت اختیار کرنے، رکھ رکھاؤ قائم رکھنے، حسن اخلاق سے پیش آنے، فضیلت کی طرف پیش قدمی کرنے

، تفضّل واحسان کو ترجیح دینے ،خوردہ گیری سے کنارہ کشی ،غیر مستحق کے ساتھ حسن سلوک ترک کرنے اور حق بات کے کہنے اگر چہ وہ گراں گذرے ،اور اپنے قول وعمل کی برائی کو زیادہ سمجھنے اگر چہ وہ کم ہو۔ مجھے نیکو کاروں کے زیور اور پرہیز گاروں کی سج دھج سے آراستہ کر۔ان تمام چیزوں کو دائمی اطاعت اور جماعت سے وابستگی اور اہل بدعت اور ایجاد کردہ رائیوں (دکھاوے) پر عمل کرنے والوں سے علیحدگی کے ذریعہ پائے تکمیل تک پہنچا ہے۔

اندازہ لگایئے ؛اگر ہم مذکورہ بالا طرز زندگی کو اپنا لیں تو اپنے آپ کو آسودگی کی کس قدر اعلیٰ منزل پر پائیں گے۔ دوسروں کے درمیان ہماری قدرومنزلت کس مقام پر جا پہنچے گی؟ ہمارے اعمال ان حقیقتوں سے دور کس قدر اندھیرے میں جا پڑے ہیں، پڑھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔لازم ہے کی ہم پوری دعا کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھیں ورد زباں رکھیں تا کہ اس پر عمل پیرا رہیں۔امامِ زمانہؑ (ع) کے قیام میں ان کی خدمت گذاری کی امید بغیر ان اعمال کے مالک بنے ناممکن ہے۔

اصول وفروع دین کی پیروی آخرت کی محافظ ہے۔راہِ راست پر رکھ کر خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے میں مددگار ہیں۔قیامِ صلاۃ متقاضی ہے کہ ہم، انسانی پیش رفت کے مدنظر،لوگوں کے لئے اعلیٰ تعلیم، تحقیق اور اختراع کیلئے ہمہ وقت حالتِ قیام میں رہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر: قیام ہائے انبیاء، مرسلین وآئمہ کا بنیادی عنصر کا کام کرتے رہے ہیں۔امام (ع) دیکھ رہے ہیں، آیا کہ ہم امام حسین علیہ السلام کی خواہش کے مطابق اس پر عمل پیرا ہیں یا نہیں۔تقویٰ کے شروط میں یہ اہم شرط ہے۔ امامؑ (ع) کا احیائے دین کے لئے مجوزہ قیام کا مشن یہی ہوگا۔ ہمارے لئے اس کا راستہ کھلا ہوا ہے جسے اپنا کر ہم امید کر سکتے ہیں کہ ہمارے اعمال واخلاق اس قدر سدھر جائیں کہ ہمیں امام (ع) کی خدمت گذاری کا شرف حاصل ہو سکے۔

تقویٰ کو عام طور پر نا قابل عمل امر بتا کر پیش کیا جاتا ہے، حال آنکہ وہ دینی فرائض کی پابندی، معاشرہ، گروہ، افرادِ خاندان کے معاملات میں عدالت پسندی، انسانیت سے ہمدردی، اس کی ترقی میں متحدہ معاونت وامداد کا کام کرتا ہے۔ سماج میں: شخصیت، خاندان، گروہ وفرقہ پرستی، جو عدل

وانصاف کے خلاف ہے؛ان سے اجتناب کی تاکید کرتا ہے۔گویا کہ یہ ایک عالم گیر عادلانہ مشن : عدالت کی پاسداری ہے جو، بے راہ روی کو راہ نہیں دیتی۔اگر بے راہ روی کو چھوٹ دے دی جائے تو تقوٰی کو راہ نہیں ملے گی۔انتظارِ امام (علیہ السلام) بے معنٰی ہو کر رہ جائے گا۔اولاد نسل در نسل بے راہ روی کے دلدل میں غرق ہو کر عاقبت خراب کرلے گی۔اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ درحقیقت انتظار امام (ع) انسان کے لئے مہلت ہے، پاکیزہ اوصاف اپنا کر، عاقبت اندیش بن جانے کا۔

غیبت امام (ع) کا موجودہ دور، وہ زمانہ ہے جس میں دنیوی ترقّی کی رفتار خاصی تیز ہے۔بے راہ روی کو بھی بڑا فروغ ملا ہے۔امام (ع) کے انتظارِ ظہور کے ان پیش رفتہ ایّام میں ہر شعبۂ حیات کو ترقّی ملی ہے۔ہمیں اللہ کی طرف سے مہلت میسّر ہے، کہ ذہنی ارتقا جو بھی ہمارے حصّہ میں آیا ہے،اس کی مدد سے اپنے اخلاق کو دینی احکام کے تحت بالاترین درجہ پر پہنچائیں اور متحدّہ محاذ بنا کر، جس طرح قیامِ صلاۃ ہم سے توقّع رکھتی ہے، کمزور بنادی گئی انسانیت کے لئے اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کریں، تا کہ وہ بھی تحقیق واختراع کے میدان میں سرپٹ جیسی دوڑ لگا کر دنیا کی موجودہ ترقّی سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جائے۔یہ بات بعید از قیاس نہیں، اس لئے کہ اس وقت جو لوگ تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں، ان میں فراوانیٔ مال واسباب نے تن آسانی پیدا کردی ہے۔ان کا بیشتر وقت عیش وعشرت میں صرف ہو جاتا ہے، وہ اس اہم کام کو، اس قدر وقت جو اس کا حق ہے نہیں دے پاتے۔اسی مقام پر، جب مستضعف کو اس کام میں مشغول ہونے کا موقع میسّر ہوگا، سخت جان ہونے کی بناء پر ترقّی کی دوڑ میں سبقت لے جائے گا۔اس کے پاس جو بھی وقت ہوگا اسی کام میں لگا دے گا۔دورانِ تعلیم اسے ان باتوں کی بھی ترغیب دلایا جانا ضروری ہوگا۔چین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔افیونی قوم نے مغرب کی مستیوں میں تھرکنے والوں کو ایسا پچھاڑا ہے کہ وہ دنگ رہ گئے۔مقصد طنز نہیں۔انہیں بھی آنکھ کھول لینے کی ضرورت ہے۔بے راہ روی کو ہوا دے کر انہوں نے جس طرح اور تیزی سے اپنے اخلاق کو گرایا ہے، اسی قدر جلد پلٹ آنے کی ضرورت ہے۔اللہ کوشش کرنے والے کی مدد ضرور کرتا ہے۔وہ انسان کو کمال کی طرف جھپٹّا مار کر اڑتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔یہ کمزور بنادی گئی انسانیت کو علم وتقوٰی کے اعلیٰ مقام

پر پہنچائے بغیر ممکن نہیں۔قیامِ صلاۃ کی پانچ وقت بانگ (اذان) اسی امرِ مہم کی طرف دعوت دیتی ہے۔

غفلت کو دور کر کے، انتظار ظہورِ امام (ع) کے اس دور کو ہمیں غنیمت جاننا چاہئے۔علوم اور سیاست کو جب تک ہم دین کی زنجیر میں جکڑیں گے نہیں، انسان بے راہ روی کے ہی حوالے رہے گا۔ہم مرجعِ وقت سے دست بستہ ومعذرت کے ساتھ مستدعی ہیں کہ وہ جلد تر حوزہ ہائے علمیہ کے **curricuwm** کی طرف بہ لطف وکرم دھیان دیں، تاکہ دور گذشتہ میں، وہاں سے تحصیل شدہ علماء جن میں اصلاح کرنے کی صلاحیت کا فقدان رہا ہے، وہ بھی، کم مدت کے مختصر کورس میں حصّہ لے کر، آئندہ اس کارِ خیر میں سرعت کے ساتھ مشغول ہو جائیں۔موجودہ دور میں انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔دلائل کے ساتھ بات کرنے کی ان میں استعداد نہیں۔قرآن، صلاۃ، دعاؤں اور زیارات کو بغیر سمجھے، پڑھا دینے اور پڑھ لینے کو جائز جانتے ہیں۔یعنی جہالت اور خود فریبی کو فروغ دیتے ہیں۔پسماندگی کی بناء بھی یہی ہے

اسلام معقولیت کا دین ہے۔کامل اخلاق؛ وہ اخلاق ہے جو عقل اور ارادہ کی بنیاد پر ہو۔ مدلّل ارادہ عقل کی معاونت کر کے جبلّی رجحانات: خواہشات، نفرت ومحبت کے تمام جذبات کو قابو میں رکھتا ہے۔ان معقول باتوں کے مخزن، اللہ کے بھیجے ہوئے طاہر ومطہر محمد وآلِ محمدؐ ہیں۔ان لے کردار میں اس قدر کشش وجاذبیت ہے کہ انسان ان کا گرویدہ ہو کر رہ جائے۔ان کا محب ہونے میں فخر کرے۔ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر زندگی بسر کرنا ہی ان سے محبت ہے جس کے لئے قرآن تاکید کرتا ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾۔

ان سے محبت ہوگی تو ذہن ان کی طرف مائل رہے گا، ہم فقط معقول امور کی طرف راغب رہیں گے۔نتیجتاً ہمارے اعمال بے راہ روی کا شکار ہونے سے بچے رہیں گے۔

لہٰذا لازم ہے کہ، امامؑ (ع) کے ظہور سے پہلے کے ایام جو ہمیں اس وقت میسّر ہیں غنیمت

جائیں، قرآن و احادیث اور ہدایاتِ محمد و آلِ محمدؐ کی روشنی میں اپنا احتساب کرتے ہوئے، علوم کے اعلیٰ وارفع مقامات خود طے کریں اور عوام کو بھی اس کے حصول کی سہولت مہیا کر کے دین کی طرف راغب کریں، جملہ مسلمانوں کے اعمال کو بلا تاخیر دین کے ساتھ ہموار کر کے متقی لوگوں کی صف میں آ کھڑے ہوں۔ اس امر کو التویٰ میں نہ ڈالیں۔ ہوسکتا، ہے آپ کے شامل ہوتے ہی، امامؑ (ع) احکامِ جہاد جاری کر دیں۔

طویل دورِ انتظار، اپنی شناخت کر کے حق شناس بن جانے کے لئے ہے۔

اس پورے باب پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اللہ نے انسان کو جس منصب پر فائض کیا تھا وہ اس میں ناکام رہا۔ چونکہ اس نے اس معاملے میں اللہ کے احکام سے روگردانی کی، منہ کی کھائی اور طاغوتی قوتوں کے جال میں جا پڑا، اور اب غلامی کی روٹی توڑ رہا ہے۔ قافلہ سالاری جو اس کے ہاتھوں میں دی گئی تھی دوسروں نے چھین لی، اور انہوں نے اس قافلۂ انسانیت کو ایسی راہ پر ڈال دیا جہاں چاروں طرف جلاّد، گدھوں کی طرح انسانیت کو نوچ نوچ کر کھائے چلے جا رہے ہیں۔

غفلت کا ہر طرف سکّہ چل رہا ہے۔ اگر کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اقتصادِ اسلامی کا علم نہ رکھنے کی بناء پر، دین سے غافل، بے راہ روی کی سمت بھاگا چلا جا رہا ہے۔ اگر علم دین حاصل بھی کر لیا ہے تو اس پر عامل نہیں۔ اپنے فرائض سے غافل، اپنی پگڑی سنبھالنے میں بھی ناکام ہے۔ آنکھ کھول کے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ غفلت تو پیچھے رہ گئی اب آدمی ڈھٹائی کی کھڈ میں جا پڑا ہے۔ یوم الدین پر، اللہ کے سامنے اگر ہمیں سرخرو ہونا ہے تو بھٹکی ہوئی راہ کو بلا فاصلہ ترک کر کے تقویٰ کی آسان اور ترقّی یافتہ راہ پر وارد ہو جانا ہوگا۔ اسی راہ پر انسانیت کی فلاح بھی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان سارے معاملات میں اقتصادِ اسلامی کا بڑا حصّہ ہے۔ اگر اسے اپنایا نہ گیا تو سارے اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ اس پر گذشتہ صفحات میں گفتگو ہو چکی ہے۔ امام کی طرف سے تاکید ہے کہ جب بھی فراوانی ہاتھ آئے، اخراجات کو قلّت کے زمانے سے تجاوز نہ ہونے دیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح جو مال و متاع بچے وہ انسانیت کی فلاح پر صرف کیا جائے۔ یہ بھی یاد

رہے کہ ہمارے امور محتذ ہ طور پر انجام پانا چاہئے۔

بیداری ہی میں بھلائی ہے، کہ ہماری غفلت زدہ زندگی ہماری اولاد پر اثر انداز ہوئے بغیر رہے گی نہیں ۔جو وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔التوی' میں جو بات جا پڑتی ہے معدومیت کی شکار ہو جاتی ہے۔جو لمحہ ہاتھ میں ہے ضائع ہونے دیا نہ جائے۔یہی عبدیتِ الٰہی کا تقاضہ بھی ہے۔

بسمہ سبحانہ

۵۔ بلوغیت ناظرِ اخلاق

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾

پھر بدی اور تقویٰ کی سوجھ بوجھ عطا۔ وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور وہ نا مراد رہا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔ (شمس ۹۱/ ۸۔ ۹۔ ۱۰)

جنگلی جانور کا بچّہ حالانکہ پیدا ہوتے ہی کللیں مارنے لگ جاتا ہے، اس کے بالغ ماں باپ، چونکہ وہ خود اس دور سے گذر چکے ہوتے ہیں، اس کی ناسمجھی و ناتجربہ کاری کا انہیں علم ہوتا ہے، کہ اگر وہ ان سے دور رہ کر بے راہ ہو گیا تو بھیڑئے کی نذر ہو جائے گا۔ بچّے کو اپنے قریب رکھ کر پیار و محبّت کے ساتھ، اشاروں و کنایوں سے ہدایت کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سکھاتے رہتے ہیں کہ ریوڑ کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کیسے چلا جائے کہ انہیں تکلیف نہ پہنچے، اچھی غذا کون سی ہے اور کہاں دستیاب، پینے کے قابل صاف پانی کہاں بہتا ہے، محفوظ راستے کون سے ہیں۔ درندوں سے بچ کر رات کہاں گذاری جائے، وغیرہ، وغیرہ۔ گویا کہ اس کی اور اس سے چلنے والی آئندہ نسل کی بقا کی خاطر سب کچھ اسے سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تا کہ وہ بالغ ہو کر اپنی الگ کمان سنبھالے۔

اگر جانور کا وہی بچہ اپنی دانگ سے بدک جاتا تو کھلی بات ہے کہ اس کا یہ فعل، بلوغیت کے دائیرہ کار سے متجاوز ہے۔ جو کسی وجہ سے اس کے ماں باپ اسے سمجھا نہ پائے تھے، خلوص بھری تربیت اس کے ہاتھ نہیں آئی تھی اور وہ اس بے راہ روی میں جا پڑا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ رویّہ، اس کے دادا دادی کی غفلت کا نتیجہ رہا ہو، یعنی نسلاً بعد نسل چلتا چلا آیا ہو۔ بہر حال، بے وجہ یہ کوتاہی وجود میں نہیں آئی۔ جانوروں کے معاملے میں جبلّت کا زیادہ عمل دخل ہے، پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سڑکوں پر کتنے ہی

جانور، گاڑیوں کے تلے آ کر مرے پڑے ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت، بلوغیت کے محدود دائرۂ کار کی نشاندہی کرتی ہے۔ انسان میں بھی جبلّت اپنا اثر رکھتی ہے۔ اس میں اللہ کا عطا کیا ہوا غیر محدود فہم و ادراک، اور ترقّی کی صلاحیت کے ساتھ، میدان کار بھی لامحدود ہے۔ ایک دوسرے سے منسلکہ، جبلّت کے علاوہ مذکورہ صورتیں، تدریجی ہیں، اور میلانِ طبع کے تابع ہیں، مگر لچکدار ہیں۔ جتنے لمبے ہاتھ بڑھائے اتنا میدان قابو میں کر لے۔ جو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے، اسے پیر پھیلانے کی بھی جگہ نہ ملے گی۔

اس دنیا میں ہر شے کی ساخت اس کے مصرف کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، ایک کی احتیاج دوسروں کے وجود سے پوری ہوتی ہے، جیسے جانور گھاس وغیرہ کھا کر صحتمند رہتا ہے اور شیر کی توانائی کے لئے اس کا گوشت اس کی جسمانی احتیاجات پورا کرتا ہے۔ اس بناء پر کہ فطرت میں عدالت لازمی طور پر قائم رہے اور توازن قائم رہے قدرت نے ہدایت کا بندوبست رکھا۔ جہاں اس کی ہدایت سے پہلوتہی ہوئی۔ پلڑا الٹ پڑا۔ ہدایت کو بھی جھوٹ کی آمیزش کئے جانے کا مسئلہ ہمیشہ دامن گیر رہا ہے، اور جو اس وقت بھی عام ہے: مطلب پرست لوگ حدیثیں بھی گڑھ لیتے ہیں، اصل احادیث کے الفاظ میں ردّ و بدل کرا دیتے ہیں۔ قدرت نے حقیقت تلاش کرنے والوں کے لئے پہلے ہی سے انتظام کر رکھا ہے۔ اللہ کی ہدایات کے ہمراہ، ؛عقل، ضمیرِ انسانی کے ساتھ مل کر حق بات کا پتہ بتا دیتی ہے۔ یہ کام فقط اللہ کا عطا شدہ زندہ ضمیر انجام دے سکتا ہے۔ خلاصتاً، حق کو اگر تلاش کر لیا تو کھرے کھوٹے کی پہچان پیدا ہو گئی۔ انسانی بلوغیت، اور اس میں بلندی کا دار و مدار سچّوں سے رہنمائی حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے، اور ان سے لگاؤ میں خلوص کی حامل کیفیت میں پنہاں ہے۔ اگر خلوص میں کمی ہے تو ان سے کسی قسم کی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی اور ان کی بلوغیت ہمیشہ کجی کا شکار رہے گی۔

معلوم یہ ہوا ہے کہ جذبۂ بلوغیت خود کار نہیں ہے۔ یہ بیداریٔ مغز کے ساتھ، الٰہی ہدایات سے مزیّن علوم کے حصول سے ہاتھ آتا ہے؛ یہ لطیف وارفع قسم کی خود آگاہی ہے۔

بالغ انسان وہ ہے جو انسانیت کی بہبودی اور ترقّی کے مدنظر اللہ کی بنائی ہر شے سے استفادہ کر

تا ہے۔اور ارتقا کی منزلوں کو طے کرتا ہوا اللہ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔اس جہان میں اپنے تعلقات کو جملہ مخلوقات کے ساتھ،فقط حصولِ رضائے الٰہی کے لئے قائم کرتا ہے۔خوشنودیٔ خدا کیلئے: انسان کو اذیت پہنچانے والی ساری برائیوں کو ترک کر کے؛ صبر و استقامت، ایثار و قربانی،خود گذشتگی و انکساری،عفوو درگذر،سچّائی و امانتداری،عِفت ،عدل وانصاف، کے جذبے کو استوار کرتا ہے۔دوسروں کو دکھ درد میں مبتلا دیکھ کر اس کا دل تیزی سے دھڑکتا ہے،ان کی امداد کے لئے دوڑ پڑتا ہے۔ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ نہیں رہتا،وغیرہ وغیرہ۔

کسی حد تک ،بلوغیت کی تشریح شائد آسان ہو،مگر عملی طور پر ان پر عمل پیرا ہونا، کچھ مشکلات لئے ہوئے ہے۔اس لئے کہ اس کا بھی خوردسالی کی تربیت سے مستقیم تعلّق ہے۔اگر خلوص، انکساری و متانت سے لبریز بلوغیت کے حامل والدین کی سرپرستی شاملِ حال رہی ہے تو یہ خیر و برکت کا باعث بنی رہے گی،اور بچّہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائے گا،بشرطے کہ کسی دوسری جانب سے دخل اندازی نہ ہوئی ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ دین سے مزیّن ،دانشگاہی اعلیٰ تعلیمات کے ایسے مدارج طے کر لے کہ اس میں بیداری پیدا ہو جائے۔اس امر میں قرآن ،حدیث اور زندگانیٔ انبیاء مرسلین اور آئمّہ کا اس قدر غائر مطالعہ لازم ہے کہ ان کی تعلیمات باور کی حد جا پہنچے۔جو توانائی اس سے حاصل ہو، اسے ساکت و بے حس بیٹھنے نہ دے،اور بلوغیت کے درجہ پر فائز کر کے مخلص انسان بنا دے۔اس سے منفی قسم کی کوئی حرکت سرزد ہونا محال ہو : غصّہ،خود فریبی،خود خواہی،غرور وتمکنت،تکبّر،بے رحمی، ظلم، جاہ طلبی،امارت،عیش و عشرت (بشمولِ بزمِ طرب،طائفہ،ناب وکباب وغیرہ اور دوسروں کی ناموس پر حملہ) اپنی قوت کھو بیٹھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دین سے لگاؤ،صلح و احترام انسانیت،آشتی،کم گوئی۔سکوت طلبی،خودسازی،تحقیقات واختراع،اس کا وتیرہ بن جائے۔

بالغ انسان پر اگر کوئی مشکل آن پڑے تو وہ کمر کس کے مقابلے کے لئے میدان میں کود پڑتا ہے۔اس انتظار میں نہیں رہتا کہ کسی نہ کسی طرح خود ہی مسئلہ حل ہو جائے گا۔اگر نقصان ہو گیا تو ہو،اللہ کی مرضی۔

موجودہ دور میں مسلمانوں پر جو مصیبت آن پڑی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے امور کو خود حل نہیں کرتے، دوسروں سے کراتے ہیں۔ ہر معاملے میں دوسروں پر تکیہ رہتا ہے۔ جبکہ ہمارے پاس اللہ کے بھیجے ہادیوں کی عملی ہدایات موجود ہیں۔ معاویہ و یزید نے جس طرح اسلام کے چہرے کو مسخ کر دیا تھا یا کرنے کی کوشش کی تھی، امام حسینؑ بھی یہی کہہ کر بیٹھے رہتے کہ اللہ یا کسی اور کی کمک آئے گی؛ معاملہ حل ہو جائے گا! امامؑ کیلئے مشہور صلحنامہ امام حسنؑ، ایک بڑا رخنہ تھا، وہ اس کے برخلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ چونکہ احیائے اسلام وہ اپنا فرض جانتے تھے، اس کے لئے انہوں نے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے اس مشن کو کامیاب ہونے نہیں دیا جائے گا، ان کے قتل کی سازش بھی ہوگی، اس لئے کہ، بعد از اقدامِ قتل حضرت علیؑ اور امام حسنؑ وہ اموی سنّت بن گئی تھی، ہر لمحے کو غنیمت جانتے ہوئے معاویہ کے مرتے ہی انہوں نے سرعت کے ساتھ، مدینہ سے نکل کر، ہدایات رتبلیغ کا آغاز کیا۔ یزید کے جاسوس ان کے ہر قدم پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ وقت کے تقاضوں کے مدنظر، محتاط انداز میں انہوں نے فقط امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو موضوع سخن بنا کر رکھا۔ یزید کی بدقماشیوں یا حکومت کے مظالم کا تذکرہ خارج از کلام تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ظلم کا تذکرہ بغیر کسی کا نام لئے ہوئے ظالم کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ تو سامعین کے صوابدید کا معاملہ تھا۔ وہ صرف اسلام کی معقولیت، اس کے اصل روپ کو، یا اس کی فلاسفی کو دوبارہ لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دینا چاہتے تھے، تا کہ تقویٰ ان کی روحوں میں دوبارہ داخل ہو کر، انہیں راہِ راست پر گامزن کر دے۔ وہ اسلام سے دور ہونے نہ پائیں، پستی سے باہر آ کر معاشرہ کو فطرت سے ہم آہنگ اسلام کے تقاضوں کے اجراء میں معاون ثابت ہوں: جو علم کے اعلیٰ مدارج اور تقویٰ میں مضمر ہیں جو بلوغیت کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ حالات کے تحت احیائے اسلام کا یہی واحد طریقہ بھی رہ گیا تھا رہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خارجی سوچ و فکر سے استفادہ اس لئے درست نہیں کہ وہ اسلامی ڈھانچے میں فٹ نہیں ہوتا۔ ان کی فکر میں بے راہ روی اس قدر رچ بس گئی ہے، یا وہ اس میں اتنی زیادہ کشش پاتے ہیں کہ اس کی خرابیوں کو دیکھتے، جانتے و بوجھتے ہوئے بھی، اس سے گریز انہیں کر پا رہے

ہیں۔ ہم اگر ان کے ناپاک اور انسانیت کش مشوروں کو اپنے لئے حلاّلِ مشکلات سمجھ کر ان کی امداد یا تقلید میں جا پڑیں تو اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا و دین دونوں خراب کر بیٹھیں۔ جبکہ اسلام میں، دوسری باتوں کو چھوڑ کر فقط اللہ کی ربّانیت کی فکر، جو ترقّی و کمال کی اونچی پرواز میں بدرجۂ اتم معاون و مددگار ہے۔ ہمیں دوسروں کی فقط مطلب پرستی پر مبنی افکار کی احتیاج نہیں۔ خارجی دانشگاہوں سے اعلیٰ درجہ کے علوم حاصل کر کے (، جو کہ ہماری کوتاہی و کم ہمّتی اور غفلت کی بناء پر پیش رفت کر کے ہم سے آگے نکل گئی ہیں)، اسلام کے فطری نظم کی چھلنی میں چھان کر ان سے استفادہ کریں، اور ان سے سبقت لے جائیں۔ ان پر کیوں تکیہ کریں۔ چین، حال آنکہ ہمارے میعار پر پور نہیں اترتا، پھر بھی اس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس نے شروع میں، ایک خاص عرصے کے لئے طاؤس ورباب چھوڑ کر علمی انقاب برپا کیا، اور سبقت لے گیا۔

اکثر لوگوں میں، یہ فکر گردش کر رہی ہے کہ کم علمی بہتر ہے اس لئے کہ جتنا زیادہ علم ہوگا اسی قدر زیادہ آخرت میں حساب کتاب ہوگا، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم ہر دو جہانوں میں پریشانی مول لیں۔ یا امام زمانہ جب ظاہر ہوں گے خود ہی سب ٹھیک کرلیں گے۔ اس فکر کو کوتاہ نظری نہ کہئے تو کیا کہئے۔ یہ باتیں اسی وقت ہم میں عود کر آتی ہیں جب بالغ نظری کا فقدان ہو۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ صرف بالغ نظری ہی انسانیت کو تباہی سے بچا سکتی ہے، وہ بھی جو فطرت سے ہم آہنگ قوانین اسلام سے مزیّن ہو۔ اس لئے کہ اللہ کے دین ہی میں وہ قوّت موجود ہے کہ انسان میں بلوغیت پیدا کر سکے۔ والدین آگاہ رہیں کہ بچوں کی صحیح تربیت سے لاپرواہی ان کے معاد پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ قرآن، نہج البلاغہ، صحیفہ سجادیہ و تفاسیر کا گہرا مطالعہ، حصول بلوغیت میں اہمیت کا حامل ہے۔

اسلام کے ضابطۂ اخلاق، اقتصاد، تہذیب و تمدّن، اس طرح تنظیم دیئے گئے ہیں، کہ دنیا میں فساد باقی نہ رہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے نظام میں ہر طرف سے عدل پر مبنی بلوغیت کارفرما ہے۔ دنیا میں موجود ہر اقتصادی نظام، جس کی بنیاد سود ہے، ہر چند سال بعد کساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ لوگ

زیر بار ہوتے ہیں۔ جب کہ اسلامی نظامِ اقتصاد اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ جس میں نہ فقط انسان بلکہ اللہ کی ساری خلقت مستفید ہوتی رہے۔ جو مال ایک فرد کماتا ہے۔، چونکہ اللہ کی فراہم کردہ طاقت و قوّت سے حاصل کیا ہوتا ہے، اللہ کے احکام کے مطابق، اس کے اور اس کے لواحقین کے سال بھر کے خرچے سے جو بچے خمس و زکاۃ نکالنے کے بعد مشترکہ فنڈ قائم کر کے مستحقین کی تعلیم و تربیت کے ذریعہ، اصلاح و ترقّی کے مد میں خرچ ہو۔ بہتات کے ساتھ دانش و تجربہ گاہیں و انڈسٹریز قائم ہوں۔ کام کی فراوانی پیدا ہو جائے۔ ہر طرف ترقّی ہی ترقّی نظر آئے؛ تا کہ درجہ بندی و حیثیت میں اونچ نیچ قائم جڑ سے اکھڑ جائے۔ اور تکبّر و مفاخرت اپنا مقام کھو بیٹھے، جو ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔ اس طرح آسودگی بناء پر، بے جا لالچ کی گنجائش نہ رہے گی۔ انسان بلوغیت کے درجے پر فائز نظر آئے گا۔

بہر صورت؛ خواہ ہم فی الحال بلوغیت کے اعلیٰ درجے کو حاصل نہ کر پائیں، پھر بھی ماحول کی بداخلاقیاں، جو وبائی صورت اختیار کر گئی ہیں، ان کے مدِنظر یہ ہمارا بودہ پن ہوگا کہ اپنے آپ کو لاچار پا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے رہیں، رام رام کرتے رہیں اور اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیں! ہمیں اپنی ذات کو حرکت میں لانے کیلئے یہی خوف کافی ہے، کہ اگر ہماری اولاد بداخلاقی کے اس طوفان میں پھنس کر رہ گئی، یا یہ کہ مسلمان یا انسانیت اس کے زیر بار رہ کر دو لقمہ روٹی کی محتاج بنی رہی، تو کیا ہماری حمیت اسے گوارہ کرتی رہے گی؟ وہ لوگ جن کی اولاد اس سیلاب میں بہہ گئی، بیچارے اپنا منھ دکھانے کے قابل نہیں رہے!! یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اکثر اوقات اسلحہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے مگر ہمیں اس کا استعمال نہیں آتا اور ہم اپنی دفاع نہیں کر پاتے۔ ہلاکت میں جا پڑتے ہیں۔

ہمارے پاس دن میں پانچ بار یاد دلانے والا قیامِ صلاۃ کا عظیم اسلحہ روزِ اوّل سے موجود ہے، جسے جہالت کے حوالے کر کے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں، لب لبی دبانا ہی نہیں آتا۔ بڑا سانحہ ہے! کتاب: 'نماز میں حکمتِ قیام' میں قیام کی وضاحت موجود ہے۔ اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ کے نام سے جو اس دنیا میں سب پر رحم کرنے والا ہے؛ آخرت میں فقط ان پر رحم فرمائیگا جنہوں نے اس دنیا میں اس کی ہدایات پر عمل کیا ہوگا۔

بسمہ سبحانہ

٦۔ سیدھا راستہ

قیامِ صلاۃ، ردِّ بے راہی

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اور کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل فنا ہو گیا، کہ باطل بہر حال فنا ہونے والا ہے۔(اسراء ۱۷/ ۸۱)

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

آپ اپنا رخ بالکل دین کی طرف رکھیں اور باطل سے الگ رہیں، اور ہرگز مشرکین کی جماعت میں شامل نہ ہوں۔(یونس ۱۰/ ۱۰۵)

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ.

برحق پکارنا صرف خدا کو پکارنا ہے جو اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان کی کوئی بات قبول نہیں کرسکتے۔(رعد ۱۳/ ۱۴)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا.

اور ہم قرآن میں وہ سب کچھ نازل کررہے ہیں، جو صاحبانِ ایمان کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کے لئے خسارہ میں اضافہ کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔(اسراء ۱۷/ ۸۲)

زیر دست مقالے کے معروضات، اس مرضِ موذی سے متعلّق ہیں، جس سے ہم دوچار ہیں، یعنی بیراہ روی۔ جو بڑی دلیری کے ساتھ ہمارا دروازہ کھٹ کھٹا رہی ہے۔ سہمے بیٹھے ہیں، بے بسی

نے گھیر رکھا ہے، کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا پار ہے ہیں کہ جو اس کا گھر میں داخلہ روک دے۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے اندر سطحی سوچ کی عادت پیدا کر لی ہے، اور ایسی عادت کا مالک انسان راستے میں پڑی رکاوٹوں کو دور کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کہ مسائل کو حل کرنے کے لئے، دو قدم آگے بڑھ کر گہری فکر سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر اوقات حل موجود ہوتا ہے مگر اس سے آشنائی نہ ہونے کی وجہ سے ہم اس کی قوت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے اور ناکام رہتے ہیں۔

قیامِ صلاۃ: اللہ کا فرماں بردار بندہ بن کر زندگی بسر کرنے کا نہایت آسان طریقہ ہے۔ یا اس کے احکام کی پابندی کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں معاون کار ہے۔ یہ ایک عظیم عطیہ ہے جو ہمارے اعمال کو درست حالت میں قائم رکھتا ہے۔ دنیاوی مصیبتوں اور لاچاری و ناداری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

ایک عرصۂ دراز سے ہم بے راہ ماحول میں زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں، وہ ہماری عادت کا حصہ بن گئی ہے۔ پھر بھی فطرت کی سچائیوں سے ہم آہنگ ہماری آنکھیں حق کی راہ کو تلاش کرتی رہی ہیں۔ جن حالات سے دنیا گذر رہی ہے اک نظر غائر عیاں کر دیتی ہے کہ دنیا کی ساری پیچیدگیاں و پریشانیاں بے راہ روی کی ڈھائی ہوئی ہیں۔ لاحاصل لالچ کی بناء پر وجود میں آنے والی لوٹ کھوٹ کو چھپانے کے بہانے ہزار قسم کے مظالم کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے اور اس کے لئے حیل و حجت کی تلاش میں سازشکاری کی الجھاؤ میں مبتلا رہتی ہے؛ جب کہ دین کی راہ فقط فلاح کی راہ ہے، فطرت کی شفافیت کے ساتھ کھلی اور روشن ہے۔ سازش کی شکار نہیں، نہ بہانہ باز ہے۔ موجودہ دور میں عملی طور پر اسلام کی روح کو، جو توحید وعدل کی راہ ہے مختلف رنگوں میں رنگ کر غیر انصاف روپ میں ڈھال دیا گیا ہے، اور بے راہ روی جس کے پھیر میں ہم آن پڑے ہیں گلے کا ہار بن گئی۔ قرآن کو اگر ہم غور سے پڑھیں تو اس کے کلمات میں باوجود کشادگی وفراوانی کے تجز دو یک رنگی نمایاں نظر آئے گی۔ جمود و تضاد کا نام ونشان بھی نہیں ملے گی۔ سب سے اہم بات جسے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے، یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شے، خواہ وہ مٹی کا ایک ذرّہ ہی کیوں نہ ہو اللہ کی ذاتِ اقدس اس میں نمایاں ہے۔ اس کی

ذات واحد ہے، یہاں کی ہر چیز واحد نظر آئے گی۔ خاصیت میں واحد ہے، اپنی نش ونما کیلئے ایک ہی راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

رہا ذہن کا کلمات پر مبذول رہنا،تو اس کا تعلّق انسانی جذبات سے ۔طالب علم کے جذبات، امتحان میں پاس ہونے کی خوشی کے لئے یا اس میں ناکامی کے خوف سے ابھرے ہوتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے اگر سمجھ کر نہیں پڑھے گا، تو امتحان میں سوالات کے جواب دینے میں ناکام رہے گا، اپنے ذہن کو جگا کر حاضر رکھتا ہے۔ اس طرح جو کچھ وہ پڑھتا ہے اسے یاد بھی رہتا ہے۔ اسے اس کے مقاصد کو جان لینے کے بعد، پریکٹیکل یا ان پر عمل پیرا ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

ہمارے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کو بہ استثنائے چند دیکھتے چلے آئے ہیں کہ وہ نماز کو خوف خدا کی بنا پر، بے سمجھی بوجھی قرائت کے ساتھ ادا کرتے رہے تھے/ہیں۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ اس کو بطور ایک رسم ادا کر دینا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ انہیں کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ فقط اچّھے اعمال جہنّم کی آگ سے بچائیں گے، اور کلمات صلاۃ میں جو معنیٰ مضمر ہیں وہ ہیں جو برے اعمال سے جدا کر کے، اعمال کو درست حالت میں قائم رکھنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ مقصد صلاۃ کو برپا کرنا ہے۔ اس میں جو مقاصد مضمر ہیں ان کو عملی جامہ پہنانا ہے، یا اجراء کرنا ہے۔ ساکت ہو کر بیٹھے نہیں رہنا ہے۔ مندرجہ ذیل ان کلمات میں سے چند کی ایک (کوتاہیٔ داماں پیش پیش) مختصر سی تشریح پیش خدمت ہے۔ ان کی ادائگی کے وقت ذہن کو ان کلمات میں جو مقاصد مضمر ہیں، ان کی طرف مبذول رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ اعمال پر اثر انداز ہوں اور خیر کی طرف راغب رکھیں۔ قیامِ صلاۃ اور اس کے مضمرات سے سر پیچی، بے راہ روی کی علامت ہے۔ چونکہ یہ انسانیت کو مصیبتوں میں مبتلاء کر دیتی ہے، رضائے الٰہی سے دور کر دیتی ہے۔ اس بدنصیبی کا سراغ بھی انہیں مدارس اور درس دہندگان کی جھولی میں جا پڑتا ہے، جو بے توجّہی کا شکار رہے ہیں۔ مفکّرین کے فقدان نے انہیں ناسمجھی خودفریبی میں مبتلا کر رکھا تھا

اللہ اکبر

اللہ یکتا ہے۔ اس کے مد مقابل کوئی نہیں، جو کچھ موجودات میں ہے اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ عبد (اللہ کا فرماں بردار غلام) ہونے کی حیثیت سے ہمارا ہر عمل اس کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہئے، ہمارے سارے اعمال، دوسروں سے قطع تعلق ہوکر فقط اسی کی ہدایات کے تحت اس کی فرماں برداری میں ہونا چاہئے ہے۔ اس سے انحراف، عاقبت کو خراب کر لینا ہے۔ اس لئے اس کے حضور مکمل طور پر سرِ تسلیم خم رکھنے ہی میں ہماری سلامتی ہے۔

اللہ معبود ہونے کی حیثیت سے چاہتا ہے کہ اس کا بندہ رغلام اس کی ملازمت رفرماں برداری میں حاضر رہے، اس کے احکام کی تعمیل میں ہر وقت مشغول رہے، کسی اور سے ساز باز نہ کرے۔ قرآن اور اس کے بھیجے ہوئے ہادیوں کی ہدایات، جو اخلاقِ حمیدہ سے متعلق ہیں ان کے مطابق اپنے اعمال کو استوار رکھے۔

اخلاقِ حمیدہ کا تعلق فرد کا مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی اور انصاف سے پیش آنا، ہمہ وقت اس کے فلاح کی فکر میں رہنا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے؛ وہ اپنے بندے سے اسی قسم کے اخلاق پر چل کر زندگی بسر کرنے کی امید رکھتا ہے۔ اسی کو اپنی بندگی قرار دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی خوشنودی اسی میں ہے کہ انسان، پوری انسانیت کا خیر خواہ بن کر رہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس طرز کی زندگی سے کنارہ کشی کرے۔ یہ اس لئے ہے کہ اگر وہ اس اخلاق سے گریز کرے گا تو طاغوت کی گود میں جا پڑے گا، جہاں اللہ کی ہدایات سے ہٹے ہوئے اخلاق کا دور دورہ رہتا ہے۔ یہی بے راہ روی ہے۔ ایک بے راہ معاشرہ، ہوسِ لامحدود، بداخلاقی سے لبریز عیش و عشرت میں مبتلا رہتا ہے۔ اسے فقط اپنی فکر رہتی ہے، دوسروں کی فکر نہیں رہتی۔ اللہ امدادِ باہمی کے ساتھ انسانی معاشرے کو پھلتا پھولتا ترقّی کرتا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح فرد نے اگر بے راہ روی اختیار کی تو اس کے بے راہ اعمال پورے معاشرے پر اثر انداز ہوں گے، پسماندگی پر نتیجہ خیز ہوں گے۔ جسے اللہ کسی صورت بھی برداشت نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ اللہ کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ عبدیت سے دور ہوکر، اللہ کے قہر کا مستحق بن جائے گا۔ اپنی عاقبت خراب کر

لے گا۔

چونکہ اللہ نے اس جہان میں زندگی بسر کرنے کے لئے مکمل ہدایت کا بندوبست کر دیا ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم فقط اس کے احکام کی پابندی کریں۔ جب ہم اللہ اکبر زبان پر جاری کریں، اس کے معنیٰ و مقاصد ہوش و حواس کے ساتھ ہم پر منعکس ہوں۔ ہمارا ان پر عمل پیرا ہونا ہی عبادت ہے۔ نہ کہ بے سمجھی تلاوت۔

الحمدللہ

اللہ پوری کائنات کا خالق ہے، وہی اس کا صانع ہے۔ جو کچھ بھی یہاں موجود ہے اسی کا ہے اس لئے اس کے علاوہ کسی اور کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ شکر گذاری بھی اسی کے لئے ہے کہ سارے وسائل اسی کی طرف سے ہیں، وہ ہی سب کا رازق ہے، یعنی اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ کن امور میں انسان کی بھلائی ہے، وہ پوری طرح واقف ہے۔ اس لئے حقِ عبادت اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب اس کی اتباع میں اس کی مرضی کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال لیا جائے۔ اور وہ اعمال جن کی اس نے ممانعت کر دی ہے۔ ان سے حتمی طور پر دور رہا جائے، گویا کہ اس کے احکام کی پابندی ہی اس کی حمد کے مترادف ہے۔ عبادت سے خارج ہے، ہر وہ راہ یا طرزِ زندگی جو اس کی ہدایات سے دور ہو بے راہ روی ہے۔ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ہمیشہ نقصان کا سبب بنتی ہے۔ اس کے مدِّ نظر، جب بھی ہم الحمدللہ زیرِ زبان لائیں، پورے ہوش و حواس میں رہ کر انکساری کے ساتھ تکرار کریں؛ یا اللہ میرا ہر عمل فقط تیری خوشنودی کے حصول کے لئے ہے، مجھے راہِ حق پر چل کر اپنی مخلوق خصوصاً انسان کی بہتری کیلئے خدمات پیش کرنے کی توفیق عطا فرما۔

ربّ العالمین

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو ترقّی کی راہ پر قائم رکھنے والا ہے۔ وہ ہم سے بھی توقّع رکھتا ہے کہ ہم حصولِ ترقّی و کمال کیلئے ہمیشہ مائل بہ پرواز رہیں۔ مسلمانوں نے اللہ کے اس امر کی پرواہ نہ

کی، دوسروں کے غلام بنے بیٹھے ہیں۔ لازم ہے کہ دینی تعلیمات کے ہمراہ اعلیٰ ترین دانشگاہی تعلیمات خود حاصل کریں اور دوسروں کے لئے بھی اس کا انتظام کریں۔ تا دمِ آخر بہ حقِ انسانیت تحقیق و اختراع میں مشغول رہیں، ورنہ بھٹک کر راہ حق سے دور ہو جائیں گے اور دامِ معدومیت میں جا پڑیں گے۔ ایسی صورت میں یوم الدین پر کوئی والی و وارث نہ ہوگا، اور اللہ کے عذاب کے مستحق بن جائیں گے۔ پوری انسانیت پر فرض ہے کہ وہ اس بات کی ضامن بنے کہ کوئی بچّہ یا فرد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے رہنے نہ پائے۔ انہیں تحقیقات کے فراواں مواقع مہیّا کئے جائیں تخلیق و اختراع کا سلسلہ جاری رہے، تاکہ عوام کی اقتصادی حالت جو اس وقت بدترین صورت اختیار کرگئی ہے، بہتری کی صورت اختیار کرے۔ اقتصادِ اسلامی، جس سے ہم بے بہرا ہیں، تیزی سے یہ کام انجام دے سکتی ہے۔ آیت اللہ باقر الصدر کی تصنیف 'اقتصادنا' اور اس پر ان کی دوسری تصنیفات کا اگر مطالعہ کیا جائے، نہایت موثّر ثابت ہوگا۔

اللہ کی منشاء کے مطابق انسانیت کو تیز تر ترقّی کی راہوں پر بلا تاخیر گامزن ہو جانا اور اس پر قائم رہنا امر لازم ہے۔ ہر شخص سے جس نے اس میں کوتاہی کا یوم الدین پر مواخذہ ہوگا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اقتصادِ اسلامی سے گریز کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی بیشتر آبادی بھوک و ننگ سے بری طرح دوچار ہے۔ اللہ عادل ہے؛ بے انصافی کے عناصر جہاں بھی موجود ہیں، یا جو اس کے ذمہ دار ہیں، سزا دیئے بغیر نہیں رہے گا۔ ایک جگہ فراوانی اور وہیں فقر و ناداری اللہ اسے قبول نہیں کرتا اسے کسی کا بھوکا سو جانا پسند نہیں۔ اقتصادِ اسلام سے روگردانی کر کے غیر عادلانا طرز معاشرت کفر کے حدود میں جا پڑتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے دئے ہوئے عادلانا نظام کو رد کرتی ہے۔ قرآن:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

'اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے جو ضرورت سے بچ جائے۔ (بقرہ ۲/۲۱۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! تمھیں جو دیا گیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے اور نہ سفارش۔ اور کفّار ہی اصل ظالم ہیں‘ بقرہ ۲/ ۲۵۴ باوجود اس کے کہ دنیا کے دوسرے نظامہائے اقتصاد کا غلبہ ہے، اور ان کے بغیر بین الاقوامی رابطہ و معاشرت مشکل ہے، مسلمان اپنے درمیان، خصوصاً امداد کے معاملے میں اقتصاد اسلامی کو جاری کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خالق عالم نے دنیا کو، ہدایات قرآن اور سنت رسول سے مزیّن کر کے خالص رحم کی بنیاد پر خلق کیا ہے۔ انسان کے لئے، ہر قسم کی آسانیاں مہیّا کر کے اسے آخرت کی کھیتی بنا دیا ہے۔ اگر ہم اس کی ہدایات پر جو حق اا ور انصاف پر مبنی ہیں چل کر اس کھیتی کی درست طور پر آبیاری کی تو وہاں خرمن پر از ثمرِ ہائے خوباں منتظر ملیں گا۔

شرط ہدایاتِ خداوند کریم پر عمل پیرا رہنا ہے۔ نہ کہ وہ اعمال جو اللہ کے ہدایت شدہ راستے سے ہٹ کر ہوں۔ انسان کو اپنی راہ پر قائم رکھنے کیلئے اللہ نے اس کی فطری رجحانات سے ہم آہنگ متعدد، مثبت انتظامات کئے ہیں، تاکہ اس قدر مشغول رہے کہ عدم تنوع اکتاہٹ پیدا نہ کر پائے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

اور ان سب کو اپنی عبادت، بندگی، اتباع، فرماں برداری یا خدمت وغیرہ کا درجہ دے دیا، اور انہیں اپنی خوشنودی قرار دے کر اس کے صلہ میں، مژدۂ جنّت سنا دیا۔ انسان کا انسان سے رشتہ: غرور و تکبّر ترک کر کے ایک کا دوسرے کیلئے کام آنا؛ امدادِ باہمی و پاسداری کے ساتھ امن و امان کی زندگی گذارتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملنا ہے، جو خوشنودیٔ خدا کا باعث بن جاتی ہے اور جسے مالک حقیقی اپنی عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ ایسی عبادت، نارسا کو رسا بنا دیتی ہے۔ اللہ کے اس رحم کا حقدار بننے

کیلئے اس کے دین کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لینا ہے کہ اس کے ضد کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اللہ آخرت میں انہیں پر رحم کرے گا جنہوں نے اس دنیا میں اس کے متعینہ راہ کی پابندی کی ہوگی۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ٭ۙ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿٣٠﴾

دین وہ فطرتِ الٰہی ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔ (۳۰/۳۰)

مالک یوم الدّین

اللہ عادل ہے؛ دنیا کی ہر مخلوق پرتو عدالتِ پروردگار ہے۔ ہر شئے یا ذی روح جس پر اللہ نے، انسان کو اختیار دیا ہے، اس کی نسبت سے، اس کا حساب لیا جائے گا۔ اس نے اللہ کے ان عطیات سے استفادہ کر کے کس قدر انسانیت کو فائدہ پہنچایا یا خدمت کی، اس کی بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ جن لوگوں نے اعلیٰ تعلیمات حاصل کر کے انسانیت کے لئے مفید اختراع نہ کی ہوگی، اللہ کی ربّانیت کے تحت اس کے مہیا کئے ہوئے مواقع سے استفادہ کر کے یہ کام انجام نہ دیا ہوگا، مشکل کا سامنا ہوگا۔ یہ حساب اللہ کی ہدایات کی روشنی میں ہوگا، جن میں عدالت فوقیت رکھتی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ جزا کا مستحق بنے گا۔ جہنّم کی غیر فانی آگ یا جنّت کی دوامی راحتوں میں سے ایک ہاتھ آئے گی۔ انسان اگر عدالت پر مبنی اس کلّیہ کو باور کر لے، تو اس کا وہ جذبہ اسے اللہ کے ہدایت شدہ راہ پر قائم رکھے گا، اس کے اعمال میں شستگی پیدا ہو جائے گی جو بے راہ روی کا قلع قمع کر دے گی۔ انہی صاف ستھرے اعمال کی بناء پر وہ جنّت کا بھی مستحق بن جائے گا۔ بہرحال، مالک یوم الدین کا سامنا کرنے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے کہ اس سے مفر نہیں۔

اس حقیقت کو باور کرانے کی ذمّہ داری جن مخصوص صاحبانِ علم (دین) یا دوسرے متعلّقہ لوگوں پر آتی ہے؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات خود کسی نہ کسی کمزوری کی بناء پر اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ ورنہ جب ہمارے پالنے والے نے اپنی ہدایات کو ہر چند گھنٹوں بعد لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کا پکّا بندوبست کر رکھا ہے، تو وہاں (با جماعت نمازوں یا دوسرے موقعوں پر منبر) سے تقوی

اور یوم الدین کی صعوبتوں کا ذکر پرزور طریقہ سے، عوام کے کانوں تک کیوں نہیں پہنچایا جاتا۔ بے راہ روی جو بڑھتی جارہی ہے، اس سے دور رہنے کی باتیں کیوں نہیں ہوتیں؟

ایسی صورت میں، جب منبر پر جلوہ افروز ہونے والے علماء اس امر کی طرف رغبت دلا نہیں پا رہے ہیں ہیں، تو ہم عوام پر لازم ہے کہ خود بعد از صلاۃ یا جب بھی مل بیٹھنے کا موقع ملے، بے راہ روی کے خلاف قیام کا آپس ہی میں اس کا تذکرہ کر کے متحدہ اس کی م بنائیں اور عمل پیرا ہوں، تاکہ انسانیت ترقّی کی راہوں پر گامزن ہو جائے۔ اس سے بہتر استفادہ کے لئے اپنے آپ پر مضطرب کیفیت طاری کر کے اللہ سے یوم الدین کی تکلیفوں سے بچانے کی دعا کرتے رہا کریں۔ بے راہ روی سے بچنے کی دل سے نکلی ہوئی اللہ سے یہ خواہش، ہمیں ہمہ وقت ہوشیار رکھ کر دین کے احکام پر قائم رکھے گی۔ اس عملِ خیر میں، ہمیں چاہئے کہ بچّوں کو ضرور شامل کریں۔ زندگی و موت کی قدرتی وغیر اختیاری مکافاتِ عمل، جو ہمارے بس میں نہیں، نہایت خوش اسلوبی اور آسان طریقہ سے بتائیں۔ تقوٰی کی خوبیاں بیان کر کے سمجھائیں کہ یومّ الدین پر یہ جنّت میں پہنچنے کا آسان راستہ ہے۔ جب کہ بے راہ روی، ہر دو جہان میں تکلیف کا باعث بنتی ہے، اس سے ان میں نفرت کا جذبہ پیدا کریں۔ باہر کے ماحول میں بے راہ روی کی وجہ سے جو خرابیاں آن پڑی ہیں، مختلف طریقوں سے، نرم انداز میں تجزیہ کر کے ذہن نشین کرائی جائے۔ لکچرانہ طرز چھوڑ کر دوستانہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

ایّاکَ نعبد

صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اللہ کی عبادت کا یہ اقرار بہت ہی معنیٰ خیز ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب ہم خلوص دل سے، فقط اللہ کی عبادت، غلامی، فرماں برداری یا اس کی ہدایات پر چلنے کا تہیّہ کر لیتے ہیں تو اس کے علاوہ کسی اور کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے سے گریز کرتے ہیں یا رد کر دیتے ہیں۔ اللہ کی راہ کے مدّمقابل، یہ بے راہ روی ہے، جو برائیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے؛ جیسے تکبّر، خود پرستی، خود غرضی، مفاد پرستی شہوت پرستی اور دیگر بد اخلاقیاں۔ ان سے کنارہ کشی کا اپنی ذات سے وعدہ یا اقرار جب دل کی گہرائیوں سے ہو تو ان سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بے راہ روی اپنی تمام غیر

شائستہ خصلتوں کے ساتھ ہم سے دوری اختیار کر لیتی ہے۔ خشوع وخضوع کے ہمراہ خلوص نیت اس کا لازمہ ہے۔ اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر ہم کسی وجہ سے اپنے خالق ورازق اللہ کی فرمابرداری سے دور ہو گئے، تو اس کی عدالت کے زد میں جا پڑیں گے۔ جہنم کی تپش قابلِ برداشت نہ ہوگی! اس کا تصور ہی عاجزی وانکساری پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے۔

یہ بات ہم ذہن نشین کر چکے ہیں کہ بداخلاقی ہو یا بے راہ روی سب کا تعلق انسان کا انسانی رشتے سے ہے۔ کسی سے ہمارا عدل وانصاف سے پیش نہ آنا، حق تلفی، اذیت پہنچانا اسی زمرے میں آتے ہیں؛ عبادت الٰہی کے منافی ہیں۔

عبادتِ الٰہی یا اللہ کی فرماں برداری کا طریقہ اصول وفروعِ دین بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ان سب کا رشتہ انسانیت سے ہے۔ ہم نے انسانیت سے کس طرح برتاؤ رکھا: کس قدر اس کے لئے مفید رہے یا اسے اذیت میں رکھا، روزِ قیامت ترازو کا کام کرے گا۔ ان سے متعلقہ اعمال ہماری دوامی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ ہمہ وقت ہوشیار رہ کر ہمیں اپنے اعمال کا حساب کرتے رہنا چاہئے۔ بے راہ روی کے عناصر جہاں بھی نظر آئیں، نفرت وبیزاری کے ساتھ انہیں جھٹک کر دور کریں اور ان کی جگہ کو اعمالِ حسنہ سے پر کرتے رہیں۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

ایاك نستعین

تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں: اس دنیا کی ہر شے اللہ کی ملکیت ہے۔ ہم اس کی عطاؤں سے استفادہ کرتے ہوئے دنیا کی مسافرت طے کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ خواہ وہ حصولِ قوت ہو یا علم وحکمت، اشیا، یا امداد کا کام ہو، اسی کی مہربانیوں پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے کہ ہم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اقرار کرتے ہیں؛ 'ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں' اور کسی سے نہیں۔ چونکہ اللہ عادل ہے اور ساری نیکیوں کا مالک بھی، اس سے رجوع ہو کر مانگنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ نیکی کے لئے ہو گی۔ اس لئے کہ حق اللہ کے ساتھ ہے۔ چونکہ ہم فقط اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ہمیں ہر حالت میں حق سے ملحق رہنا ہے۔ حق کی بنیاد عدالت پر رکھی گئی ہے۔ اگر ہم لوگوں کے ساتھ عدالت سے پیش نہ آئے تو

گویا کہ حق سے دور ہو گئے۔ یہ عمل اللہ کی عبادت کے برخلاف ہوگا۔ جس سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے، اور ان سے دور رہنے کی عادت ڈال لینے ہی میں ہماری خیر ہے۔

ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ فطرت کی خطّ طی میں ہر جگہ، فراوانی کے ساتھ ارادہ، مقصد اور منصوبہ بندی موجود ہے۔ جب تک ہمیں اس بات کا پتہ ہی نہ ہو کہ جس کام کو کرنے کا ہمارا ارادہ ہے، اس کا انجام کیا ہوگا، اسے انجام دینے کے لئے درست تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے دین کو ان احکام سے مزیّن رکھا گیا ہے جو فطرت سے ہم آہنگ ہو کر حق کی نشاندہی کرتے ہوں۔ لازم ہے کہ جب کلمہ؛ ’ایاک نستعین‘ ہماری زبان پر آئے، بے انصافی کے گھاٹ اتاری ہوئی، کسمپرسی کی حالت میں پڑی انسانیت، ہماری نگاہ کے سامنے آجائے اور ہم ان کی دگر گوں حالت کو بدلنے کے لئے حرکت میں آجائیں یعنی ہمارے ہر وہ اعمال جو دینی تقاضوں کے خلاف ہوں، انسانیت کے لئے تکلیف دہ ہوں ان کے خلاف قیام کیا جائے۔ اس طرح اللہ کی مدد سے، ان کی مصیبتیں دور ہوں گی، انہیں سکون میسّر ہوگا اور ہماری آخرت بخیر ہوگی۔ جذبہ معاونت وامداد سے ابھری ہوئی راہ ہی وہ راہ ہے جو بے راہ روی سے بچا لے جانے کی قوّت رکھتی ہے۔ اس کے لئے منصوبہ بندی اور محکم ارادے کی ضرورت ہے۔ چونکہ اصل کامیابی وہ ہوتی ہے جو دور رس ہو، ایسی کامیابی، ہمیں اپنی اولاد کی مدد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم ان کی تربیت، اسی ارادے سے، ان کی عین ایامِ طفلی سے شروع کریں۔ اللہ کی مدد ہر چہار طرف سے معاونت کے لئے موجود ہوگی۔ اور نسل در نسل یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا اور بے راہ روی ان کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گذرے گی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم اپنی اولاد کے غلام ہیں۔ اللہ نے ان کو ہمیں اس لئے عطا کیا ہے کہ ہا ان کی درست تربیت کر کے معاشرے سے بے راہ روی کو دور کریں، اور انسانیت کسمپرسی سے بچ جائے۔

اکثر لوگ یہ کہہ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ بڑے بڑوں سے یہ کام نہ ہو سکا تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں، ہم کیوں اس میں بیکار اپنی جان کھپائیں۔ کیا حضرت یونس؈ کا واقعہ ہم کو یاد نہیں؟ فقط ایک مرد مومن کی کاوش نے، در پر پہنچے ہوئے عذاب کو کلمہ، ایاک نستعین، دل و دماغ سے جاری کر کے پلٹا دیا۔

اگر وہ بھی یہ کہہ کر بیٹھ رہتا؛' جو اللہ کی مرضی' پورا قریہ چٹیل میدان بن گیا ہوتا۔ پورے قریہ کی، اضطراب بھری اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؀ اللہ سے کراہتی ہوئی فریاد کے ذریعہ، دل دماغ سے نکلی ہوئی ، مجموعی شعاؤں نے، پھنکاریں مارتے ہوئے طوفان کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہ عمل اللہ کے دیئے ہوئے نظام سے ہٹ کر نہیں تھا۔ ابھرے جذبات کی بناء پر دماغ سے نکلی ہوئی شعاعیں اس پر اثر ہوتی ہیں۔ ایک جمیعت جب مل کر یہ کام انجام دے، تو اس کی قوت بے کراں ہو جاتی ہے۔

بے شک ہم نے ہر شے کو ایک سسٹم کے مطابق بنایا ہے۔ (القمر ۴۹:۵۴)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ.

بھلا وہ کون ہے کہ جب مضطر پکارے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ نمل ۲۷:۶۲

ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کا عطیہ، بے انتہاء قوت کی مالک دماغی شعاؤں کی آب تاب سے کام لینا سیکھیں، جو بڑی قوتوں کی مالک ہیں کتب خانوں میں کتابیں دستیاب ہیں۔

اھدنا الصّراط المستقیم

اللہ سے سیدھے راستے کی ہدایت اس لئے طلب کی جاتی ہے کہ شیطان کا بنایا ہوا راستہ کجی کا شکار ہے وہ انسان کو سچائی کی راہ سے ہٹا کر بے راہ کر دیتا ہے۔ تاویلات میں پڑے بغیر اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ رائی جو انسانیت کے مفاد میں ہو، سیدھا راستہ ہے۔ اس کے حدود مقرر کر دئے گئے ہیں۔ جس کی وضاحت، اس سے آگے آنے والی آیہ کریمہ کر رہی ہے۔

صراط الّذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّالّین

جو ان لوگوں کا راستہ ہے، جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں؛ ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا یا جو بھکے ہوئے ہیں۔ یہاں، غضب کے بالمقابل، نعمت رکھی گئی ہے، جس کی کیفیت مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ چونکہ دنیوی مسافرت طے کر کے، ہمارا مقصد معاد ہے، اللہ کے فرستادہ، باصفا ہستیوں

کی راہ ہدایت جو ہمیں صحیح سالم (معصیت سے گریزاں ر پر از تقوٰی) وہاں تک پہنچا دے مفید اور نہایت اہم ہے۔رسول کی مشہور حدیث؛ 'حدیثِ ثقلین' ان کی نشاندہی کرتی ہے۔یعنی قرآن کے ساتھ رسول کی عترت (اہلِ بیت) سے متمسک رہنا۔رہی نعمت تو وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہادیان برحق کو اللہ کا عطا کیا ہوا مخصوص علم کا package ہے جو معاد تک بہ حفظ وامان سے پہنچانے کا ضامن ہے۔جن ہدایت دہندہ شخصیتوں کو رسول نے متذکّرہ حدیث میں اپنی عترت کہہ کر متعارف کرایا ہے،قرآن کے ہمراہ یہی وہ ہستیاں ہیں جو ان فتنہ انگیز لوگوں کی (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو بھکے ہوئے ہیں) ترغیب وتوسیع دی ہوئی بے راہ روی سے بچالیں گی۔شرط ان سے متمسک رہنا یا ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔

خلاصتاً: ہر دو جہان میں رحم فراواں سے پیش آنے والا اللہ،سورۃ حمد کے ذریعہ ہمیں آگاہ رکھنا چاہتا ہے، کہ اس جہان فانی کی کامیاب مسافرت کیلئے،ان لوگوں کے راستہ پر چل کر طے کی جائے،جن پر اس نے نعمتیں نازل کی ہیں۔یوم الدین پر ہر شخص کو اللہ کی عدالت کا سامنا ہوگا۔اگر ان کا راستہ اختیار کیا گیا جن پر غضب نازل ہوا ہے اور جو بھکے ہوئے ہیں،تو ابدی اذیت مقسوم ہوگی۔(انسان کا مخلوقِ خدا کے ساتھ برتاؤ کسوٹی ہوگی)

سبحان ربّی العظیم وبحمدہ

'میرے عظیم رب نے: جس کی ذات پاک ہے، پوری کائنات کا پالنے والا ہے؛ دنیا ومافیہا کو ترقّی کی طرف گامزن رکھا ہے۔میں اس کی حمد یا اس کے احکام کی پابندی ذہنی وعملی پاکیزگی کے ساتھ کرتا کرتی ہوں،فرماں بردار ہوں' یہ خود کو ترغیب دینے والا جملہ ہے،جس کی ہم صلاۃ میں بارہا تکرار کرتے ہیں،تاکہ ہماری یاددہانی ہوتی رہے،اور ہم پاکیزگی: یعنی عدل وانصاف کے ساتھ ترقّی کی راہ پر گامزن رہیں۔

لفظ رب متعدد بار اس سے قبل آچکا ہے، بمطابق لغت از راغب اصفہانی، اس کے معنیٰ تربیت کرنے والا، تدریجاً کمال تک پہنچانے والا ہے۔ جہاں تک ترقّی کا تعلق ہے، وہ بے راہ روی کی بھی ہوسکتی ہے، بلکہ زور وشور سے ہورہی ہے۔ جب یہی ترقّی اللہ سے منسوب ہوجائے تو مذکورہ حدیثِ ثقلین اپنے رفقاء: قرآن وعترت کے ساتھ انسانیت ساز ہدایات لے کر سامنے آجاتی ہے، پھر بے راہ روی کو ٹکنے کی جگہ نہیں ملتی۔ کمال کو پہنچانے والی فطرت سے ہم آہنگ ترقی وہ ترقّی ہے جو انسانیت کو عروج کے اعلیٰ مقامات پر پہنچا دے۔ بے راہ روی کی ترقّی، چونکہ فطری تقاضوں یا باطنی بانگِ ضمیر کے برعکس انسانیت کے حقوق کو سلب کر لینے اور غریبوں کی گاڑھی کمائی پر قبضہ جما کر غیر پاکیزہ عیش وعشرت کی زندگی پر مبنی ہوتی ہے، انسانیت ساز فطری حقیقتوں سے ٹکرا کر ذہنی فشار میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اگر کوئی پتھر کے بڑے تودے پر سر مار کر اسے پھوڑنا چاہے تو سرہی پھوٹے گا پتھر کا کیا جائے گا۔ گراں بار آفاقی حقیقتوں سے جہالت کا کیا مقابلہ ہوسکتا ہے، نقصان اسی کو اٹھانا پڑے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کیپیٹل ازم بردار پیسوں کی دوڑ نے وہاں کے لوگوں کو ذہنی امراض میں مبتلاء کر دیا ہے۔ دیکھا دیکھی سر درد کی گولیاں بچّوں کو بھی کھانا پڑ رہی ہے۔

دوسرے افکار کے مقابل اسلامی فکرِ ترقّی

سبقت لے جانا یا پچھاڑ دینے کے نظریہ پر: امریکن expres کے CEO یا مدیر اعلیٰ نے ایک انٹرویو میں، مغربی اقتصاد میں جو اقتصادی عقب افتادگی آئی recession نے گھیرا ڈالا ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا؛ 'اس بے ثبات وغیر یقینی چال رکھنے والی دنیا کو اگر ہم اپنے وجود کو اعلیٰ وارفع درجہ کی یقینی کیفیت کا مالک ہونا باور کرادیں، تو وہ ہم کو (ان پر) فوقیت عطا کر دے گی' اس طرزِ فکر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اسلامی اقتصاد میں جو علل ومعلول موجود ہیں، اس کے مقابلے میں مغربی فکر اقتصاد میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ جیسے پریسڈنٹ بش نے ایک بار کہا تھا کہ ہمیں نہایت درجہ کے پیش رفتہ،

موجودہ عقل انسانی سے بالاتر، حیرت انگیز یا پرفریب اسلحہ سازی پر توجہ دینا چاہئے۔ ہر دو بیانات میں بالادستی روشن ہے۔ چراغ لے کر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصد: اوّل یہ ہے کہ، جن سے مسابقہ مقصود ہے ان کی ترقّی روک کر رکھی جائے کہ اگر انہوں نے اعلیٰ درجے کے علوم حاصل کر کے فکر کو بلند کرلیا تو وہ اس کے ذریعہ مقابلے کے لئے تدارکات کا بندوبست کرلیں گے۔ دوسرے یہ کہ انہیں پستی میں رکھ کر، ہم سایہ ممالک کو ایک کو دوسرے سے جنگ پر آمادہ کر کے اپنے پرانے اسلحہ کے انبار کو انہیں کے ہاتھوں منہ مانگے داموں فروخت کر دیں گے، اس طرح لڑتے بھڑتے، بے حال ہو کر وہ مزید گراوٹ میں جا پڑیں گے۔ اسلحہ کی سوداگری، ہمیشہ ہمارے مفاد میں رہے گی۔ یہی طریقہ اپنی دوسری مصنوعات کی نکاسی کے لئے بھی اختیار کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی فوجوں کو بھی ہر ملک میں مستقر رکھیں گے، اس کے اخراجات بھی انہیں فقیر ممالک کے ذمہ رہے گی۔ لڑائیوں میں مریں گے بھی وہی۔ غربت زدگی کی بناء پر ان کا دست طلب ہماری طرف بڑھا رہے گا۔ دکھانے کیلئے ان کی کچھ امداد کا بھی بندوبست انہی سے حاصل کی ہوئی رقم سے ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ مقصود، اس مسابقے سے انہیں منفعت حاصل ہونا ہے۔ ایک مستقل غلبہ اور دوسرے وہاں سے کھنچ کر آنے والی دولت، جو ان کے یہاں فراوانی قائم رکھے۔ اس کے علاوہ، مغلوب ممالک ترقی نہ کر پائیں گے اور ان پر ان کی بالادستی ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس کے باوجود ان ممالک میں ہر تھوڑے دنوں بعد اقتصادی بدحالی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اس بات کو عیاں کر دیتی ہے کہ فطری نظام کے علاوہ کوئی نظام پائدار نہیں۔ نتائج اپنے اندر اک طویل داستان لئے ہوئے ہیں۔ صرف عراق میں، بش چینی کی حملہ آور جنگ کے نتیجہ میں ایک لاکھ سے زائد، غیر فوجی عراقی ناحق مارے گئے اور بارہ لاکھ سے زائد دودھ پیتے بچّے موت کے نظر ہوئے۔

ایسا نہیں ہے کہ اسلام مسابقہ نہیں چاہتا۔ بغیر مسابقہ کے فکرِ ترقّی بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ اسے اگر کوئی طمع ہے تو وہ معاد ہے۔ اسلام انسان کے ہاتھوں انسان کا خون بہنا ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ بھی جنگ کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہتا ہے مگر اس کی جنگ ان سے ہوتی ہے جو حملہ آور ہوں۔ وہ فقط دفاعی جنگ کا قائل ہے۔ مقابلے کے لئے مقابل کے اسلحوں سے برتر اسلحے سازی اپنے حق میں جانتا

ہے۔ جب مسابقت کی بات آتی ہے، جس کے بغیر ترقّی ناممکن ہے، تو اس کی فکر ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ دوسروں کو مغلوب رکھ کر اپنی بالا دستی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ وہ دشمن کی بھی بہبودی کا خیال رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی انسان ہیں اور اللہ کے بندے؛ فقط یہ کہ انہیں نادانی اور صحیح ہدایت کے فقدان نے گھیر لیا ہے۔ ہدایت دینے والے چرچ کے ہاتھ سے قوت چھین لی۔

اسلام، جیسا عرض کیا گیا، نہ کسی کو مغلوب رکھنا چاہتا ہے نہ ہی کسی پر بالا دستی پسند کرتا ہے۔ غصب کئے ہوئے مال و دولت کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ وہ اخلاق کی حفاظت کے لئے شیطان لعین و رجیم، سے جنگ کرتا ہے اور اسی پر بالا دستی چاہتا ہے۔ ایک مسلمان اللہ کا عبد یا اس کا خادم بن کر انسان کی خدمت گذاری میں اپنا سرِ تسلیم خم رکھتا ہے ان کی ترقّی کے لئے علوم کی دست یابی، تحقیق و اختراع کا بندوبست کرتا ہے، روزگار مہیا کرتا ہے، اس کام کے لئے تقویٰ اختیار کر کے اپنے رازق کی ربّانیت کی طرف سے عائد کی ہوئی کمال ترقّی کے حصول کے لئے عملی طور پر خود کو مشغول رکھتا ہے اور کامیابی اور مستقل مزاجی سے اس پر عامل رہنے کے خاطر اپنے ہاتھوں کو اللہ کے حضور ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔ یہ فکری تقابل کی بات تھی۔ ضرورت یہ ہے کہ بلا تاخیر تقویٰ کی طرف راغب ہوا جائے، جو ترقی و کمال کا معدن ہے۔ جس کے بغیر وہ ہمیشہ بے سروسامانی کی حالت میں رہے گا۔

اس سلسلے میں، مکرر عرض ہے کہ ہمیں عاقبت پر نگاہ رکھ کر قرآن و محمدؐ و آل محمدؐ کی ہدایات کے مطابق عدل و انصاف پر مبنی زندگی کی مسافرت طے کرنا چاہیے، تاکہ اللہ کی خوشنودی ہاتھ آئے۔ اصول دین میں بھی انَ ہی باتوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ معاد کا توحید و عدل پر انحصار ہے جس کی تفصیل بتانے والے رسول و آئمہ اطہار ہیں۔ اس برنامہ یا اصول دین سے انحراف راہِ راست سے انحراف ہے۔

بحول اللہ و قوّتہ اقوم و اقعد

اللہ کی دی ہوئی قوت سے اٹھتا اور بیٹھتا ہوں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کی طرف سے پہنچائی ہوئی قوت ہم کو متحرک رکھے ہوئے ہے۔ یہ لامتناہی خزانے؛ غذا، آب و ہوا اور تسلسلِ نظامِ ہضم و ترسیلِ توانائی، فہم و ادراک، عزم و ارادے منشاء کارساز حقیقی کی مطابقت کرتی ہوئی حکمت و طرّاحی ہے۔ اسی

نے کاروانِ حیات کورواں، دواں رکھا ہے۔مخلوق کی دلجوئی کے لئے، ماحول کو جنّت نما پر رنگ حسن سے مزیّن کیا۔جس کے بغیر زندگی دوبھر ہوجاتی ۔ہمیں اس کا شکر گذار ہونا چاہئے۔یہ شکر گذاری متقاضی ہے کہ ہم اس کے اطاعت گذار بندے بن کر زندگی بسر کریں۔ یہ کیفیت فقط اقیم الصلاۃ کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے، جوہمیں اللہ کا عبد بننے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

’جس نے اللہ ورسول کی اطاعت کی،تو ایسے لوگ ان بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں اللہ نے اپنی نعمتیں دی ہیں،یعنی انبیا وصدیقین وشہدا وصالحین، یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔النساء ۴:۶۹

تسبیحِ اربعہ

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اللہ واللہ اکبر:

سبحان اللہ: اللہ کی ذات پاک ہے۔عام طور پر پاکیزگی کے بالمقابل،نجاست بیان کیا جاتا ہے۔ایسی نجاست و پاکیزگی کا تعلق صرف مادّی چیزوں سے ہوسکتا ہے، اللہ سے نہیں ۔ہم اللہ کی پاکیزگی، اس کے خلق کئے ہوئے انسان ، اور دیگر چیزوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔جہاں تک غیر ازانسان اشیاء کا تعلّق ہے اس نے انہیں جو لائحہ عمل عطا کیا ہے، رتّی برابر بھی ان کی کارکردگی میں فرق نہیں آتا۔ان کی بالیدگی میں، جس قدر ان کی ضروریات ہیں، اشیاء میں فراوانی ہونے کے باوجود بھی، اس سے زیادہ مصرف میں نہیں لاتے۔ ہوا مٹّی ، پانی ، جمادات، نباتات، ایک بندھے ہوئے پروگرام کے تحت عمل درآمد میں مشغول ہیں۔ کششِ ثقل، سیّاروں وغیرہ کا دیئے ہوئے مدار پر محکم رہنا۔سب کے سب نظامِ قدرت کی پاکیزگی کے مظہر ہیں۔

جب انسان سبحان اللہ کہتا ہے تو اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ،اس کا میدانِ عمل بڑی وسعتوں کا احاطہ کرلیتا ہے، دنیا کی تمام اشیاء سے کام لے کر خدمتِ انسانیت اس کے ذمّہ ہو جاتی ہے۔چونکہ بھول وچوک شاملِ حال رہتی ہے، غلطیوں کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔اس لئے اس پر فرض

ہو جاتا ہے کہ قرآن اور اللہ کے بھیجے ہوئے، منصب ہدایت پر فائض بندوں کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کر کے زندگی کی مسافرت طے کرے۔اس بناء پر کہ ان کی ہدایات پاکیزہ اصولوں پر مبنی ہوتی ہے،ان کی ہدایت پر بے راہ روی پر نہیں مار سکتی اور پاکیزگی کی ضامن بن جاتی ہے۔لہٰذا،کلمہ سبحان اللہ کو زبان پر جاری کرتے ہی ہمیں قرآن اور پاکیزہ اہلبیتِ رسولؐ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔جب ہم اپنے اعمال کو ان کے احکام کے مطابق انجام دیں گے،تو سچّائی کی راہ پر قائم رہیں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ:۔ تمام حمد اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ اپنے عبد سے اپنی فرماں برداری کرانے سے پہلے ہی اس کی ساری احتیاجات کو پورا کرتا رہتا ہے۔پیشگی اجر پا کر جب اس کی وہ تعریف میں الحمدللہ کہتا ہے تو وہ ادّعا کرتا ہے کہ ہم فقط تیری فرماں بردری کرتے ہیں رکرتے رہیں گے۔غرور و تکبر ہمارا شیوہ نہ رہے گا۔ جب پوری طرح خلوصِ دل سے وہ اس کی فرماں برداری کرے گا،تو بے راہ روی خیال وخواب میں نہیں آسکتی۔اس ادعا میں اگر خلوص نہیں تو فرماں برداری سے روگردانی ہے۔اس لئے خلوص نیت شرط ہے۔اس کی عنایات پر جب ہم اس کا شکرادا کریں یا تعریف کریں،یادرکھیں کہ ہماری اللہ کے احکام کی فرماں برداری ہی اس کی حمد ہے۔ ایسی حمد ہمارے اعمال کو درست حالت میں قائم رکھتی ہے۔

ولا الٰہ الا اللہ: اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔وہی ساری کائنات کو سنبھالنے والا ہے۔اس کا مطیع ہونے کا مطلب ہی پاکیزہ روی ہے۔بے راہ روی سے دوری ہے۔

واللہ اکبر: اس کا ذکر آچکا ہے۔مجسّم طور پر خود کو اس کے سپرد کر دینا ہے۔سجدہ کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔ایسی اطاعت کے لئے پاکیزہ زندگی کا حامل ہونا لازم ہے۔

ان جملوں کی تکرار اس لئے کی جاتی ہے کہ انسان پر ان کے اثرات گہرے اور محکم تر ہوتے جائیں۔ایسا انسان اپنی حفاظت کرتے ہوئے اپنے اخلاق کو عروج پر پہنچا دیتا ہے۔اس میں اللہ کی عظمت کا ادراک پیدا ہو جاتا ہے۔اس میں خود غرضی وخودخواہی،غرور وتمکنت نام کو باقی نہیں رہتی،مخلوق خدا کے ساتھ عدل و انصاف سے برتاؤ کرتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے سر تسلیم خم نہیں

کرتا۔ بے راہ روی اس سے دور بھاگتی ہے

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچّے بے راہ روی سے بچے رہیں، ان کا اخلاق درست رہے، تو اس وقت مسلمان جس خود فریبی میں مبتلا ہے، اس سے انہیں بچائے۔

مقصدِ تلاوت کیا ہے؟

یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ بچپنے میں بغیر سمجھی بوجھی قرآن کی تلاوت سکھا دی جاتی ہے۔ اس کے بعد بچّہ ساری زندگی اسے اسی طرح دل و دماغ کی آنکھیں بند کر کے دہراتا رہتا ہے، اس کے اعمال پر اللہ کی ہدایات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کہا جاتا ہے کہ، ہوسکتا ہے، قریب ہی کوئی عربی داں بیٹھا ہو تو وہ سمجھ لے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بچّوں کو کیا فائدہ پہنچا جو عربی زبان پر دسترس نہیں رکھتے؟ بچّہ اپنے اس کول میں مخصوص مضامین پر لکھی ہوئی کتابیں یا جو کچھ بھی وہ پڑھتا ہے، چونکہ کتابیں جس زبان میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں جانتا ہے، اس کی غرض و غایت سے استفادہ کر لیتا ہے۔ کتاب جو کچھ بتانا چاہتی ہے۔ وہ سمجھ لیتا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اس کا وقت بھی ضائع نہیں ہوتا۔ اگر وہ پڑھے ہوئے مضمون سے مستقل طور پر ملحق رہا (یعنی یاددھانی ہوتی رہی) تو کتاب میں مندرجہ امور اس کی یادداشت میں باقی رہتے ہیں، اور وہ مضامین جن کی یاددہانی نہیں کرائی جاتی رہی یا جو مصرف میں نہیں آتے رہتے، یادداشت سے محو ہو جاتے ہیں۔ قیامِ صلاۃ: صلاۃ کے برپا ہونے سے مراد ہے احکاماتِ الٰہی کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حرکت میں آجانا ہے، یعنی: اس کے کلمات میں جو حرکت دہندہ معنیٰ مضمر ہیں (خالی از دماغ پڑھ لینے سے نہیں) اپنے اعصاب پر طاری کر کے خود کو اس میں جو پیام یا مسیج موجود ہے، اس کے مطابق حرکت میں آجانے سے ہے۔

جیسا کہ ہم نے اندازہ لگایا کہ کلماتِ نماز کے ذریعہ انسان فرداً فرداً اپنے اخلاق کو پاکیزہ دینی راہوں پر استوار کر لیتا ہے، مجموعی طور پر اس سے معاشرے کی تعمیر و ترقّی اور اخلاقی ضروریات کو پورا کرنے میں معاونت حاصل ہوتی ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ صلاۃ، یاددھانی کے لئے برگذار کی جاتی ہے۔ چونکہ عام انسان کی یادداشت کمزور ہوتی ہے، اس کی تکرار ضروری ہے، تا کہ یادداشت سے محو

ہونے نہ پائے، وہ ہمیں اپنے فرائض کو پورا کرتے رہنے کی طرف متوجہ رکھے؛ شرط ان میں جو ہدایات موجود ہیں، ساتھ ساتھ ان پر عامل رہنا ہے، ورنہ وہ اثر انداز نہ ہوسکیں گے۔ اگر فقط ایک مرتبہ سمجھ کر پڑھ لینا ہی کافی ہوتا، تو دین کی طرف سے صلاۃ کا پانچ مرتبہ برقرار پانا کیوں واجب کیا جاتا؟ اس حقیقت کو ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ ہمیں بااخلاق انسان بنا کر رکھنے میں معاون ہے۔

قیامِ صلاۃ یعنی پروردگارِ عالم کی فرماں برداری میں اس کے احکام کی پابندی کے لئے اٹھ کھڑے ہونا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ انسانیت کو فلاح حاصل ہو۔ باالفاظ دیگر قیامِ صلاۃ یعنی ایک نظام جو اللہ کے احکام کی اتباع کرتے ہوئے معاشرے میں قائم کیا جائے۔۔عربی زبان کو جانے بغیر اس کے کلمات ادا کئے جاتے ہیں، جب وہ ہمارے پلّے ہی نہیں پڑتے تو اللہ کے احکام کی پابندی کیسے ہوگی اس سے ہمارے اعمال کس طرح اثر انداز ہوسکیں گے اور معاشرے کی بدحالی کیسے دور ہوگی؟ یہ نری خود فریبی ہے کہ بغیر سمجھے تلاوت کی جائے۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾

ہم نے قرآن کو فصیح عربی زبان میں نازل کیا ہے، شاید یہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں۔

(زمر ۳۹/۲۸)

رسول خداؐ نے فرمایا: جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، روز قیامت اندھا وارد ہوگا۔ (عقاب الاعمال۔ص ۳۳۷)

اگر کلماتِ قرآن وصلاۃ معنیٰ رکھتے نہ ہوتے، اور اس کا بے سمجھے تلاوت کرنا جائز قرار دیا گیا ہوتا تو شاید اس کا بے سمجھے، جس طرح جھاڑ پھونک کے لئے اشلوک پڑھے جاتے ہیں، بے مقصد ہونے کے باوجود پڑھنا قبول کرلیا جاتا۔ اس لئے کہ وہاں عمل شرط نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔قرآن کا ایک ایک لفظ گہرے معنیٰ کا مالک ہے، اس دنیا میں انسان کے لئے دستورِ حیات ہے۔ یہاں کے سارے مسائل کا حل اس میں موجود ہے، اس کی ہر بات منطقی و مدلل ہے، معقولیت کی حامل ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتا ہے، نتیجتاً اس کی خوش اخلاقی معاشرے کے لئے مصلح بن جاتی

ہے، اس کی اصلاح کرتی ہے، اوراس کا یہ عمل اس کی مغفرت کا ضامن بن جاتا ہے۔قرآن کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ، اس کی درست ترجمانی نہیں کر پاتا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عربی کو سیکھ لیا جائے، تاکہ اس پر عمل پیرا ہو اج اس کے اور دنیا و آخرت بخیر ہو۔ دشمنوں نے عربی زبان سیکھنے کو ہوا بنا دیا ہے، تاکہ مسلمان اس سے استفادہ نہ کر پائیں اور ہمیشہ پسماندہ رہیں۔

اس بناء پر کہ مسلمانوں کا دینی اساس، یعنی قرآن و حدیث اور دیگر کتب، عربی زبان میں ہے اسے مسلمانوں کی عالمی زبان کا درجہ ملنا چاہئے تھا۔اوائل پاکستان میں، عربی کو زبانِ اوّل کا درجہ دینے کی ایک تحریک چلی تھی، مگر اسے چلنے نہیں دیا گیا۔ پاکستان کے مفاد پرست اسٹیٹ ملاّ نے بھی ،منصب اور مال و دولت کے دباؤ میں آ کر خاموشی اختیار کر لی تھی، بات ٹھپ ہو کر رہ گئی۔ یہ تاریخ کے چبھتے ہوئے کانٹے ہیں جو مسلمانوں کو پس ماندہ رکھ کر قابو رکھنے کے لئے ایجاد کئے گئے تھے۔اس پیش رفتہ زمانے میں، یہ ہمارا بودا پن ہوگا اگر ہم چبھن محسوس کرنے کے بعد بھی ساکت بیٹھے رہے۔ہم پر لازم ہے کہ تاریخ کے اس دھارے کا رخ موڑ دیں۔ دھوکے باز ملّوں کے چکّر میں نہ پڑیں۔انہیں اللہ کی پرواہ نہیں۔

اس طرح بات جو نکھر کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ہمیں آخرت میں اپنی بھلائی مقصود ہے، تو مسلمان بن کر تقویٰ اختیار کرنا ہوگا، جس کے لئے قرآن و حدیث پر دسترس نہایت اہم ہے۔ چونکہ ان دونوں کی زبان عربی ہے، ان کا ترجمہ اس کے عمیق، وسیع و عریض مفاہیم و مقاصد بیان کرنے سے قاصر ہے۔ پوری ملّت اسلامیہ کو عربی زبانِ اپنانا ہوگا۔اس کے حصول میں اگر لیت ولعل سے کام لیا گیا یا دیر کی گئی تو نہ تقویٰ ہاتھ آئے گا نہ مسلمانیت باقی رہے گی، البتہ غلامی ضرور قائم رہے گی، اور عقبیٰ برباد۔

عربی زبان کو مسلم ثقافتی زبان بنانے میں ہماری اولاد، سریع و محکم کردار ادا کرسکتی ہے بچپنے میں چونکہ زبان سیکھنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے ان کو ساتھ رکھ کر اس کام کو انجام دینا نہایت آسان بن جاتا ہے۔ایک مرتبہ جب ہم ان کے ذریعہ گھر میں اس زبان کو رائج کر دیں گے دوسرے

مسلم گھرانوں کی آنکھیں کھلیں گی، اور اس کی افادیت سے واقف ہو کر وہ بھی اسے اپنانے کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

بہر حال کلمات قیامِ صلاۃ (نماز) کو حضوریٔ قلب کے ساتھ سمجھ کر ہی پڑھنے سے ہمارے اپنے اور ہماری اولاد جو ہمیں بہت پیاری ہے ان کے اعمال درست حالت میں رہ سکتے ہیں۔ اور معاشرہ فساد سے بچا رہے گا۔ اس معاملے میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لیے اس عمل حمیدہ پر کاربند ہونا ہمارے حق میں ہے۔ اگر دیر کی گئی تو کشتی کا چھوٹ جانا بعید از قیاس نہیں۔

۷۔ تقویٰ قاطع بے راہ روی

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو ہم ان کیلئے زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کے گرفت میں لے لیا۔ (اعرف ۷:۹۶)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

جو بھی تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے (۲) اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جسکا خیال بھی نہیں ہوتا۔ (طلاق: ۶۵/ ۲۔۳)

بہ حکم خدا، انسان دنیا میں وارد ہوتا ہے اور یہاں کی مسافرت جس میں جبلّت کے علاوہ کسی حد تک اس کی مرضی شامل ہوتی ہے طے کرتا ہوا اللہ کے حکم کے مطابق گذر جاتا ہے۔ مسافرت کی اکتاہٹ سے بچانے کے لئے قدرت نے انواع و اقسام کے مناظر و دلچسپیوں کا پیشگی بندوبست کیا۔ ان سے استفادہ کے لئے، خوبیوں کے مالک حدود مدارج مقرر کر کے بتا دیا کہ ان سے تجاوز نہ کرنا کہ ہر دو جہان میں نا راحتی کا سامنا ہوگا۔ اگر دامن کو سنبھال کر رکھا تو یہاں بھی چین اور وہاں کی دلنشیں آسائشیں کا تو جواب ہی نہیں۔

تقویٰ: اللہ کی رضا کے لئے، اس کے حضور، فروتنی وخضوع وخشوع کے ساتھ مکمل طور پر تسلیم ہو جانے اور پاسبانی یا حفاظت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ برائیوں سے بچا کر رکھنے اور اعمال کی شستگی کیلئے، عاجزی وانکساری کے ساتھ اصول وفروع دین کو مشعل راہ بنانا اور پرہیزگاری ہے۔ اس کا اصل مقصد اللہ کی اتباع کرتے ہوئے، اپنی روح کو پاک وسالم حالت میں قائم رکھ کر، اس دنیا کی مسافرت طے کرنا ہے۔ خوف کا عنصر بھی اس کے ساتھ ہے۔ مراد یہ ہے، ایسا نہ ہو کہ برائیوں میں جا پڑے اور عاقبت کو خطرے میں ڈال لے۔ چونکہ اللہ عادل ہے، یوم الحساب کا مالک ہے؛ رو رعایت کی گنجائش نہ ہوگی؛ اللہ کا خوف ایک وسیلہ بن جاتا ہے، اپنے آپ کو برائیوں سے بچا کر اللہ کا فرماں بردار بندہ بنے رہنے کا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم بے لاگ / باتقویٰ زندگی بسر کریں گے، ہمارا ہر قدم، عدل وانصاف، ہمدردی صلح وآشتی کے جذبہ کے ساتھ انسانیت کی بہتری کے لئے اٹھے گا۔ ہمارے ہاتھوں کسی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ رہے گا، کسی قسم کا ظلم سرزد نہ ہوگا۔ مخلوقِ خدا ہمارے ہاتھوں محفوظ رہے گی۔

طاغوتی قوتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا جائے کہ تقویٰ اختیار کرنا صرف اولیا اللہ کا کام ہے، نہایت سخت ہے، عام بندوں کیلئے ناقابلِ عمل ہے۔ اس کو اس قدر ہیبت ناک بنا کر پیش کیا کہ لوگ اس کی سختیوں سے خوف کھا کر دور رہیں اور جاہل وپس ماندہ رہ کر ہمیشہ ان کے تابع رہیں۔ ان کی بدقماشیوں کی طرف کوئی انگلی اٹھانے والا نہ رہے، اور ان کی مفاخرت بھری تکبرانا، عیش و عشرت میں کوئی فرق آنے نہ پائے۔

جس طرح جب تک ایک چراغ کو بغیر کسی جلانے والی چیز سے روشن نہ کیا جائے، روشنی نہیں دے پاتا، اسی طرح ہماری روح کا اس کے بجھے رہنے اور بیدار رہنے کا بھی معاملہ ہے۔ وہ لوگ جو ، اپنے مادی مقاصد کی برآوری کے لئے اسے دبا دینے کی کوشش میں رہتے ہیں وہ کوشش میں کافی حد تک کامیاب ضرور ہوتے ہیں، مگر اللہ کی طرف سے دئے ہوئے ضمیر کا مستقل طور پر تحت الشعور میں بٹھایا ہوا چراغ، کتنا بھی بجھانے کی کوشش کیوں نہ کی جائے ہر وقت ٹمٹماتا رہتا ہے، اس کی لو کو تھوڑا سا بڑھانے کی کوشش کی جائے تو وہ ہماری روح میں ہماری سوچ سے کہیں زیادہ بیداری پیدا کر دیتا

ہے۔ضرورت ہے کہ حقیقتوں پر ایک گہری نظر ڈالی جائے، ذہن پر اس کا تصوراتی اثر، تقویٰ کے سختی کے خوف کو دور کردے گا۔جب بھی کوئی پودا زمین میں لگادیا جائے گا سرسبز ہوکر اپنی قامت پر ضرور پہنچے گا۔کوشش شرط ہے۔

خداوند کریم نے انسان کو انسانیت کے جامے میں محفوظ رکھنے کیلئے ہر قسم کا انتظام کیا ہے کہ لوگ تقویٰ کو سخت اور خوفزدہ چیز سمجھ کر اس سے دور نہ رہیں، اور دنیا سکون کی زندگی گذارے۔انبیاء، مرسلین، آئمہ بھیجے، جنہوں نے اس کا آسان ہونا عمل کر کے دکھایا۔صحیفے بھی آتے رہے۔ان کے ذریعہ انسانیت ساز اخلاق: باہمی امداد، احترام، صلح وآشتی پر مبنی زندگی کی داغ بیل ڈالی، شیطان کی شیطنت سے آگاہ کیا کہ وہ انسان کو راہ ہدایت سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ بے راہ روی سے عاجزی ظاہر کرکے پاک پرسکون زندگی کے مالک بن جاتے ہیں۔اگر سختی سے دوچار ہوتے ہیں، چونکہ انہیں اللہ کی قدرت پر بھروسہ ہوتا ہے، گھبراتے نہیں، با آسانی حل تلاش کرلیتے ہیں۔

تعریفِ تقویٰ

ہر زمانے میں اخلاقِ انسانی ادبار میں پڑا رہا، بااخلاق لوگوں کی اقلیت میں بڑی تعدادِ گوشۂ عافیت ہی تلاش کرتی رہی۔جن لوگوں نے اصلاح کی کوشش کی، یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا؛ جب انبیاء ومرسلین اس کام کو نہ کرپائے تو آپ کی حیثیت ہی کیا! قرآن:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

الم۔یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔یہ صاحبانِ تقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کے لئے مجسّم ہدایت ہے۔جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، پابندی سے پورے اہتمام کے ساتھ نظامِ صلاۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے

ہیں۔ وہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں ہم نے نازل اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ (بقرۃ ۲/ ۴۔۶)

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۝۱۶۵

اس کے بعد جب انہوں نے یاددہانی کو فراموش کردیا تو ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچالیا اور ظالموں کو ان کے فسق اور بدکرداری کی بناء پر سخت عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ (اعراف ۷/ ۱۶۵)

یہ ہماری غفلت وکوتاہی کا نتیجہ ہے کہ ہماری اولاد تقویٰ کی طرف راغب نہیں۔ بلکہ بے راہ روی میں جا پڑی ہے، اور اس میں اچھے و برے اخلاق کی تمیز ہی باقی نہیں رہی۔ ہم نے کبھی بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ ہمارا خود کا اخلاق کس قدر خود آگاہانا رہا ہے۔ ناولیں تو پڑھتے رہے، کیا اخلاق کے مضمون پر بھی کسی کتاب پر نظر پڑی۔ ہمارے تعلقات عام لوگوں، اعزّ و اقربا، دوست احباب، بزرگ افراد، اہل خاندان، خصوصاً اہل وعیال سے، کس قدر مخلصانہ رہے ہیں۔ ہم کس قدر ان کا احترام کرتے ہیں۔ کیا ان کے احساسات کا کبھی جائزہ لیا، کیا ہماری نکتہ چینی کی دھار ان کے جگر کو چیر نہیں رہی تھی۔ کیا ان کی مادّی ومعنوی احتیاجات کو پورا کرنے کی کوشش کی، جو ان کا حق تھا۔ جب کبھی ہم ان سے تلخ کلامی سے پیش آئے تو سر جھکا کر معذرت خواہی میں جلدی کی، کیا اپنا احتساب کرتے رہنے کی عادت ڈالی؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہم بداخلاق ہو کر تقویٰ سے کوسوں دور رہے۔ تقویٰ کی پہلی سیڑھی خوش اخلاقی ہے: اللہ کا وہ اخلاق ہے جس پر اس نے انسان کو خلق کیا؛ اور جس کی سمت ہم قدم بڑھانے کے روادار ہی نہیں ہوئے ـــــــــــــ بچّے کو تو ہمارا ہی چال چلن اختیار کرنا ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ ـ پھر تقویٰ کی اس سے امید کیسی۔ ـ یہ ہماری تکبر آمیز مفاخرت تھی جس نے ہمیں اخلاقِ حمیدہ سے دور رکھا، غیض وغضب، چیخ و پکار کو منبع قوّت سمجھ کر، جان سے لگائے مغرور پھرتے رہے۔ اللہ کے اکبر ہونے کا زبانی اقرار ضرور کرتے رہے، مگر ہمارا

دھیان کبھی بھی اس کی طرف گیا ہی نہ تھا۔ خود ہی اکبر بنے بیٹھے رہے۔

افزائش تقویٰ برائے کردار سازی

تقویٰ؛ انسان کا مخلوقِ خدا سے خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنے کے واسطے ہمدردی کا ایک نظام یا وسیلہ ہے، اس کو رائج کرنے کیلئے قدرت کی طرف سے وسیع طور پر انتظامات کئے گئے ہیں۔ تقویٰ کی بنیاد اصول وفروع دین پر رکھی گئی ہے جو تقویٰ کو فروغ دینے میں معاونت کرتے ہیں۔ تفصیلی طور پر معلومات کیلئے، احادیث نبوی تصدیق شدہ از محمدؐ و آل محمدؑ، کسی مستند دینی کتاب، ہادیان بر حق کے اقول و دعاؤں کے مجموعہ وغیرہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ: خدمت گذار خدمت لینے والے سے زیادہ محترم ہے۔ اس لئے کہ: اگر ایک شخص اس لئے مزدور یا ملازم بننے پر مجبور ہوا کہ وہ درست تعلیم و تربیت حاصل نہ کر پایا تھا۔ وہ اس کی غلطی نہیں بلکہ ناسمجھ خود خواہ و خود پرست معاشرے کی تھی۔ ہر فرد پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ انسان دشمنی ہے۔ اسلام اسے گوارہ نہیں کرتا۔ اس لئے منبر سے اس پس ماندگی کی وضاحت ضروری ہے۔

خودفریبی یا دوسری کسی بری عادت کو ترک کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ فقط محکم طور پر ہم اپنے دل میں ٹھان لیں، کہ: ہم اس امر کو حتماً انجام دے سکتے ہیں، اور اسے اسی وقت، اسی دم شروع کر دیا ہے۔ اس سے بیزاری کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ روزآنہ اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ دن میں بارہا دہراتے رہیں، کہ مجھے فلاں عادت سے نفرت ہے اور میں نے اسے ترک کر دیا ہے۔ اس پر عمل ضروری ہے۔ وہ اپنا دم توڑ دے گی۔

زکوٰۃ وخمس: برائے کفالت واصلاحِ معاشرہ

یہ امر ہمارے مشاہدے میں ہے کہ کوئی بھی نظام بغیر پیسوں کے نہیں چل سکتا۔ اسلام کا نظامِ اقتصاد عدل وانصاف کے حق میں ہے، یعنی، پہلے دوسرے بعد ہم، یا اگر اپنی دیوار اونچی کرانی ہے تو پہلے

ہمسایوں کی اونچی کراؤ۔موجودہ نظامہائے اقتصاد،انسانی ہمدردی کا دم بھی اگر بھرتے ہیں تو قرضہ دے کر،سود کے ساتھ واپس لے لیتے ہیں۔ اس میں حق تلفی کا عنصر شامل ہے۔اسلامی نظامِ اقتصاد؛ کیوں رواج نہ پا سکا؟اس کی وجہ یہ ہے کہ،اموی،عباسی و فاطمی اپنے ادوار میں،عوام کی گاڑھی کمائی کو بے انصافی وظلم کے ذریعہ چھین کر اپنے خزانوں کو بھرتے اور اپنی عیش وعشرت بھری ناپاک زندگی پر صرف کرتے رہے، یا سیاست کو اپنے حق میں قائم رکھنے کیلئے رشوتوں کی نظر کرتے رہے۔انہوں نے عوام کی تعلیم ودیگر فلاحی کاموں کا کوئی بندوبست نہ کیا۔انسانیت کسمپرسی کی حالت میں مبتلا رہی۔آگے بڑھ کر استعمار(کولونیل نظام) کی حکومتیں تو تھیں ہی بندر بانٹ کے ذریعہ لوٹ وکھسوٹ کی قائل؛ مجبوراً مسلمانوں کو بھی،ہچکولے کھاتے ہوئے کیپیٹل ازم یا سوشل ازم وغیرہ کو اپنانا پڑا،جن میں پائداری مفقود ہے،اور جو ہر تھوڑے دنوں بعد ڈپرشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان نظاموں میں اور اسلامی نظام میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔پہلا ،غریبوں کی جیب کاٹ کر سرمایہ دار کی تجوری بھرے رکھنے کے لئے ہے اور دوسرا، بندگیٔ خدا میں،انفاق وانفال کے ذریعہ غریب کو اعلیٰ وارفع علوم برائے تحقیق واختراع سے مزیّن کر کے،کمالِ ترقّی پر موجزن رکھنے کیلئے تیزی سے خرچ کردینے کے واسطے ہے،تا کہ پوری انسانیت ہمیشہ سریع تر ترقّی کی راہوں پر گامزن رہے۔انسانوں میں ایک دوسرے کے رشتے سے؛ نہ کوئی بندہ رہے نہ بندہ نواز۔ نیازمندی میں فقط اللہ کے حضور سر جھکا رہے۔

قرآن کے رُو سے صلاۃ وزکاۃ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔صلاۃ میں اخلاق کی سالمیت اور انسانیت کی بحالی وترقّی کے خاطر قیام ہے،جس کیلئے سرمایہ داری زکاۃ وخمس کے ذریعہ ہوتی ہے۔انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے،خواہ اس کی کمائی ہی کیوں نہ ہو،علم ودانش،دماغی وجسمانی قوت ،یہاں تک کہ اس کے افکار،سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے،حقِ تصرف اللہ کے پاس ہے۔یعنی مندرجہ بالا سرمایہ بلا تاخیر اللہ کی مرضی کے مطابق صرف ہو جانا چاہئے۔سرمایہ تجوری میں بند کر کے رکھا نہیں جا سکتا۔انسان کی ترقّی وکمال کی طرف پرواز میں جہاں کہیں بھی ضعف آتا نظر آئے ہر انسان کی ذمہ داری

ہو جاتی ہے کہ فرض جان کر بانتہائے خشوع و خضوع بلا تاخیر دور کرے۔

چونکہ احکام الٰہی اور محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت ہم پر فرض ہے، ان کی مطابقت لازم ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں درست نہیں۔ کسی نہ کسی صورت سے ان امور میں شامل رہنا ضروری ہے۔ لاتعلقی ناعاقبت اندیشی ہوگی کہ یہ خوشنودیٔ خدا سے ہمیں دور کر دے گی۔ یوم الحساب پر جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ ہماری شریانوں میں دوبارہ اقتصاد اسلامی کا خون گردش کرنا شروع ہو۔ آیۃ اللہ باقر الصدر کی اسلامی اقتصاد پر لکھی ہوئی کتاب، اخلاق اسلامی کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان آنکھ کھول دینے والی نہایت منطقی کتابوں' کا مطالعہ بڑے اہمیت کا حامل ہے۔

خمس

سال میں ایک بار ایک مخصوص تاریخ پر، خالص بچت کا پانچواں یعنی خمس نکالنا فرض ہے۔ اس میں سے آدھی رقم حقِ سادات ہوتی ہے اور آدھی مرجع تقلید کو جو نائبِ امام ہوتا ہے پہنچا دینا فرض ہے۔ علامہ ابن حسن نجفی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب 'خمس' کا مطالعہ، اس کے حقائق کو واضح کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ انفاق و انفال کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ ہر وہ رقم جو ہمارے پاس آتی ہے، اللہ کی طرف سے ہے، اس کے مصرف کے احکام فقط اللہ کی طرف سے ہونا چاہئے؛ ارشادِ ربّانی ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیسے خرچ کریں۔ فرما دیجئے، جو ضرورت سے بچ جائے۔ (بقرہ ۲/۲۱۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! تمہیں جو رزق دیا گیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش۔ (بقرہ ۲/ ۲۵۴)

مندرجہ بالا آئتیں کھل کر بتا رہی ہیں کہ جو بھی پیداوار ہو، یا رقم ہاتھ آئے، اپنے معقول مصارف اور ایک سال کے جائز اخراجات کیلئے رقم روک لینے کے بعد جو بچ جائے بلا تاخیر ایسے امدادی کاموں میں صرف کردی جائے جو انہیں تقاضۂ ربانیت کے مطابق جہالت اور بے حسی کی حالت سے باہر لاکر علم وعمل کے منازلِ بالا پر لاکھڑا کریں کہ وہ تحقیقات واختراع میں مشغول ہوجائیں، اور ناداری کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ متمول یا ثروت مند لوگوں کا دولت کو دبا کر بیٹھ جانا اصل میں دوسروں کا حق مارا جانا ہے، جسے پروردگار عالم برداشت نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اللہ کی منشاء میں رخنہ انداز ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مال جو انہوں نے بچا کر محفوظ کرلیا ہے آئندہ کام آئے گا۔ جب کہ کسی کو بھی پتہ نہیں قبر میں کس وقت اترنا پڑ جائے، اور آئندہ کارفرمانہ ہوسکے۔

جہادِ اکبر

جہاد، جدوجہد یا سخت کوشش کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں؛ پہلا جہاد دورِ حاضر میں ساقط ہے، اس لئے کہ اس میں امام کی سربراہی لازم ہے۔ دوسرا جس کو رسول اللہؐ نے جہادِ اکبر کہا ہے، ہر فرد پر لازم ہے۔ یہ نفس اتارہ کے خلاف جنگ ہے، جو بے راہ روی کی اصل جڑ ہے۔ ہر چھوٹے بڑے گناہ کی طرف رغبت رکھنے والا نفس، نفس اتارہ کہلاتا ہے۔ چھوٹے گناہوں کا بار بار ارتکاب اسے گناہِ کبیرہ بنادیتا ہے، بداخلاقی یہیں سے شروع ہوتی ہے آیۃ اللہ دستغیب کی لکھی کتاب 'گناہانِ کبیرہ' گراں قدر معلومات کی حامل ہے۔ اس ضمن میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے:

عجیب بات ہے کہ لوگ بیماری کے خوف سے، کھانے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں، مگر آتش دوزخ سے خوف کھا کر گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے نہیں۔ (جامع احادیث الشیٔ ج ۳ ص ۳۲۷)

جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

بدترین گناہ وہ ہے جسے اس کا مرتکب کمتر سمجھے۔ (نہج البلاغہ صبح صالح۔ ص ۵۵۹)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤى اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۰﴾

اس کے بعد برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور برابر ان کا مذاق اڑاتے رہے۔(روم ۳۰/۱۰)

مندرجہ بالا اقوال اور آیۃ مل کر انسانی لا پرواہیوں کی نشاندہی کر رہی ہیں۔کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے راہِ راست کی طرف ہدایات کا سلسلہ جاری نہ رہا ہو۔گناہوں میں لت پت لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہدایت دہندگان، گنہگاروں کی اذیت برداشت کرتے رہے مگر انہوں نے ہدایات میں کوئی ردو بدل نہیں کی۔ان کا یہ موقف صاف بتا رہا تھا کہ ہدایات حقیقی تھیں، اس لئے کہ حقیقت، حقیقت ہی نہیں رہتی اگر وہ دباؤ میں آکر اپنے اندر تبدیلی لے آئے۔ ہدایات کو پسِ پشت ڈال کر گناہ کرتے رہنا ان ہدایات کے جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ان انتباہی ہدایات میں ہمارے لئے سبق موجود ہے، کہ برائی کرنے والوں کا انجام برا ہی ہوگا، اس لئے لازم ہے کہ اپنے آپ کو بلا تاخیر گناہوں سے جدا کرلیں۔اس کے علاوہ جو امر مہم ترین ہے، وہ بچوں کے سامنے ہمارا متقی بن کر کارہائے جہان انجام دینا ہے، تاکہ معاشرے میں شمولیت کیلئے ان کی آنکھوں کے سامنے نمونہ موجود رہے، وہ بے راہ روی سے بچے رہیں، اور ان کے ساتھ ہماری بھی عاقبت بخیر رہے۔اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فطرتِ جہان سے ہم آہنگ معقول دین ہے۔

حجّ بیت اللہ

مناسک یا مراسمِ حج میں مسلمانوں کا دنیا کے ہر گوشے سے آکر اکٹھا ہونے میں اتحاد و خود سازی و اختیارِ تقویٰ کیلئے نفع بخش ہدایات موجود ہیں۔مناسک حج کی افادیت سمجھ لینے کے بعد احکام کی بجا آوری (مالک کے حضور سرِ تسلیم خم) میں مکّہ منوّرہ جانے کی نیت ہی سب سے پہلی تقویٰ کی بڑی نشانی ہے۔دنیا کے ہر گوشے سے آئے ہوئے مسلمان باہم طواف کرتے ہوئے اقرار کرتے جاتے ہیں؛ پالنے والے ہم تیرے غلام ہیں، فقط تیرے احکام کے اتباع میں، یہاں حاضر ہوئے ہیں، تیری ہدایت کے مطابق، اپنے اخلاق کو درست رکھ کر ہم تیری مخلوق کی خدمت و پاسداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں

گے۔ ہم مل کر ناداروں کی اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت کا بندوبست کر کے تحقیق و اختراع کی راہ پر ڈال دیں گے، تا کہ وہ بھی اپنے پیشرفتہ کردار کے ساتھ دنیا کی ترقی کیلئے کام کریں۔ اے قادرِ مطلق! اس کوشش میں ہماری مدد فرما۔ دورانِ طوافِ کعبہ، سارے حاجیوں کا بائیں ہاتھ کو مستقل کعبہ کی جانب رکھ کر سات چکر لگانا، ایک قصد/وعدہ ہے کہ ہم ہمیشہ اللہ کی بنی ہوئی رسّی کی طرح آپس میں جڑے (بٹے/روٹے) رہیں گے، متحد رہ کر اپنے دھیان/اعمال کو اللہ اور رسولؐ کی عادل تعلیمات کے مطابق رکھیں گے، تا کہ شیطان ہمیں بہکا کر مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کر سکے۔

حضرت ابراہیم کے ذریعہ، حضرت اسماعیل و سارہ کو مکّہ بھیج کر وہاں جاگزیں کر دینے میں، اللہ کی بڑی مصلحت تھی۔ وہ اپنے آخری رسولِ برحق کے ذریعہ ہر سال ایک بار، اس جگہ کو، اپنے مال سے نوازے ہوئے متموّل مسلمانوں کی آماج گاہ بنانا، ان کے تعاون و امداد سے تعلیم و تعلّم، تحقیق و اختراع کے مراکز قائم کرنا، ان کے ذریعہ انسانیت کو علم و آگاہی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا کر پروان چڑھانا مقصود تھا۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی اپنے باطن میں اسلام کے پورے فلسفے کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں، مکمل سپردگی کے ساتھ، اس کی رزّاقیت پر محکم یقین رکھتے ہوئے، حضرت ابراہیمؑ کا، بچین مگر اطمینان و آسودہ دلی کے ساتھ حضرت سارہؑ اور اسماعیلؑ کو بے آب و گیاہ تپتی ہوئی پہاڑیوں کے درمیان چھوڑ کر چلے جانا، بچّے کی پیاس، ماں کا تڑپتے ہوئے بیتاب و مضطرب دل کے ساتھ اللہ سے امید لگائے ہوئے، ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بار بار دوڑنا اور ایک کے بعد دوسری چوٹی پر چڑھ کر دور دور تک نگاہ کرنا، امید و بیم اور تسلیم و رضا کی عجیب داستان ہے **اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ** ۔۔۔۔ بھلا وہ کون ہے جو مضطر کی فریاد کو سنتا ہے، جب وہ اس کو مضطرب ہو کر پکارتا ہے۔ بالاترین ابھرے ہوئے جذبات کی تفسیر بھی ہے۔ فقط چشمِ بینا چاہیے۔ اس خدا آگاہ خاندان نے جس طرح بے مثال آزمائش میں پورا اترنے کیلئے اپنے معبود کی تابعی میں سرِ تسلیم خم رکھا؛ ہمارے لئے سبق ہے کہ کتنی بھی بڑی سختی کیوں نہ ہو، اللہ کے احکام سے سرِ مو بھی انحراف نہ

کریں۔

عرفات میں رک کر حجاج؛ اپنی کوتاہیوں کو یاد کر کے، جذبات کو، لجاجت، خشوع وخضوع کی حالت میں لاکر، اللہ کے بھیجے ہوئے برحق ہادیوں کی بتائی ہوئی دعا کو اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنے دین مبین پر، بلاشرکتِ دیگرے قائم رکھے، وہ اس کے عبد (غلام) بن کر اس کے حضور سرِ تسلیم خم رکھیں، انسانیت کا احترام کریں، اوران کی اولاد بمعہ انسانی برادری اخلاقِ اسلامی کے مرقعہ بن کر انسانیت کو اس کے کمال کی سمت رواں دواں رہنے میں مدد کرے، طاغوتی بہکانے والی قوتوں سے منقطع ہو کر فقط اللہ کے عبد بنے رہیں اوراس کی خوشنودی حاصل کرلیں، تاکہ عاقبت بخیر رہے۔ جو ہمارا مقصد ہے۔

منیٰ میں پہنچ کر قربانی، تسلیم ورضا کی ایسی جہت لئے ہوئے ہے کہ جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ باپ کا اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، بڑھاپے کا سہارا، عنفوانِ شباب میں پہنچی ہوئی اولاد کی گردن پر چھری چلادے، اوراولاد بھی ایسی کہ باہوش وحواس، گردن حاضر کردے۔ حج کے یہ کرشمے ہیں۔ اللہ ہمیں یک جاء کر کے متعدد قسم کی قربانیاں پیش کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، اور آئندہ پیش آنے والے امتحانات کو آسان بنانے کیلئے تقویٰ کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

مشعرالحرام میں چنی ہوئی کنکریوں سے، شیطانی ستونوں کو مارنا، ایک اشارہ ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اے شیطان تو ہمارے پیچھے کتنا بھی کیوں پڑا نہ رہے۔ ہم پتّھر جیسے تقویٰ کی قوت ہاتھ میں رکھ کر تابڑتوڑ چوٹ لگاتے رہیں گے۔ تو ہمیں بہکا نہیں پائے گا۔ یہ مقامات ہماری یاددہانی کیلئے ہیں۔ اللہ کے حضور عبد بن کر رہنا، ہمیں، تکبّر، بے جا لالچ، غرور وغصّہ، حق تلفی وبے انصافی جیسی ناروا بد اخلاقی سے بچالیتی ہیں۔

اسلام ایسا دین ہے جس نے حج کے علاوہ قدم قدم پر رہنمائی کا انتظام رکھا ہے، تاکہ اس کے بندے کو شیطان یا شیطان نما انسان راہ راست سے ہٹا نہ پائے۔ ساتھ ہی آزمائش کی شرط رکھ کر انسان کو کچھ اختیارات دے کر آزاد کردیا کہ کائنات کی مہکتی ہوئی گلکاریوں سے پاکیزہ طور پر استفادہ کرتے

ہوئے خوش وخرم زندگی بسر کرے۔ اپنے آپ کو بے بس محسوس نہ کرے،۔ یہ بھی اسی لئے کہ اپنا احتساب کرتا رہے، اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھے، تاکہ اس کے ہاتھوں انسانیت کو تکلیف پہنچنے نہ پائے۔ اس کے بھیجے ہوئے، مخلص، پاک وطاہر ہدایت دہندگان کی حیاتِ طیبہ کو رہنما بنا کر یہاں کی مسافرت پوری کرلے اور جب اپنے معبود کے حضور حاضر ہو تو محمدؐ و آلِ محمدؑ کی راستی پر استوار ہدایات پر ساختہ اخلاق ہمارے سروں پر سایہ افگن ہو۔

دورانِ حج، اس پاک زمین پر جو بھی قدم اٹھتا ہے، تاکید وہدایت کا مرقع بن کر، بندگیٔ خدا کیلئے راہ استوار کرتا ہے۔ بے راہ روی سے بچالے جانے میں مددگار بن جاتا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ واپسی پر، جو کچھ بھی ہم نے یہاں کی جلوہ نمائیوں سے رہنمائی پائی، زندگی کے بقیہ ایام میں خود کو اس سے ہٹنے نہ دیں گے۔ قیام وقربانیٔ حضرت ابراہیم، ہماری نگاہوں کے سامنے رہے۔ ہم انسانیت کی فلاح کیلئے، لغزش سے پاک قیام میں، تاحیات اپنے آپ کو مشغول رکھیں۔

اکثر حاجی حضرات غرور میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ میں نے حج کرلیا ہے، دوسروں کے مقابلے میں برتر ہوں۔ یہ غرور ان کے انجام دئے حج پر پانی پھیر دیتا ہے۔ غرور کیسا، جب کہ حج، اللہ کے دی ہوئی رقم، صحت، قابلیت وآگاہی سے انجام پایا۔ وہ بھی اس لئے کہ، جس کے سامنے وہ اپنی بزرگی کا اظہار کررہے ہیں، انہیں کی خدمت گذاری کا سلیقہ سیکھنے کے واسطے حج پر بھیجا گیا تھا۔ حج کی اصل روح یہی ہے۔ اب اس کا کام یہ ہے کہ جو استطاعت نہ رکھنے کی بناء پر حج نہ کرسکے ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ بھی حج کی فیضیابیوں سے بہرہ ور ہوسکیں؛ اور اس کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوجائے، محتاج سسک سسک کر اپنا دم توڑ دے۔

منیٰ میں اسلامی سکریٹیریئیٹ کا قیام

منیٰ میں قربانی وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد تجدید وتعمیرِ نو اور بحالیٔ امورِ مسلمین کے لئے دو تین دن ہاتھ آجاتے ہیں۔ وہاں حکومت سے مل کر ایک باقاعدہ مسلم امہ کا سکریٹریٹ قائم کیا جائے۔ ہر ملک کی مسلم آبادی کو جو مسائل درپیش ہوں اپنے نمائندہ کے ذریعہ وہاں پیش کریں۔ امدادی

فنڈ قائم ہوں۔اتحاد بین المسلمین، تعلیم و تعلّم، تحقیقات، ایجادات، اقتصادیات، تجارت، سیاست، اخلاقیات، دفاع کے فروغ کیلئے Pacts/معاہدے ہوں۔ان سے متعلقہ مسائل حل کئے جائیں۔یہ یادرکھنے کی بات ہے کہ،ان معاملات پراگر دھیان نہیں دیا گیاتوحج کی قبولیت خطرے میں پڑ جائے گی ،اس لئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ مسلم امہ ایک پلیٹ فارم پرآ کرامورِ مسلمین/انسانیت ہمیشہ حل کرتی رہے ،تاکہ ان کی ترقّی وتکامل میں کوئی رکاوٹ آنے نہ پائے اور اسلامی پرچم کا پھریرتا قیامت، بے روک وٹوک لہراتا رہے۔

امر بہ معروف ونہی از منکر: مادرِ اخلاق

معنیٔ امر:۔حکم،فرمان۔

معنیٔ معروف:۔نیکی کا ہر کام۔

معنیٔ نہی:۔روکنا،منع کرنا۔

معنیٔ منکر:۔براکام، بری بات،خلاف شرع۔

معنیٔ امر بہ معروف ونہی از منکر:۔نیکی کا حکم دینااور برائی سے روکنا۔قرآن:۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

بیٹا نماز قائم کرو(صلاۃ کے مرتبہ نظام کو برپا کرو)،نیکیوں کا حکم دو، برائیوں سے منع کرواور اس راہ میں جومصیبت پڑے اس پرصبر کروکہ بڑی ہمت کا کام ہے۔(لقمان ۳۱/۱۷)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہےاور برائیوں کا حکم دیتا ہے۔خدا مغفرت فضل واحسان کا وعدہ

کرتا ہے۔ خدا صاحب وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی۔ (بقرہ ۲/۲۶۸)

فروع دین کا مضبوط بنیادوں پر نصب رکن یا ستون، دنیائے اخلاق کے وزن کو نہایت محکم طور پر سنبھالے ہوئے ہے۔ ظلم کی تیز و تند آندھیاں ہمیشہ اسے گرا دینے کی کوشش میں لگی رہیں، مگر اس کی استقامتؑ کے آگے ہر ایک کو منہ کی کھانی پڑی۔ دنیا کے ہر صالح قیام میں اسی کو ڈھال بنایا گیا اور خوش کام رہا۔ انبیاء، مرسلین، آئمہ اطہار نے اپنی ہدایات میں اسے آگے رکھا۔ بے نظیر مشن امام حسینؑ میں، امام نے بطور حربہ اس سے کام لیا، جس نے اس مشن کو کامیابی اور سربلندی سے ہم کنار کیا، اور اسلام نے جس کی بنیادیں ہلا دی گئی تھیں، پورے آب و تاب سے، ابھر کر دوبارہ استقامت حاصل کر لی اور اپنی ہدایات سے دنیا کو بقعۂ نور بنانے کے قابل ہو گیا۔

افسوس کہ وہی ادارہ، دوبارہ مفاد پرستوں کے نرغے میں آن پڑا ہے۔ وہی لوگ جن کو اس کے فروغ اور رائج کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اس سے گریزاں، قیصر و کسریٰ کو مات دینے پر لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ اگر ہمیں اور اپنی اولاد کے اخلاق کی پرواہ ہے تو یہ کام اس سے سہارا لئے بغیر ہو نہیں پائے گا۔ اس کی عمق، وسعت اور قوت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے مدینے سے مکہ تک کی مسافرت میں، جو تقریباً دو سے ڈھائی مہینہ کی مدت میں طے ہوئی تھی۔ (ایک عرصے سے چراغِ اسلام کو بجھانے کی کوشش جاری تھی۔ لو مدھم ضرور پڑ گئی تھی مگر رمق ابھی بھی باقی تھی) روز آنہ شام ہونے پر جب پڑاؤ پڑتا، ان کے آمد کی خبر ملنے پر دور دراز سے آ کر لوگ جمع ہو جاتے، اور امامؑ سے طالب ہدایت ہوتے۔ امامؑ اسلام کے رشتے سے، فقط اور فقط اسی کی (امر بہ معروف و نہی از منکر) تشریح کرتے رہے، رتی برابر بھی، نہ حاکم کا تذکرہ آتا، نہ حکومت کی بداعمالیوں کا۔ ان کا مقصد، اسلام کی بنیادوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر مروّج کر کے مضبوط بنانا تھا۔ وہ بیکار د مفسد لوگوں/باتوں کے تذکروں پر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣

یہ صاحبان تقویٰ اور پرہیزگاروں کے لئے مجسّم ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، پابندی سے پورے اہتمام کے ساتھ صلاۃ برپا کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے رزق دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (بقرہ ۲/ ۲ و ۳)

مندرجہ بالا آیۃ میں؛ 'جو کچھ ہم نے رزق دیا' کی تشریح میں معصومین نے بتایا ہے کہ اس کا تعلّق فقط مال و دولت سے نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس اللہ کا دیا علم ہے تو اسے بطور زکات ادا کریں۔ گویا کہ امام حسینؑ کا دوران سفر اپنی تشریحات کا مقصد اسی زکاۃ کا ادا کرنا تھا۔ وہ اپنی اس عبادت کو خالص رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس سے ہٹ کر کوئی بھی بات نہیں کی۔ نہ ہی انہیں ضرورت تھی، اس لئے کہ اللہ کا دیا ہوا امامت کا منصب دلوں پر حکومت کرتا ہے؛ اقتدار و اور حکومت سے بالا و برتر ہے۔ (منبر سے بیسود مناظرانہ تذکرے ولی کی ہدایات کے منافی ہیں)

امامؑ نے امر بہ معروف و نہی از منکر کی جو وضاحت اور تشریحات تسلسل دورانِ مسافرت کی، اس نے لوگوں میں اسلام کی طرف سے اس قدر بیداری پیدا کر دی کہ وہ سچّے اور عادل اخلاق اسلامی کی طرف پوری طرح متوجّہ ہو گئے تھے۔ دور دراز علاقے اس سے متنفّر ہوئے اور ان میں جذبہ خود شناشی پیدا ہو گیا۔ وہ زکاۃ کی اہمیت سمجھنے لگ گئے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ (قیامِ نماز) صلاۃ برپا ہونے کا مقصد کیا ہے۔ صادق پیام ہائے اسلامی عربستان کی آبادیوں میں نفوذ پیدا کرتے چلے گئے۔ خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسلام کی شہ رگ کو قطع کر دینے کی معاویہ کے باپ دادا کی سنّت سامنے تھی، یزید نے اسے تیز تر کر دیا۔

دلوں کو دہلا دینے والی شہادتِ عظمیٰ کے بعد اسلام کی رگوں میں جو روانی پیدا ہوئی، اس نے یزید کو اس قدر بوکھلا دیا تھا کہ فوجی گھوڑوں کے پیشاب اور لید کو مسجد کی پاکیزگی سے زیادہ محترم سمجھ کر مسجد نبوی میں اک عرصہ دراز تک گھوڑوں کو بندھوا رکھا اور اپنے کو خلیفہ جان کر نمازیں بھی پڑھواتا رہا۔ اپنے اس پاگل پنے کی تاب نہ لا پایا، اور ڈیڑھ یا دو سال کے عرصے میں راہئ اجل ہوا۔ اس کے بیٹے نے، خلافت کو خیر باد کہہ دیا اور اس طرح، صلح امام حسنؑ سے معاویہ کی ہٹ دھرم بغاوت، سامنے آ کھڑی

ہوئی اور اپنا رنگ دکھانے لگی۔ گدھوں کی طرح منتظر مروان جو راندہ درگاہِ رسول تھا، تخت پر قابض ہو گیا۔ عباسیوں نے اسے پچھاڑا، اور وہ بھی مظالم کا سہارا لے کر اسلام کے منکروں کی صف میں آن کھڑے ہوئے اور معدومیت کا شکار ہو گئے۔ قدرت نے اپنی ہر تخلیق کو معروف یعنی عدل و انصاف کے ساتھ ہر خوبی کو اس کی بنیاد بنایا ہے۔ اس بناء پر اس کے منکر کی خود بخود نہی ہو جاتی ہے۔ منکر یعنی ظلم کی کشتی کبھی چلتی نہیں۔ کتنی تہذیبیں فطرت کے تقاضوں کے خلاف ظلم کے بل بوتے پر ابھریں مگر معروف سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں اور اپنا وجود کھو بیٹھیں۔ ان کے کھنڈرات، ابھی بھی انسانیت پر ظلم ڈھائے جانے کی خونی کہانیاں سنا رہے ہیں، جو منکروں کی داستانیں ہیں۔

امیر المومنین علیؑ نے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۹) فرمایا ہے: "خدا اس پر لعنت بھیجتا ہے کہ جو نہی از منکر کرتا ہے اور خود انہیں منکرات کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

امر بہ معروف و نہی از منکر کا تعلق عمل سے ہے۔ سب سے پہلے ہم خود نہی از منکر کر کے معروف پر عامل ہو جائیں، اس کے بعد ہی اس قابل ہو سکتے ہیں کہ امر بہ معروف کریں۔ اس کام کے لئے وقت کی نزاکت کو غور و فکر کے بعد سمجھ کر مستقیم یا غیر مستقیم طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ خواہ وہ ہمارے ذہن سے نکلی ہوئی بات ہو یا ہمارا عمل ہو، سو فیصد تقویٰ پر مبنی ہونا چاہئے۔ غیر منطقی بات اپنا اثر نہیں ڈال پاتی اور بیکار ہو جاتی ہے (مگر کمزور و غیر تربیت یافتہ ذہن قبول کر لیتا ہے)۔ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ معمولی سی لغزش بھی فطری تقاضوں کی بناء پر اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ ہر عمل ردعمل کا حامل ہے۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے، جو کبھی ٹلتا نہیں۔

عمل کے ذریعہ امر بہ معروف کرنے کی، رسول اللہؐ و جناب امیر نے ہمیشہ تاکید کی، امام حسنؑ نے بھی کر کے دکھایا۔ امام حسینؑ نے اس امر کو شہادت کے ذریعہ اس طرح عملاً نشر کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ روز عاشورہ، اگر غور کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روز جو مسابقہ ہوا، امامؑ بطور ایک ہادی، انتہائے مظالم کے باوجود، جس طرح پاکیزہ صفات و خصائل کا اظہار کر رہے تھے، وہ تا ابد انسان کے لئے پیغام تھا کہ برائے حق اگر مجبوراً مظالم کو برداشت کرنا پڑ جائے تو کس طرح دامنِ

اخلاق تھام کر رکھا جائے اور صابر و شاکر بھی رہا جائے۔ امامؑ بخاطر رضائے الٰہی، جبیں سائی کا عملی سلیقہ سکھا رہے تھے، تا کہ رہتی دنیا تک، مخلوقِ عالم سمجھ جائے کہ عبد و معبود کا رشتہ کیا ہے۔ جہاں لفظ 'انتہا' اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے، کہ عبدیت کا حق کیسے ادا کیا جائے!

بہر حال، بندگیٔ خدا میں، اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے، امامؑ کا یہ عجیب و غریب قدم، معمول کی بات نہیں تھی۔ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندیٔ بزرگ تھی، جو رونگٹے کھڑے کر دے۔ اموی طاقت، جس کا اس زمانے میں بڑی سازش کار طاقتوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے معاشرے میں ایسا بگاڑ پیدا کر دیا تھا جو اس میں شک نہیں کہ سراسر دینِ خدا کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے مترادف تھا، اس میں تنہا اس کا مغز کام نہیں کر رہا تھا، بلکہ قوتِ اسلام سے خوفزدہ حیلہ ساز مشاق سازش کاروں کے مہلک مشورے بھی شامل تھے جو معاویہ کے بدقماش کھلنڈرے بیٹے کی سوجھ بوجھ بنے ہوئے تھے۔ اسلام کو ان سازشی ٹولے کے مضبوط چنگلوں سے چھڑانا، خیال و خواب سے بھی باہر بات بنی ہوئی تھی۔ ان کے خوف سے لوگ دبکے بیٹھے تھے۔ چاروں طرف جاسوسوں کا تہہ بہ تہہ جال بچھا ہوا تھا حکومت کے اہلکاروں کے سر پر بھی ننگی تلواریں چمک رہی تھیں۔

روزِ عاشورہ جنابِ ابا عبداللہ نے ایسا انوکھا اور جگر پھاڑ دینے والا قدم اٹھایا کہ جس کی روشنی میں احیاء اسلام کے قیامِ حسینی کو جلا ملی۔ جس کی کرنیں ہر کوچہ ہر گلی میں، یہاں تک کہ یزید کے گھر میں بھی چھٹک کر آن پہنچی، واویلا کی ایسی کان پھاڑ دینے والی صدائیں بلند ہوئیں کہ یزید کے کان تاب لا نہ سکے، بوکھلا کر پاگلوں جیسی حرکتوں پر آ پڑا۔ اس کا معمولی سا تذکرہ پچھلے صفحات میں موجود ہے۔ یہ اس کے دوررس نتائج تھے کہ اموی و عباسی اپنے بندروں، تام و تنبوروں کے ہمراہ منہ کے بل جا پڑے اور نام و نشان کھو بیٹھے۔

عظمتِ اخلاقِ امامؑ دیکھئے! دمِ آخر امامؑ نے جو صدائے استغاثہ بلند کی تھی؛ بجائے امر یا حکم کہہ کر متوجہ کرنے کے، امامت کے تفخّر و تحکّم کو بالائے طاق رکھ کر، لوگوں کو اپنی نصرت کہہ کر دعوت دی ــــــ افسوس، صد افسوس، امامؑ نے جنہیں اس بلند اخلاق کے ساتھ پیغامِ قیام پہنچایا تھا؛ ان کا

دم بھرتے ہوئے بھی، انہوں نے اسے ریزہ ریزہ کر کے رسموں میں شرابور کر دیا، اور خانوادۂ رسول کے خون کی قوت وطاقت استقامت سے سر بلند کئے ہوئے اسلام کے سر کو دوبارہ سرنگوں کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لفظ عجب کو جو عجیت حاصل تھی، ضرورت یہ پڑ گئی ہے کہ اس کی جگہ کوئی اور لفظ تلاش کیا جائے کہ ہم امام حسینؑ کو اپنا امام بھی مانتے رہیں، اور ان کا کہنا بھی نہیں مانیں۔

ہم نے اگر اپنی پیاری اولاد کو باہر کے بے راہ ماحول میں تنہا چھوڑ دیا تو ان کا اس کی تاریک راہوں میں گم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ امر بہ معروف ونہی از منکر کے کام کو تجربہ کار، معتبر و معزز مفکّر حضرات کو دعوت دے کر، ان کے مشوروں سے استفادہ کر کے اس ضمن میں منصوبہ بندی کی جانی چاہئے ۔بچّوں اور جوانوں کو اس میں شامل کر کے، بعجز و احترام حقائق کو بیان کر کے یہ کام انجام پا سکتا ہے۔ احترام میں بڑے کرامات ہیں (امامؑ نے بھی عجز و احترام سے صدائے استغاثہ بلند کی تھی)۔ اس کے ذریعہ ہم دشمن کو دوست بنا سکتے ہیں۔ شیر ازدہے جیسے موذی جانورں کو بھی مطیع بنا لیا جانا عام بات ہوگئی ہے۔

اس معاملے میں مواعظ حسنہ کا بڑا مقام ہے۔ اسے پُر اثر بنانے کیلئے، والدین، معلّم یا مفکّر کو صالح عمل کے ساتھ، فصیح وبلیغ وشیریں بیان ہونا لازم ہے۔ لب ولہجہ کا اپنا مقام ہے، اس لئے کہ جس طرح آہنگ، ملاحت وجاذبیت کے اثرات کی مالک ہوتی ہے، اگر اس کی کمی ہوئی تو وہ کشش پیدا نہیں کر پاتی، اور سننے والے کی توجہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ، یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ وہ، متعلقہ نکات کے مقاصد کو ذہن میں ثبت کر دینے کی نفسیات میں مہارت رکھتا ہو، تا کہ منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ دل پر اتر جائے اور بچے اس پر عامل ہو جائیں۔

بہر حال مصلح بننے سے پہلے، خود کو صالح بنانا پڑیگا۔ اس بنا پر کہ ہماری اولاد بے راہ روی کے دلدل میں جانہ پڑے، بغیر کسی تاخیر کے امامؑ کے اس امرِ کارِ خیر کا خیر مقدم کرنا ہوگا، اپنے گھر کو اس کی روشنی سے روشن رکھنا ہوگا۔ امر بہ معروف ونہی از منکر کی جھولی میں دنیا کی تمام مصیبتں کے حل موجود ہے۔ اس سے استفادہ کر کے ہم انسانیت کو طاغوتی چنگلوں سے بچا سکتے ہیں جو گدھوں کی طرح

چیر پھاڑ کے کھائے چلے جارہے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ بڑا مشکل کام ہے، کوئی سنتا نہیں۔ یہ کمزور قوتِ ارادی کے مالک لوگوں کی بات ہے، جنہیں اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ پھر اللہ کو چھوڑ، غفلت ہی کا آسرا رہ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

تشریح میں ضروری ہے کہ باہر کے غیر معقول اثرات کو کیوں اور کیسے، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور انہیں رد کیا جائے، اور ان میں جو خوبیاں موجود ہیں انہیں اپنے اور دوسروں کیلئے مفید و خوش آئند قرار دیا جائے۔

تولّی

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔ (شوریٰ ۴۲/ ۲۳)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

بس اللہ کا ارادہ ہے، اے اہلبیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے، اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ (احزاب ۳۳/ ۳۳)

چونکہ پہلی آیۃ کا تعلّق محبت و لگاؤ سے ہے، بے راہ روی سے دوری میں تولّی خاصہ پر اثر ہے۔ جیسا کہ ہمارے علم میں ہے، اور مندرجہ بالا آیات بھی بیان کر رہی ہیں کہ ہم سب پر اتباع محمدؐ و آل محمدؐ واجب ہے۔ یہی اقربائے رسول ہیں اور اہل بیت ہیں۔ اللہ نے ان پاک ہستیوں کو اس لئے مطہر بنایا کہ وہ فطرت سے وابستہ اٹل عدالت و سچائی کے رموز سے مزیّن ہدایات کو لوگوں تک سالم حالت

میں پہنچائیں۔اس میں غلطی کا شائبہ بھی رہنے نہ پائے، کہ لوگ بھٹک کر راہِ راست سے دور ہو جائیں اور انسان جن حقوق کا مستحق ہے اس کے ہاتھ سے جاتے رہیں۔

انسان جب اپنے محبوب کی محبّت میں مبتلا ہوتا ہے، تو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اپنا سب کچھ تج دیتا ہے۔اس کے سارے محرّکات اس کے اشاروں کی مطابقت کرتے ہیں۔اس کی منشاء سے ہٹ کر نہیں ہوتے۔یہی محبت انسان کو سیدھی، سچی راہ پر قائم رہنے کی ضمانت بن جاتی ہے۔

ہمارے محبوب اہل بیتِؑ رسولؐ نے ہم سے (اپنے رفقاء سے) ہمیشہ متّقی بن کر زندگی بسر کرنے کی توقّع رکھی، ہم پر دونوں صورتوں کے مدنظر، ان کی اتّباع، یعنی ان کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرنا لازم ہے۔جب ہم اپنے بچّوں کے سامنے عملی طور پر (فقط زبانی کلامی نہیں) محبِ اہل بیت بن کر دکھائیں گے، صرف وہی نہیں، بلکہ آئندہ نسلیں بھی متّقی بن کر انسانیت کی بھلائی کیلئے کام کرتی رہیں گی۔غیر شائستہ راہوں پر جا پڑنے سے اپنے آپ کو بچا لیں گی اور بے راہ روی کی راہیں مسدود رہو جائیں گی۔

تبرّہ

یہاں بھی محبوب اہلبیتؑ کی محبت کام کرتی ہے۔بے راہ روی سے اجتناب اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست کی ترغیب، اس میں غلطاں افراد سے جو شیطان ملعون کے ساتھی ہیں دوری اختیار کرنا، اس کی (محبوب کی) ہم سے خواہش ہے۔ہم اپنے دامن کو ان سارے عناصر کی نجاست سے بچا کر رکھیں، جو محبوب سے ہماری جدائی کا سبب بن جائے اور شیطان لعین ورجیم کے وسوسوں سے بچنے کے لئے اسلامی دستاویزات: قرآن، تذکرات محمدؐ وآل محمدؑ اور سابق انبیاؑ و مرسلین کو، مستقل طور پر اپنے مطالعہ میں رکھنا ہوگا، تاکہ ہم بمعہ اپنی اولاد کے ان سے سبق حاصل کر کے صالح زندگی بسر کر سکیں۔ان کی دکھائی ہوئی راہ کو اختیار کر کے اپنے اعمال کو اس قابل بنا لیں کہ اللہ کے حضور خجالت اٹھانا نہ پڑے اور آخرت بخیر ہو۔

دورِ حاضر میں جس مصیبت کا ہمیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ درست ہدایت موصول نہ ہونے کی بناء پر ہماری نادانی وعلم سے دوری ہے؛ جس کی وجہ سے، اچھے برے اعمال کی تمیز ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہی ہے۔ اب ہمارا اخلاق ابتری کا شکار ہے۔ اس زمانے میں علم کے مدارج طے کرتے ہوئے اعلیٰ سطح پر نہ پہنچنا، ایسا ہے جیسے جانوروں کی سی زندگی بسر کرنا ہے۔ شیطان بھی ہم سے یہی کچھ چاہتا ہے۔ یہی شیطان ہمارے منبر نشیں ذاکرین کو مناظراتی تقاریر کرا کے قرآن کے ہدایات کے خلاف اتحاد بینِ مسلمین پارہ پارہ کرنے پر لگائے ہوئے ہے۔ ایسے ذاکریں کو کس نام سے یاد کریں، سوا اس کے کہ یہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ ان کے لئے شیطان ان کا معبود ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ و رسول کی تعلیمات کا تذکرہ نہیں کرتے ان کی غیر شائستہ تقاریر کی بناء پر کس قدر کشت خون ہو چکا ہے اور ہوا چلا جا رہا ہے۔ ہر چار روز بعد ایک نیا فرقہ ابھر کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی بھی ان کے منہ سے یہ بات نہیں نکلتی کہ اللہ کی تعلیمات میں دورنگی نہیں ہے۔ تہتر رنگ لئے ہوئے فرقے کیسے وجود میں آ گئے؟ اللہ کی وحدانیت کو کس نے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا، یہ بھی شیطان کے ساتھ رجم کے مستحق ہیں۔ جب بھی کنکریاں مارنے کا خیال ذہن میں آئے، ان کو ضرور یاد کر لیجئے۔ ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہایت اہم ہے۔

اگر ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سچّے محب ہیں تو ایسے عناصر کو منبر سے دور رکھیں گے۔ یہ اسلام کے چہرے پر کالا دھبّہ لگانے والے شر پسند ہیں۔ انہوں نے عوام میں مناظرہ سننے کا ذوق پیدا کر کے انہیں متعصب بنا دیا ہے، تا کہ ان کی تقاریر سننے میں سامعین کو مزا آئے اور ان کی مانگ بڑھے۔ اسی بناء پر منبر سے ہدایات جو قرآن اور سنّت رسولؐ سے ہمیں ملنا چاہئے تھیں اور جو ہمیں راغب بہ کمال وترقّی رکھتیں (ان کی وجہ سے) ہم سے دور رہیں۔ لوگوں کے چندے کی رقم اور ان کا قیمتی وقت ضائع ہوا۔ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہماری ترقیاں روک رکھی ہیں، اور ہمیں پسماندگی کے دام میں پھنسا کر دوسروں کی غلامی میں ڈال دیا ہے۔ بیدار فکر وقت کا لازمہ ہے۔

چونکہ اسلام کے قوانین اس طرح مرتب کئے گئے ہیں کہ اس کے ماننے والے، خدمت

انسانی کیلئے، ہمیشہ پرواز بہ ترقّی وکمال رہیں، جو عین عبادتِ الٰہی ہے، حقیقت میں مندرجہ بالا ذاکرین ہی وہ عناصر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کر رکھا ہے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ان کی ذات سے برائت چاہیں۔

امام سجادؑ کی دعاء مکارم اخلاق سے ماخوذ اقتباسات:۔

'بارالٰہا! مجھے ایسے صحیح راستے پر لگا جس سے کبھی منہ نہ موڑوں اور ایسی پختہ نیت دے جس میں ذرہ برابر شبہ نہ کروں۔ جب تک میری زندگی تیری اطاعت وفرماں برداری کے کام آئے مجھے زندہ رکھ اور جب وہ شیطان کی چراگاہ بن جائے تو اس سے پہلے کہ تیری ناراضگی سے سابقہ پڑے اور تیرا غضب مجھ پر یقینی ہو جائے مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔اے معبود! کوئی ایسی خصلت جو میرے لئے معیوب سمجھی جاتی ہو اصلاح کئے بغیر نہ چھوڑ'

اس مقام پر، متولّیانِ مساجد و امام بارگاہ سے توقع رکھنے کی ضرورت ہے، کہ جب وہ ذاکرین کو مدعو کریں، یہ بھی گوش گذار کر دیں کہ وہ مناظرہ سے، جسے قرآن و اہلبیتؑ نے ممنوع قرار دیا ہے، قطعی طور پر اجتناب کریں۔اس کے علاوہ ۵۔۱۰ منٹ موثر طور پر اخلاق حسنہ کو حتماً تقریر کا جز بنائیں۔منبر سے جوبات بخش ہو خوش بیانی کے ساتھ ہدایت کا رخ روشن ہو۔

حق منبر۔۔۔۔اچھے اخلاق کی ہدایت

بسمہ سبحانہ

۸۔ بے راہ روی سے نجات (صراط مستقیم)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد و پیمان نہیں لے لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا، کیوں کہ وہ یقیناً کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (یٰسین ۶۰۔۶۱)

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۥ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے، جو سید ھا دین ہے، وہ کہ جو اس ابراہیم کا آئین ہے، جس نے کبھی خدا سے شرک نہیں کیا۔ (انعام ۶/۱۶۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: خداوندا! ہمیں اس راستے پر جو تیری محبت اور جنّت تک ہے ثابت قدم رکھے، کہ یہی راستہ ہلاک کرنے والی خواہشات اور انحرافی وتباہ کرنے والی آراء یا نظام کے لئے مانع ہے۔ تفسیرِ صافی

مبادیاتِ اخلاق

سیدھا راستہ یا صراط مستقیم: اللہ تعالیٰ کی سوچ و سمجھ رکھنے والی مخصوص مخلوق کے لئے، زیر و بم، پیچ وخم کے درمیان، ہدایت شدہ سیدھا سادہ راستہ ہے۔ الٰہی ہدایت یافتہ، سچّے رہنماؤں کا دامن تھام کے جو اس پر چلا، اس راستے کی دلکشی اس کے لئے روشن ہوگئی۔ منزل مقصود پر پہنچ جانا اس کے لئے آسان ہوگیا۔ پچھلے ابواب میں جو کچھ باتیں ہم کرتے چلے آئے ہیں، کسی نہ کسی شکل میں اسی سے متعلق ہیں۔ چونکہ دنیا تیزی سے ترقّی کرتی جارہی ہے اس کی کجی کو قابو میں رکھنے کیلئے اس راہ کے بڑھتے

ہوئے طول وعرض کو کسی پیمانے پر رکھ کر پیمائش کرنا یا اس کی رقمطرازی ایک عام آدمی کے لئے بعید ازامکان ہے۔ ذیلی سطور میں جو کچھ بھی پیش کیا جارہا ہے، چمنستان اخلاق میں کھلے ہوئے گلہائے رنگا رنگ کی خوشہ چینی کے علاوہ کچھ نہیں۔

یہ الگ ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانہ کجروی یا بے راہ روی کی جال میں پھنسا رہا ہے۔ دور حاضر کا انسان بھی ہوش و ہواس کھو کر دن بدن اپنے آپ کو اس کے پھندوں کے حوالے کرتا جا رہا ہے۔ اس کی تنگی محسوس کرتا ہے مگر ماحول میں اس قدر کسا جاچکا ہے کہ اس کی کثافت کا احساس جاتا رہا ہے۔ لاچار نظر آتا ہے۔ اس کی سوجھ بوجھ ساتھ نہیں دے پا رہی ہے۔ اس ماحول کا اس قدر چاروں طرف سے غلبہ ہے کہ، جن لوگوں میں کچھ راستی کی رمق باقی ہے وہ بھی اس کے تیز دھارے کی بہاؤ سے اپنی جان بچا نہیں پار ہے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ گذشتہ صدی میں دنیا نے جو ترقّیاں حاصل کی اس نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اچھی وبری راہ کی تمیز جاتی رہی۔ دولت کی نوچ کھسوٹ، مفاخرت آمیز اقتدار، زندگی کی کسوٹی بن گئی۔ آدمزاد نے، انسانیت کو خیر باد کہہ کر اپنی خود ساختہ راہ اختیار کرلی۔ اس کی صعوبتوں نے اسے تنگ کر رکھا ہے، کراہ رہا ہے، مگر ہوسِ آمریت راہ نہیں دیتی۔ اسی میں رچ بس کر مر جانا اسے گوارہ ہے۔۔۔۔ عجب غفلت ہے!

اکثر، خلوت میں ضمیر کا ٹمٹماتا ہوا چراغ اپنی روشنی سے اس راہ کی نشاندہی کرتا ہے، جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ یہی وہ اوقات ہیں جو انسان کو جامۂ انسانیت میں برقرار رہنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ کی بات نہیں کہ یہ وہی ضمیر ہے کہ جو اسے خودسازی یا اخلاقی ترقّی کی طرف راغب رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ہر موڑ پر آگاہ کرتا رہتا ہے کہ اسے فقط ان اصولہائے مخصوص جو دلائل میں رچے ہوئے، معقول طرز اپنائے ہوئے ہوں، جس میں دورخی نہ ہو، واحد نظر و افکار کے حامل ہوں، اپنایا جائے۔

ضمیر کو تھپکی دے کے زبردستی سلانہ دیا گیا ہو تو وہ ہمہ وقت ہادی بن کر بتاتا رہتا ہے کہ نفسانی

خواہشات کے قریب نہ جانا، وہ معقولیت کے خلاف ہیں، بے راہ کر دیں گے۔ یہ باتیں نشاندہی کرتی ہیں کہ ترقّی کی راہوں پر گامزن رہنے کی خواہش باطن کی گہرائیوں میں ڈیرا جمائے بیٹھی ہے۔ جب اس کی عجیب وغریب لامحدودیت کو قبول کرلیا جاتا ہے تو ترقّی کرنے کی صلاحیت بھی اسی قدر بڑھ جاتی ہے اور حدود کی قائل نہیں رہتی۔

یہ گفتگو نکھر کے وہاں جا پہنچی ہے کہ اپنے اخلاق کو درست ترقّی کی راہوں پر استوار رکھنے کی خواہش کیلئے روحی کیفیت پر اپنے ذہن کو مرکوز کرنا ہوگا، یا یہ کہ اس کے لئے اس قدر محبت پیدا کرنا ہوگی جو بے جا خواہشات کے تلاطم کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ جائے۔

آج زمانے کی کیفیت یہ ہے، کہ فرد، معاشرہ، جسم، روح میں توازن عنقا ہے۔ قدرت نے جس مقصد کے لئے انسان کی تخلیق کی تھی اس پر وہ پورا اتر نہیں پا رہا ہے۔ جب انسان قدرت کی عطا کردہ ذہنی وجسمانی خصائل کو استعمال میں نہ لاکر، ناکارہ بنا دیتا ہے، بطور انسان اپنے وقار کو کھو دیتا ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی انسانی فطرت کا مذاق اڑاتا ہے، اپنی زندگی کو فقط خواہشات کے حوالے کر دیتا ہے؛ انسانیت کی نفی کرتا ہے۔ چونکہ ہر شئے کو اللہ نے ایک مخصوص نظم عطا کیا ہے، جب فرد یا معاشرہ اسے درہم برہم کرنے پر لگ جاتا ہے، قدرت جو اپنے دیئے ہوئے نظم میں لچک نہیں رکھتی ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ اسے گوارہ کرے اور ان بداخلاقیوں کو (جو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے سراسر گریز کرتی ہوتی ہیں) جاری رہنے دے کہ دوسری مخلوقات کی کارکردگی پر دخل انداز ہوں اور نظامِ جہان ٹوٹ پھوٹ کر تباہی کا منہ دیکھے۔

ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے کہ انسانیت اپنی اس غیر فطری حرکات کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ امن وامان، خوشحالی اور دیگر اللہ کی عطا کردہ مراعات سے محروم ہے۔ یہ ان کے اثرات ہیں، جو مختلف قسم کی بداخلاقیوں اور جرائم کی بناء پر رونما ہوئے ہیں۔ حکومتوں کو ان کی انسداد کے لئے کثیر رقم ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ یہ بات یہیں تمام نہیں ہوجاتی۔ جب اس کا تسلسل زیادہ دیر تک جاری رہے تو، یونان، مصر وروم تہذیبوں جیسا حشر سامنے آجاتا ہے۔ ان کے کھنڈرات اس کی نشاندہی کر رہے

ہیں۔

اس سے پہلے کہ صراط مستقیم پر گفتگو شروع کی جائے، وہ مسائل جو اس کی راہ میں رخنہ انداز ہیں ان پر ایک نظر ڈالنا نہایت اہم ہے: ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد راہِ راست سے منحرف رہے۔

بداخلاقی کے وجوہات

اکثر ماہرین کے تجزیہ کے مطابق انسان جو جرائم یا بداخلاقیوں میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اس کی پیدائشی فطرت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس نظریہ کو دانشگاہ کیلیفورنیا کی پروفیسر، مشہور و معروف فلسفی عورت فلپّا فوٹ نے، حال ہی میں جس کا نوّے سال کی عمر میں انتقال ہوا بڑی اہمیت دی ہے۔ یہ بات اس حد تک تو درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ فطرت جو بچّے کی پیدائش کے وقت اور اس سے آگے کے ماحول کی بناء پر وجود میں آئی؛ اگر وہ بداخلاقیوں اور جرائم میں لت پت تھی، انہی ایام میں اسے درست قسم کی ہدایات موصول نہ ہوئیں اور اس پر اثر انداز نہ ہوسکیں تو اس کو انہیں اپنانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔ اس بناء پر یہ کہہ دینا کہ برائیاں اس کی سرشت میں لکھی ہوئی تھی، بجا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ سارے بچّے بڑے ہوکر برائیوں میں مبتلا نظر نہیں آتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے انسان کے علاوہ مخلوق؛ جو جبلت کے شکنجے میں کسے ہوتے ہیں، مقابلتاً انسان کو اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں آزادی دے دی ہے۔ وہ خود ارادی کی بنا پر برائیوں سے پرہیز کرسکتا ہے۔

یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ وہ بچّے جو ناشائستہ ماحول میں پرورش پاتے ہیں یا منکر اخلاقیاتی ماحول پاتے ہیں، جہاں پاکدامنی اور راستی اپنا دم توڑ چکی ہوتی ہے، اور وہ جذبات بھری خالص محبّت کی گود سے ناآشنا ہوتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جو بڑے ہوکر بدقماش بنتے ہیں اور جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

غیر شائستہ ماحول کی بنیاد

علم،۔۔۔۔۔۔۔۔انسان کے اہم ترین، اور شایانِ شان فرائض میں حصولِ علم

اوّلین فرض ہے۔عرصہ دراز سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاچکا تھا،اور متعدد علم پر کئی درسگاہیں وجود میں آتی رہیں،جس میں مختلف افکار کی بناء پر مختلف اصولہائے زندگی مرتب ہوتے رہے۔ان میں سے کچھ،قدرے اچھے بھی تھے مگر زیادہ تر چونکہ اللہ کے دئے ہوئے ترقّی کرتے رہنے کے خالص جذبہ کی مطابقت سے عاری تھے؛انسانی بے جاء آرزوؤں کو لئے ہوئے،تجرباتی ادوار سے گذر رہے تھے۔ بیشتر فطری تقاضوں میں رخنہ انداز تھے۔کچھ بھی تھا مگر دوررس علم تک جو دنیوی مسافرت طے کر کے یوم الدّین تک باحفاظت رسائی / رہنمائی میں کسی نہ کسی صورت سے قاصر تھے۔اس بناء پر اگر ہم یہ مان لیں (جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے) کہ انسان پیدائشی طور پر بدیوں کا مالک ہوتا ہے تو،تعلیم و تربیت کی ساری کوششیں بیکار اور بے فائدہ ہونگی۔گویا کہ یہ نامکمل فکر / علم کی کارفرمائی تھی کہ غیر شائستہ ماحول وجود میں آیا۔یہ انسان ہی کا لایا ہوا تھا اور وہی اس میں جا پھنسا۔قدرت کی کامل طرّاحی سے اس کا کوئی تعلّق نہیں۔جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم پتہ لگاتے آئے ہیں کہ قدرت نے،انسان تک صالح علم پہنچاتے رہنے کا مستقل طور پر انتظام جاری رکھا ہے۔قرآن کی زبان سے سنتے ہیں:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا،اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کردیا۔(شمس ۹۱/ ۹ـ۱۰)

یہ آیۃ انسانی فطرت کے مثبت و منفی پہلوؤں کی تشریح کر رہی ہے۔اگر وہ فطری قوانین سے مطابقت کرتا ہوا بنیادی افکارِ حیات کا علم نہیں رکھتا تو اسے اصل راہ سے بھٹک کر نفسانی خواہشات کے تابع ہوجانا معمولی بات ہوجاتی ہے۔اس سے بچنا آسان نہیں،وہ اس کے دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے ۔پاکیزگئ نفس بغیر مدلل علم کے ممکن نہیں۔جب وہ علم کی معقولیت کا اندازہ لگالیتا ہے تو اسے اس کے افکار کو باور کر لینے اور اس پر عمل پیرا ہوجانے میں مشکل نہیں رہتی۔یہ فقط اللہ کا بھیجا ہوا پاکیزہ علم ہے جو ہر زمانے کے حالات کے تحت کھرے کھوٹے کی تمیز پیدا کرتا ہے۔اس سے پہلوتہی نامرادی یا بدبختی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

جنابِ امیرؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:۔ ''لیاقتِ دلائل کے محاسن سے مزیّن ہونے میں علم وہ کام انجام دیتا ہے جو کسی کھیتی کے لئے بارش کرتی ہے۔'' یعنی دلائل کی سیرابی علم کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دلائل مخلوقاتِ عالم کی تخلیق کے محور ہیں، کوئی بھی چیز یہاں بے دلیل نہیں ہے۔ مندرجہ بالا معروضات اس امر کی طرف متوجّہ کرتے ہیں کہ انسان میں فطری طور پر اچھے برے کی تمیز موجود ہے جس کی تشریح پچھلے صفحات میں، ضمیر کی تفصیلات کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے، جو شائستگیٔ ماحول پر کم و کاست روشنی ڈالتی ہے؛ اللہ کی طرف سے ایک عظیم عطیّہ ہے۔ اسے بر سرِ کار لانے کیلئے صالح علم ہی کا سہارا درکار رہتا ہے۔

وہ ماحول جو علم کے محاسن سے مزیّن نہیں، سوا اس کے معاشرے کے اخلاق کو کثیف بنا کر ادبار و محرومیوں کے دھارے میں ڈال دے، اس سے کسی خوبی کی توقّع نہیں کی جا سکتی۔ علم کے محاسن سے استفادہ میں تفکر و استغراق، کا بہت بڑا مقام ہے۔ طرّاحی و ایجادات جو کسی معاشرے کو ترقّی کی طرف راغب رکھتی ہیں اسی کا کمال ہے۔ جس معاشرے میں مفکّرین کی کمی ہوتی ہے پسماندگی کا شکار رہتا ہے۔ یہ جذبہ انسان کو اچھے اخلاق کا مالک بناتا ہے اور معاشرہ ایسے لوگوں سے استفادہ کر کے با اخلاق بن جاتا ہے۔ یہ بات ہمارے ذہن میں محکم طور پر رہنا چاہئے، کہ صحیح مفکّر وہی بن سکتا ہے جس نے اعلیٰ علوم کو، جو دینی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں حاصل کر لیا ہو۔ ہمیں اپنے بچّوں کو ان کی فطری صلاحیتوں کے مدنظر متعلقہ علوم کے بلند ترین درجات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے رہنا اشد ضروری ہے؛ جس میں تفرقوں اور رسموں سے پاک دینی تعلیمات اہم ترین مقام رکھتی ہو۔ اس امر میں کوتاہی معاشرے کو قعرِ مذلّت میں دھکیلنے سے کم نہیں۔ بقرآن:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے باپ

دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔ بقرہ ۲/۱۷۰

علم اور تفکّر کی جس معاشرے میں کمی ہو، ناروا عادات کا شکار ہو جاتا ہے، لوگوں پر بے حسی طاری رہتی ہے اور تنزّلی اس کی قسمت بن جاتی ہے۔ موجودہ دور میں اصلاح اور ترقّی کی طرف متوجّہ کرنے والی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنے کی عادت بن گئی ہے۔ لوگ گھنٹوں ٹی وی پر اخلاق سے گری ہوئی معیوب فلمیں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ وقت جو مفید اور بار آور کاموں میں صرف ہوتا ضایع ہو جاتا ہے۔ اس کثیف عادت پر مبنی معاشرے نے انسان کو بجائے ترقّی کے تنزّلی کی طرف راغب کر دیا ہے۔ مجموعی طور پر اس میں بتلاء ملّت کو فقر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایک مہم چلائی جائے جس کے ذریعہ عوام کو حصول علم کی طرف راغب کیا جا سکے۔ ایسا علم جو دینی ہدایات کو ساتھ لے کر چلے، تا کہ اخلاق پر ضرب نہ پڑنے پائے۔

عقل کا تذکرہ بھی اشد ضروری ہے کہ کھوٹے کھرے کی شناخت اس کے بغیر بعید از قیاس ہے۔ جب عدل پر مبنی دلائل کا سہارا لے کر اس (عقل) سے رجوع کیا جاتا ہے، انصاف کو ہاتھ میں لے کر مسئلے کے حل کی نشاندہی کر دیتی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنی تمازت کھو بیٹھتی ہے جب اس پر حواس باختہ شہوت انگیز خواہشات کا پردہ ڈال کر اس کی شعاؤں کو اثر ڈالنے سے روک دیا جاتا ہے۔ قرآن اس کی تشریح اس طرح کرتا ہے:۔

فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۰﴾

اے رسول اگر آپ کی ہدایات کو یہ قبول نہ کریں، تو سمجھ لیجئے کہ یہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور ان سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی ہدایات کے بغیر اپنی خواہشات کی اتباع کرے، جبکہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں۔ قصص ۲۸/۵۰۔

جہادِ اکبر کی تشریح کرتے ہوئے رسولؐ نے بتایا کہ وہ نفس کے خلاف جہاد ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ رسول کی اس ہدایت سے گریز نے معاشرے میں زبوں حالی پیدا کر دی

ہے، حجاب اپنا دم توڑ چکا ہے ،لوگ نہ فقط برہنہ پھر رہے ہیں لفظ اخلاق جس حسن کا مالک تھا اسے بھی بدترین رسوائی کا سامنا ہے۔

انسان، ناسمجھی اور کم علمی کی بنا پر بڑھی ہوئی جذباتی خواہشوں میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ ضمیر جیسی مضبوط قوت اکثر اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ ہر وہ شخص جو اخلاق کے اصول کو توڑتا ہے، ابتدا میں ضمیر اسے اس حرکتِ نازیبا کی برائیوں کے طرف متوجہ کرتا ہے، جس کی بناء پر وہ خفت و ندامت محسوس کرتا ہے۔لیکن اس حرکت کی تکرار، اس کے احساسِ ندامت میں کمی کرتی جاتی ہے اور وہ اس کا عادی بنا جاتا ہے؛ اس کی حس مر جاتی ہے اور احساسِ ندامت جاتی رہتی ہے۔اس طرح اس کی وہ بد اخلاقی یا جرم میں مبتلاء ہونا اس کی عادت کا حصہ بن جاتا ہے۔ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کا ملزم بھی قرار نہیں دیتا۔قرآن اس بات کی اس طرح مذمت کرتا ہے:۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

ان کے پاس دل ہے مگر سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں اور کان ہیں سنتے نہیں۔ یہ چوپائے جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔اعراف ۷/۱۷۹

جناب امیرؑ نے فرمایا:۔ بری عادات کو ترک کرنے کے بعد ہی، انسان بلند درجات حاصل کرسکتا ہے۔

برے خیالات اخلاق میں نقص پیدا کردیتے ہیں

علم کے حدود

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم کے وہ حدود کیا ہیں کہ انسان اس حد تک اپنے آپ کو پہنچا لے اور بےفکر ہوکر چین سے بیٹھ جائے۔ جب کہ علم کے حدود کی کیفیت یہ ہے کہ ہر لمحہ رساعت اس میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔اس سوال کا جواب ہمارے علم میں آچکا ہے۔ چونکہ ورثے میں ملی عادت کہ

قرآن کی تلاوت بغیر سمجھے اور غور کئے ثواب پہنچا دیتی ہے ہم نے اس کو اہمیت نہیں دی، اور ہمارذ ہن ، ہماری توجّہ کو اس طرف مائل نہیں کر پا رہا ہے۔ اس لئے کہ تلاوت کے وقت ہم نے ذہن کو دوسرے معاملات میں الجھا رکھا تھا، اور تلاوت کا متن ہماری یادداشت میں جا گزیں نہ ہو سکا۔ مزید تفصیلات مندرجہ ذیل اقوال کی تشریح کے بعد ملاحظہ فرمائیے۔

اس مقام پر حضرت علیؑ کا قول پیش کرنا بے جا نہ ہوگا:۔

پر استغراق فکر کی عادت ڈالو (جسے میڈیٹیشن کہا جاتا ہے) وہ تمھیں بھکنے سے بچائے گی بے راہ روی سے نجات دلائے گی، اور تمھارے اعمال کی اصلاح کرے گی۔ العمید ی، غرر صفحہ ۴۸۱

یہ حقیقت، مسلّم ہے کہ دماغ، انسانی سوچ یا خیالات کا محرّک ہے، جو انسانی حرکات کو ترتیب دینے یا منظّم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ انسانی خیالات ہی ہیں جو انسان کی نفسیاتی حالت رزندگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اسے اچّھائی یا برائی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ نہ فقط کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ جسمانی و روحانی صحت پر بھی اثر ڈالتے ہیں۔ قولِ حضرت علیؑ ہے:

۱۔ رنج و ملال جسمانی قوّت کو ضائع کرتے ہیں۔

۲۔ جو غصہ کو اپنے اوپر طاری رکھتا ہے، اس پر قابو نہیں پاتا، غیر طبعی موت اور تباہی کی طرف بڑھتا جاتا ہے

موجودہ دور میں، جو تجرباتی دور ہے، نفسیاتِ انسانی کا اس کے اخلاق پر کس طرح اثر پڑتا ہے، یا اس سے کس طرح استفادہ کیا جائے کہ برے اخلاق سے نجات حاصل کی جا سکے، تجربات تیزی سے جاری ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان، جس قدر زیادہ ممکن ہو اپنی ذہنی و نفسیاتی حالت کا، اپنے اچّھے و برے اخلاق پر نظر رکھ کر تجزیہ کرتا رہے۔ ہر روز تخلیہ میں، سونے سے پہلے: دن بھر جن لوگوں سے سابقہ رہا تھا، ایک ایک کر کے، ان سے کس طرح پیش آیا، خود سے سوال کرنے کی عادت ڈال لے۔ جہاں بھی بد اخلاقی کا مرتکب ہوا تھا، ابھرے جذبات کے ساتھ نفرت کا اظہار کرے۔ اور شدّت کے ساتھ درد محسوس کرے کہ اس نے اپنے برے اخلاق سے دوسرے کو دکھ پہچایا۔ نفرت کا یہ جذبہ اسے

اچھے اخلاق کا مالک بنادے گا۔ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ جب اس کوشش میں کامیابی حاصل ہو، اپنے اوپر جذباتی طور پر سرور کی کیفیت طاری کرے کہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا، اور خدا کا شکر ادا کرے۔ یہ سلسلہ زنجیر کی کڑی کی طرح بغیر چھوڑ پکڑ کے جاری رہنا ضروری ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

اگر کسی شخص کے زندگی کے دو روز ترقّی کئے بغیر ایک جیسے رہے ہوں، وہ گھاٹے میں ہے۔ اور جو مستقل تنزّلی کا شکار رہے گا، اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گا۔ زندگی سے اس کے لئے موت بہتر ہے۔ (معانی الاخبار، صفحہ ۳۴۲)

جناب امیرؑ نے فرمایا:

جو شخص اپنی کمزوریوں اور عیوب کی فکر و تلاش میں رہتا ہے، انہیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

راہ راست پر قائم رہنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان وقت نکال کر اپنا احتساب کرتا رہے۔ یہ ایک مستقل عمل ہونا چاہئے۔ اس عمل کے ذریعہ انسان کی اپنی خامیاں کھل کر سامنے آتی رہتی ہیں۔ وہ انہیں دور کر کے، اس کے بالمقابل اچھائیوں کو تلاش کر لیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے واسطے ترقّی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، اور وہ ایک کامیاب انسان بن کر ابھرتا ہے۔ ایسا کرنے میں اس میں جو خراب عادات آن پڑی ہوتی ہیں دور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے عیوب جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں، بظاہر معمولی معلوم ہوتے ہیں مگر بڑے رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ عرصے سے عادت کے حصّہ بن چکے ہوتے ہیں ان کی طرف دھیان نہیں جاتا مگر ان کے اثرات دور رس ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کی جانبداری کرنا، جو عام سی بات ہے۔ جب کہ اس سے عدالت و میزان پر ضرب لگتا ہے۔ جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے، کمتر صلاحیت کے مالک کو برتر ثابت کیا جاتا ہے، وہ قابلیت نہ رکھنے کی بناء پر خرابیٔ بسیار کا باعث بنتا ہے۔ جانبداری کرنے والے کی ساکھ خراب ہوتی ہے، وہ قابلِ اعتبار نہیں رہتا، وغیرہ وغیرہ۔ بات چھوٹی

سمجھی گئی اور ترقی میں رکاوٹ پیدا کرگئی۔ مقصد یہ ہے کہ ہر برائی کو برائی کا درجہ دیا جانا چاہئے۔ اس سے نجات حاصل کرنے ہی میں بہتری ہوتی ہے۔

کسی غیر شائستہ عادت کو ترک کر کے اس کی جگہ کو اچّھی عادت سے پر کرنا، ترقّی کرنے کے مترادف ہے۔ جیسے خوشنودیٔ خدا کے حصول کے لئے، انسانی خدمت؛ اعلیٰ علوم، صنعت وحرفت وغیرہ کا حصول، اولاد کی تربیت پر لکھی جدید کتابوں کا مطالعہ، جو اصولہائے اسلامی کی روشنی میں لکھی گئی ہوں۔ جو انہیں ترقی کی راہوں پر گامزن کریں، معاشرے کی اصلاح کا باعث بنیں۔

استغراق کے ساتھ اپنے باطن (تحت شعور) کو اپنی غیر شائستہ عادات کے خلاف آگاہ کرتے رہنے سے ان سے نجات حاصل ہوجاتی ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ باور کرلیا جائے کہ ہم اس کام کو حتماً انجام دے سکتے ہیں۔ شوروغوغا سے ہٹ کر، جسم کو (رلیکسڈ) سکون کی حالت میں لائیں اور مندرجہ جملہ القا کرتے رہیں، یعنی دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ سے کہتے رہیں:

"میں اپنی فلاں بری عادت سے جو میری ترقّی میں رکاوٹ پیدا کررہی ہے چھٹکارہ حاصل کر کے اس کی جگہ فلاں اچّھی عادت اپنا تا جارہا ہوں"

اس جملے کی مستقل دن میں کئی بار تکرار کامیابی کا باعث بنے گا۔ شرط یہ ہے کہ تمام تر توجّہ اس جملے کے معنیٰ وماخذ پر قائم رہے۔

حدودِ علم: (گذشتہ سے پیوستہ)؛ اس سوال کے جواب میں کہ علم کے کیا حدود ہیں۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ بے پایاں ہیں، تو یہ بات حقیقت سے ہٹ کر نہ ہوگی۔ عبدیت کے رشتے سے اس پر نگاہ ڈالی جائے تو بہتر ہوگا: پچھلے تقریباً سارے مضامین میں اللہ کی ربّانیت کا تذکرہ آچکا ہے۔ ربّ کے معنیٰ 'تدریجاً ترقّی دینے والا' ہے۔ ترقّی کے نسبت سے علم کے حدود کا تعیّن کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ علم ہی وہ ذریعہ ہے جو ترقّی کی معاونت کرتا ہے؛ دونوں کا چولی دامن کا رشتہ ہے اور ترقّی بھی، درجہ بدرجہ آگے بڑھتے جانے کا نام ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں، اس بناء پر علم کے حدود کا تعیّن کرنا امکان سے باہر ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ تاابد علم حاصل کرتے رہو۔ اگر پیچھے رہ گئے تو معدومیت کا شکار ہوجاؤ گے!!

ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ دور میں، انسان خصوصاً مسلمان غفلت کا شکار ہے۔ دنیا کی ہر شئے خواہ وہ نباتات سے ہوں یا حیوانات، بیدار چاق و چوبند نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا سرسبز وشاداب ہے۔ عجب بات یہ ہے کہ، ماحول کی یہ بیداری اپنی خوش رنگ و دلفریب گل کاریوں کی فراوانی سمیت، ان ہی خوابِ گراں میں پڑے نفوس کو اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے گلے لگانے کیلئے ہمہ وقت منتظر نظر آتی ہے۔ کیسی بے اعتنائی ہے!

اکثر اصحاب کہتے ہیں اللہ نے انسان کو جنّت کی لالچ دے کر دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اصل میں یہ وہی لوگ ہیں جنہیں غفلت کی بناء پر یہ پتہ ہی نہیں کہ یہ دنیا خود جنّت بنی ہوئی ہے۔ وہ اپنے اطراف نظر ہی نہیں ڈالتے کہ یہاں کی رنگینیاں انہیں نظر آئیں۔ چشم بینا بیداری کے بغیر کور ہوتی ہے۔ اسے بیدار مغز کی ضرورت ہوتی ہے، جو ایک مخصوص نظام کے تحت کام کرتا ہے۔ جب وہ اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، خوشیاں اس کے دل کو باغ باغ کر دیتی ہیں اور جسے وہ مصیبتوں بھری دنیا کہتا ہے جنّت نظر آتی ہے۔ وہ نظام حرکت وکوشش کا طلبگار رہتا ہے۔ تھوڑی سی جدو جہد انسان کو بیدار کر دیتی ہے اور آگے بڑھ کر اس میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑوں کو ڈھا دینے کی قوّت پیدا کر دیتی ہے۔

جدوجہد برائے کامیابی

جدوجہد صراطِ مستقیم کا ایک جزو ہے۔ منصوبہ بندی، حکمت و اختراع کے ذریعہ، جو شئے بھی وجود میں آتی ہے، اسے بادِ صرصر کی مخالفت کا سامنا ضرور ہوتا ہے اور اس کے تھپیڑوں پر عبور حاصل کرنے کیلئے جدجہد کی ڈھال ہاتھ میں تھامنا پڑتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جدوجہد کا یہ کام روزِ اوّل سے شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی شیر خوار بچّے کو اپنی بھوک مٹانے کے لئے جدہ وجہد کرنا پڑتی ہے، وہ ماں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے رونا شروع کرتا ہے۔ ہاتھ پیر کو ہوا میں چلاتا ہے۔ جتنی زور سے وہ روتا ہے، ماں اسے دودھ دینے میں اسی قدر جلدی کرتی ہے۔ جدوجہد کا یہ سلسلہ مختلف صورت اختیار کئے ہوئے تا ابد جاری رہتا ہے

سیدھے راستے کے نام ونشان کو مٹا دینے کی ہمیشہ کوشش جاری رہی ۔حلانکہ جہالتِ کا دور جاتا رہا ہے،دورِ حاضر میں بھی،لوگوں کے ذہنوں کواس کی طرف سے ہٹا دینے کا سلسلہ جاری ہے۔اس کام کوصاحبانِ اقتدار من مانی کرنے کیلئے سیاست،میڈیا،خفیہ تنظیموں اور عبادتگاہوں کے متوکلین پر قابو رکھ کر جاری رکھتے ہیں۔اس طرح صحیح آگاہی عوام تک پہنچ نہیں پاتی۔اس بات کا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ بقول شاعر:

اگر دیدی کہ نابینا و چاہ است

اگر خاموش بے نشینی گناہ است۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر دیکھا کہ ایک نا بینا جارہا ہے اور اس کی راہ میں ایک گڈھا ہے،اس کی مدد نہ کرنا بڑا گناہ ہے۔شاعر کا یہ اشارہ،لوگوں کے لئے دعوت ہے کہ حالات کے تحت وہ انسدادِ بے راہ روی کیلئے جدوجہد کریں،تاکہ لوگوں کی عاقبت خراب ہونے سے بچ جائے۔رہی اس میں کامیابی تو یادرکھنا ہے کہ کوئی بھی بڑا قدم پلک جھپکتے ہی انجام کو پہنچایا نہیں جاسکتا۔احتیاج اس بات کی ہے کہ ذہین حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں اور منصوبہ بندی کاایک بڑا خاکہ تیار کریں۔اس پر عملدرآمد کی ذمّہ داری خود ہی قبول کریں۔جلدی وتیزی کبھی بھی سودمند نہیں ہوتی؛نہ پائدار۔چونکہ وہ گہری فکر کی پیداوار نہیں ہوتی اکثر جلد دم توڑ دیتی ہے۔

اپنے اوپر خوداعتمادی،صبروتحمل وبردباری،مقصد کے حصول کی راہِ جدوجہد میں پڑی متعدد قسم کی رکاوٹوں کودور کرنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔مشکلات ومزاحمتیں جوآتی رہتی ہیں،راہ دے دیتی ہیں۔آہستہ روی میں مفید بات یہ ہے کہ غوروفکر کا خاصہ موقع ملتا رہتا ہے،جومسائل کے حل میں مفید ثابت ہوتا ہے یہ عادت عقدہ کشائی میں مدد کرتی ہے۔عقدہ کشا مفکّرین کو مدّہم مگر مستقل یا غیراز چھوڑ وپکڑ کی چال کی عادت (جس نے بڑا نقصان پہنچایا ہے) ڈال لینا مشکل نہیں۔بلکہ اہمیت کی حامل ہے اور نہایت مفید ہے۔

جدوجہد میں مزاحمت

کوشش میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں،اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہوتی ہے کہ مجوزہ کام کے

انجام دینے میں جو معلومات درکار ہوتی ہیں، اس میں کہیں نہ کہیں بھول چوک شامل حال ہوجاتی ہے۔اگر ہمت نہ ہارا جائے تو کام انجام پا جاتا ہے۔رکاوٹیں حقیقت میں انسان کو بڑھ چڑھ کر معلومات حاصل کی مشق بن جاتی ہیں اور فکر کرنے اور مشکلوں کو حل کرنے میں مہارت پیدا کردیتی ہیں۔وہ پختہ کار بن کر ابھرتا ہے۔

سختیوں سے اگر بندہ گھبرا کر بھاگ نہ جائے، اس کا سامنا کرتا رہے، اس میں اس لوہے جیسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جسے لوہار گرم بھٹی سے نکال کر تابڑتوڑ ہتھوڑے سے ضرب لگا کر اپنے مرضی کے مطابق مضبوط ہتھیار بنالیتا ہے، اسی طرح سختی سے گذر کے انسان اپنے اندر خوبیاں پیدا کرسکتا ہے۔

ہر فرد و بشر کو اللہ نے مخالف حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔جس قدر زیادہ اس نعمت سے کام لیا جائے گا، اس کیفیت میں اس کوشش سے کہیں زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔اس میں ناکامی ان کا مقدر ہوتی ہے جو مقابلہ سے جان چھڑا کر دبکے بیٹھے رہتے ہیں۔ایسے لوگوں کے ساتھ جو مصیبت ہے، وہ یہ ہے کہ جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے، وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں، اور حواس اور ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔

کامیابی انہیں کا منہ چومتی ہے جو مشکلات کا مقابلہ، اپنی عادت بنالیتے ہیں۔سخت سے سخت مسائل کا حل تلاش کرلینا ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل بن جاتا ہے۔دنیا کے مانے ہوئے لیڈروں کی طرف نگاہ کرئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ انہیں جھونپڑیوں سے نکلے تھے جہاں ادبار و مشکلات کی بوچھار رہتی تھی۔

موجودہ دور میں، ایک بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔، کہ والدین کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے بچے ہمیشہ قابلِ تعریف کام انجام دیں۔اس سلسلے میں انہیں اسی قسم کی سہولتیں پہنچاتے رہتے ہیں، کہ اسے ناکامی کا سامنا نہ ہو۔اس بناء پر بچہ اپنے آپ کو سختیوں سے متعارف نہیں کرا پاتا۔ایک ماہرِ نفسیات کے مطابق والدین ایک ایسی نسل کو وجود میں لانے کی کوشش کرتے ہیں جسے کہا جائے:۔

”حدود سے تجاوز کرتی ہوئی، تعریف شدہ نسل“

اس صورتِ حال سے دوچار بچّے، مشکلات جب سامنے آجائیں اپنی دفاع کرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور ناکامی ان کی قسمت بنی رہتی ہے۔

اللہ کی ربّانیت کے تحت دنیا کی ہر شئے کے ذہن میں ترقّی کاشت ہے۔ انسان اگر ترقّی کی راہ پر گامزن نہ رہے تو وہ اپنے آپ سے مطمئن نہیں رہتا، مضمحل رہتا ہے۔ اکثر بے اطمینانی انسان کو جمود سے باہر نکال لے آتی ہے انتہائے کوشش کے ساتھ تحقیق و اختراع، اگر شامل حال نہ ہو تو، ہمہ وقت تیز تر ترقّی کرتی ہوئی دنیا کے ساتھ چلنا محال ہو جائے۔ اس آگاہی کے ساتھ کوشش اور حصول علم و دانائی کے ذریعہ دنیا میں ترقی کرتے رہنا دست رسی سے قریب تر اور آسان تر ہوتا جا رہا ہے۔ باہر نہیں رہتا۔

ترقّی کی راہ میں جو چیز دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے وہ خود پرستی و خودستائی ہے۔ مگر چونکہ دماغ میں یا انسانی باطن میں یہ شیطانی تحفہ ثبت نہیں ہے، جو اسے خلوص کے ساتھ دھتکار دے۔ مزاحم نہیں ہو پاتی؛ ناکامی کو، ترقی سازی کا ایک مناسب موقع سمجھ لیتی ہے۔ ناکامی کے سامنے جب اسے للکار کے مقابلے کے لئے کھڑا کر دیا جائے تو وہ ترقّی سے مطابقت کر لیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ یہ ترقّی کی کوشش اور اس کی بناء پر آئندہ پیش رفت و کامیابی کا احساس خودستائی، کو ہوا دیتی ہے، اسے مرغوب ہے۔

چونکہ ہمارا مطمحِ نظر اولاد کی راست روی اور ترقّی ہے، بسلسلہ تربیت، چند امور پر نظر رکھنا ہوگا۔ مرکزی مقصد بچّے کی شخصیت کی تعریف سے گریز کر کے، انجام عمل کی تعریف ہونا چاہئے:۔

علمی محاذ پر:۔ کبھی بھی بچّے کو آگے بڑھانے کا حوصلہ دلانے کے لئے یہ نہ کہئے: ''تم بڑے تیز فہم، چست و چالاک ہو وغیرہ'' بلکہ اس کی کوشش و حکمت عملی کے مظاہرہ کو، یہ کہہ کر سراہئے: ''یہ تمہاری چالاکی تھی جس نے تمھیں کامیاب کیا، اسے جاری رکھو۔ مجھے تمھاری اس ثابت قدمی پر فخر ہے۔

کھیل کود کے میدان پر: بجائے: ''تم فطری طور پر کھلاڑی ہو''، کہا جائے ''مشق (پریکٹس) تمہیں بہتر کھلاڑی بنا رہی ہے''۔ بجائے دریافت کرنے کے: ''کیا تم کامیاب رہے؟'' کہا جائے، ''کیا تم نے جی توڑ کر یا امکانی کوشش کی؟'' ہار جیت کا تذکرہ درست نہیں کہ کھیل میں یہ عام بات

ہے۔اور یہ کہ صلاحیت کا تعلق دماغ میں بٹھائی ہوئی بات سے ہے، جو مشق کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔

مایوسی یا ناکامی کے موقوں پر:۔ بچوں کو اجازت نہ دی جائے کہ وہ کہیں؛ ''میں ناکام، بیوقوف، بے ڈھنگا یا ہارا ہوا ہوں''۔ ناکامی کو شخصیت کے ساتھ جوڑ دینا درست نہیں۔ والدین بطور موازنہ یہ نہ کہیں، فلاں آرٹسٹ، نابغہ (جینیس) وغیرہ ہے۔ شخصیت کوشش کی بناء پر ابھرتی ہے۔کوشش کی ترغیب دی جائے۔

تذبذب یا مشکوک حالت میں:۔ بچّے کی ہمّت افزائی کے لئے، جہاں وہ اپنی ناکامی کو سمجھ نہ پارہا ہو، سوچنے کو کہا جائے ''فلاں مضمون میں تم کمزور تھے اب کس قدر بہتر ہو۔ یا کسی کی مثال دے کر سمجھایا جائے کہ اس کے دل میں یہ بات جا بیٹھی تھی کو وہ فلاں کام کر نہیں پائے گا مگر کوشش کی اور کامیاب ہوگیا، وغیرہ۔

بچّے جو نہایت محفوظ ماحول میں پرورش پاتے ہیں، ضرب ہائے زمانہ کے چوٹ کی تنگی کا انہیں تجربہ نہیں ہوتا ان کی ساخت میں نرمی و نزاکت آن پڑتی ہے، قوتِ برداشت کمزور پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو سختیوں کے مقابلے میں قیام کرنے کے قابل نہیں پاتے، ہمّت ہار بیٹھتے ہیں۔ اسی لئے بہت زیادہ لاڈ پیار سے اجتناب کی سفارش کی گئی ہے۔ ان میں مشاہدہ، فکر و غور کرنے کی صلاحیت جو عطیۂ پروردگار ہے اجاگر کرنے کی پوری طرح کوشش کرنا چاہیے تا کہ ان میں بالغ نظری پیدا ہو اور وہ 'مرد باید کہ ہراساں نہ شود' کی مصداق بن جائیں

جنابِ امیرؑ نے اسی لئے فراوانی کے زمانے میں بھی قلت کے زمانے جیسی رکھ رکھاؤ کی تاکید کی ہے۔ یہ ہدایت متعدد طریقہ سے اثر انداز ہوتی ہے۔ جو تگ و دو کرتے ہیں، ان کے اعضائے جسم؛ تغذیہ کی تنگی، کم اور معمولی غذا کی فراہمی یا تھوڑی خوراک ہی سے اپنی توانائی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ صورت، فرد یا بچّے کو سخت جان بنا دیتی ہے، جب کہ فراوانی غذا میں اعضا کو بغیر کوشش کئے توانائی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ تن آسانی قوتِ مدافعت میں کمی پیدا کر دیتی ہے۔ غریب لوگوں اور ان کے بچّوں میں برمقابل امراء کے مضبوطی و جانفشانی عام مشاہدے کی بات ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ روکھی روٹی اور

پیاز کھا کر مزدور آٹھ دس گھنٹے بغیر چوں وچرا کے کام کرتا ہے، کبھی بھی کوتاہیٔ داماں کی شکایت نہیں کرتا۔ جناب امیرؑ کی یہ ہدایت ہزاروں ذہنی وجسمانی امراض کی دوا ہے۔ اس کا اس امر میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ مزاحمت سے نمٹنے میں جدوجہد کو قوّت حاصل ہوتی ہے۔

ادوارِ فراوانی میں زمانۂ قلّت کی کامیابی کو ہاتھ میں پکڑ کر رکھنا اسلامی اقتصاد کی بیش بہا بنیاد ہے۔ امامؑ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم یا مال اس طرح جو بچے ناداروں کی تعلیم وتربیت اور بھوک وننگ اور دیگر فلاحی کاموں پر مصرف میں لا کر ناداری کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اللہ کا کرم ہے کہ اہلبیتِ محمدؐ نے عملاً یہ کر کے بتایا۔ آئمہّ اطہار بذات خود روٹیاں بوریوں میں بھر کے غریبوں تک پہنچاتے۔ باوجود حکماء کی مزاحمت کے مدرسے قائم کر کے تعلیم کا بندوبست کرتے۔ امام جعفر صادقؑ کے تقریباً چار ہزار طلبا کے مدرسے کی بدولت، سائنس: فزکس وکمسٹر ی، حکمت وفلکیات، سیاست ونفسیات، کاشتکاری و پرزہ سازی وغیرہ وغیرہ کی بنیادی تعلیماتِ ہم تک آن پہنچیں۔ جنہوں نے ترقّی کے لئے راہ ہموار کردی۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بھی فضول خرچی جو فراوانی کی بناء پر وجود میں آتی ہے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسی رقم جلد فلاحی کاموں میں صرف کر دی جائے، ورنہ وہ برے کاموں کی راہ لے گی۔

امامؑ کے اس قول کی صداقت عیاں ہے۔ سرمایہ دار، عوام کو جس طرح کولہو کا بیل چکّر لگا تا رہتا ہے؛ ایک سمجھے بوجھے دائرے پر اس طرح ڈال دیتا ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے چلتا رہتا ہے:۔ سادگی کے ساتھ کھانے پینے رہائش وزیبائش کی جو چیزیں عوام کو میسّر تھیں، انھیں ملمّع بازی کے ذریعہ چمکا دمکا دینے کے بعد، اخباروں، جریدوں، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ مشتہر کر کے چوگنا دام پر فروخت کرنا، رسٹورانٹس میں گانے بجانے کی کشش پیدا کر کے رقص وسرور کی اخلاق خراب کر دینے والی محفلوں میں بھاری ٹکٹ لگا کر لوگوں کو کھینچ لانا۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے واسطے نیند حرام کر کے لوگوں کا ایک کے بجائے کئی کئی جگہوں پر کام (جابز) کرنا۔ ان کی گاڑھی کمائی سے اپنی جیب بھرتے رہنا؛ سب سرمائے کا فلاحی کاموں پر صرف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ عمل عوام کو سیدھی سچّی راہ سے دور کر دینے کے مترادف ہے

جس کی بناء پر لوگوں کے اخلاق خراب تر ہوتے جارہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ عوام ان باتوں پر غور کریں۔ 'مجھ جیسا کوئی نہیں' کے لہر کے سے باز آکر دکھاوے سے دور رہیں۔ اپنی کمائی کو بجائے بداخلاقی مول لینے کے، عوام کی تعلیم اور بحالی پر صرف کریں، تا کہ ان میں قوتِ تجسس پیدا ہو کر جذبہ غیر جانبداری ابھرے جو اچھے برے کی تمیز پیدا کردے۔ جھوٹ وفریب کی گھٹاٹوپ تاریکی میں سچائی کا رخِ زیبا، کھل کر نظر آجائے۔ ان کا یہ احسن عمل، دنیا کو بے راہ روی سے بچا کر سیدھے راستے کی تلاش کے لئے راہ کھول دے گا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا اس صداقت سے متجاوز بکھری دنیا میں سچائی کی تلاش آسان ہے؟ پرکھوں نے کہا تھا ''بن گرو گیان نہیں''۔ مشہور حدیث؛ حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ عترتی میں بارہ طاہر ومطہر ائمہ کو اللہ نے سچی باتیں بتانے کے لئے بھیجا۔ یہ ہمارے ولی ہیں۔ ان کے احکام کی پابندی ہم پر فرض ہے۔

ولی ءامر کے احکام فرض ہیں

آئمہ اطہار کو اللہ نے ولایت کے درجے پر فائز کیا ہے، ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا ہمارا فرض ہے۔ ان کی اطاعت کے ضمن میں قرآن کی آیت۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ [۴:۵۹] اللہ کی اطاعت کرو و رسول کی اطاعت کرو اور وہ جو تم میں اولی الامر مقرر کر دئے گئے ہیں' اس فرض کی نشاندہی کر رہی ہے آخرت پر ہم جواب دہ ہوں گے۔ اس سے روگردانی حرام ہے۔ ان کا ہر عمل صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ جس میں ذرّہ برابر بھی بھول چوک یا غلطی کا شائبہ نہیں ہے۔ اسی لئے ان کی بتائی ہوئی راہ کو اپنانے میں سراسر فلاح ہے۔ حرام میں مبتلا عمل چونکہ فطرتِ مخلوق سے جدا ہوتا ہے ذہن کو تذبذب میں ڈال کر پریشانیاں پیدا کرتا رہتا ہے، ذہنی سکون درہم برہم ہوجاتا ہے۔ لہو ولعاب کی رنگینیوں میں محو ہو کر ہم بھول جاتے ہیں کہ اخلاق کا کیا مقام ہے۔ چونکہ ہم آئمہ اطہار کا کہنا نہ ماننے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس کوتاہی کی بناء پر گناہ گاری کا در کھل جاتا ہے۔ جب ان کا ہاتھ ہمارے

سروں سے اٹھ جاتا ہے، برائیوں سے روک ٹوک ختم ہو جاتی ہے۔ ہم برائی کو اچھائی پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ فلاحی کاموں کو انجام دے کر جو ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے اس سے لطف اندوز ہونے کا تجربہ ہی ہمیں حاصل نہیں ہو پاتا؛۔ یہ اپنے آپ پر ظلم ڈھانے سے کم نہیں۔ عذاب آخرت درحالِ حاضر، چونکہ ہمارے تجربے میں آیا نہیں ہوتا ہے، غافل رہتے ہیں۔ اللہ کے ولی کی ہدایت سے روگردانی کرنا۔ کتنی بڑی بھول ہے!! کس قدر اس کا کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے/ پڑیگا، سوچ کر ہی دل دہل جانا چاہئے۔ عجب بات یہ ہے کہ جن کو ہم اپنا امام مانتے ہیں، ان کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے۔

برائے ترقّی، خودسازی نظم وضبط

اللہ نے ترقّی کرتے رہنا انسان کی فطرت میں شامل کر دیا ہے تجربہ میں آئی ہوئی بات ہے کہ زندگی سنوارنے میں نظم کا بڑا ہاتھ ہے۔ عقلمند وہ ہے جو موقع شناس اور پیش بین ہو۔ بروقت موقعوں پر قابو پانے کے خاطر ذہن کی آنکھیں کھول کر رکھتا ہو۔ نگاہیں اس کی دوررس ہوں۔ کسی امر کو ہاتھ میں لینے سے پہلے وہ ٹھوک بجا کر اس کی معقولیت اور مثبت نتائج دینے کی استعداد پر غور وفکر کر لیتا ہو۔

ایک شخص کسی تجویز شدہ کام پر سالہا سال صرف کر دیتا ہے، مگر اس کی بابت معلومات اور بصیرت اور پرکھ نہ رکھتا ہو، کسی قسم کی امتیازی کامیابی حاصل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ بھی قابل توجّہ بات ہے کہ وہ جو غیر ضروری جلد بازی سے کام لیتا ہے منزلِ مقصود تک مشکل ہی سے پہنچتا ہے۔ جلد بازی میں کی ہوئی منصوبہ بندی ناقص ہی رہتی ہے۔ یہ زیادہ تر قوتِ ارادی میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔ جلد بازی فقدانِ بلوغیت کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ عام طور پر ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ بینش سے کام لینے والا، صبر وتحمّل کا مالک، خواہ وہ سائنس داں ہو، سیاستمدار، یا فوجی جنرل، عام طور پر کامیاب رہتا ہے۔ قرآن:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٢﴾

آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے، استقامت سے کام لیں۔ (سورۃ ہود ۱۱/ ۱۱۲)

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ

آپ اسی طرح استقامت سے کام لیں، جس طرح بتایا گیا ہے۔ (سورۂ شورہ ۴۲/۱۵)

سابق مقالے میں، ترقّی کی راہ میں سختی و مزاحمت کا مقابلہ کرنے کی خوبیوں کو ہم سمجھ چکے ہیں۔ انسان مشقت کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ بے حرکتی، آرام و آسائش جو فطری تقاضوں کے خلاف ہے، جہاں بھی اس کی عمل درآمد ہوگی، نقصان دہ ثابت ہوگی۔

رسول اللہؐ کی کامیاب حیات، ان کا صبر و استقامت۔ ان کی ہدایات برائے سچائی اور ہدایات انسانی، کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ یہ سب دقیق منصوبہ بندی اور اس پر جانفشانی سے عمل کا نتیجہ تھے۔

ترقّی میں عقیدہ کا مقام

پیش رفتہ دنیا نے، عملِ انسانی کو مذہب کے دئے عقائد سے جدا کر کے فراوانی و آرام طلبی جیسی خارج از دین نظریہ کو اپنا کر نا پائدار کامیابی کی طرف رخ کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مقصود کامیابی کو حاصل کر لیتے، بداخلاقی نے اپنا قدم جمالیا ہے۔ جس نے تنزلی کی طرف ان کا رخ موڑ دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمھاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدم بنا دے گا۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے واسطے ڈگمگاہٹ ہے اور ان کے اعمال برباد۔ (محمد ۴۷/۷، ۸)

جناب امیرؑ فرماتے ہیں:۔ سخت مخالف حالات میں رہ کر بلند درجات حاصل کیا جا سکتا ہے اور دائمی سکون بھی (العمیدی، غرر حکم صفحہ ۳۳۷)

مزاحمت و سختی سے دوری، کس طرح ترقی کو، دگرگوں کرتی ہے؟

ہر کوئی جو زحمت، درد، دکھ رنج سے متعارف نہیں، وہ مخلوق خدا سے نرمی سے پیش نہیں آپاتا۔

چونکہ سختیوں سے وہ گذرا نہیں ہوتا ہے، وہ ظلم کی سختیوں سے آشنا نہیں ہوتا، وہ سخت دل، مردم بیزار، بد نفس اور شر انگیز ہو جاتا ہے۔

نازونعم میں پلے ہوئے بگڑے اور آسان طلب لوگ، جب بے بس ہو کر معاشرے کے پیرو ں تلے روندے جاتے ہیں، انہیں اپنی نا اہلی کا اندازہ ہو جاتا ہے، وہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے، ناکارہ ہیں۔ وہ بزدل، دھوکے باز، نکمّا معاشرے پر بوجھ بن کر پستی میں جا پڑتے ہیں۔ اس طرح جب ایسے لوگوں کی بہتات ہو جائے تو معاشرہ تنزلی کی طرف چل پڑتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اے ایمان والو، صبر کرو، صبر کی تعلیم دو، جدو جہد کرو، اللہ سے ڈرو (اللہ کے احکام کی پابندی کرو) شاید فلا یافتہ اور کامیاب ہو جاؤ۔ (آل عمران ۳/ ۲۰۰)

اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ آیۃ پورے عقیدۂ اسلامی کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس لئے کہ تقویٰ احکام اسلامی کا مجموعہ ہے۔ صبر اس کا جزد لاینفک ہے، اور ترقّی اس کی مرہونِ منّت ہے۔ صبر ثابت قدمی کے ساتھ معاشرے کی بہبودی کے لئے جدو جہد کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ فخر ومباہات اور غصّہ کا قاطع ہے۔ کاہلی کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ جنگ خندق میں حضرت علی نے عملاً ہمیں بتایا کہ عبادتِ الٰہی میں، زیر شدہ دشمنِ اسلام کے سینے سے اتر کر فخر وغصّہ کو کس طرح پیروں تلے روندا جاتا ہے۔ جب انسان اللہ کی اتباع یا تقویٰ کی پیروی میں سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے، ننگ، ذلّت ورسوائی، نام کے لئے بھی باقی نہیں رہتی؛ وہ موت کو ذلّت پر ترجیح دے کر، اللہ کے حضور حاصل شدہ کامیابی کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد بھی اپنے معبود کے حضور سجدہ ریز ہو کر اعتراف کرتا؛ مالک، میری اس سعی کی کامیابی تیری ہی عطا کردہ ہے۔ تیری غلامی مقدّم ہے۔ آخری دموں میں بھی انسانیت کی بہبودی اس کے زیرِ نظر رہتی ہے۔ فریاد کرتا ہے؛ لوگو اللہ سے مدد مانگ کر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پرچم ہاتھ میں تھامے رکھو، یہ بلند اخلاقی کا منبع ہے، کسی صورت میں بھی سرنگوں ہونے نہ دو۔ انسانیت کو بے راہ

روی سے بچا کے رکھو۔ اسی میں اللہ کی خوشنودی بھی ہے، جو آخرت میں شیر کامی کا کام کریگی۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝۲۳

جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو کہ اللہ مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا۔ (حدید ۵۷/ ۲۳)

یہ بڑی پر حکمت آیۃ ہے، جسے مغرب نے سرے ہی سے رد کر دیا اور وہ بد اخلاقیوں میں پھنس کر پریشانیوں میں مبتلاء ہوئے۔ دنیا کی ہر شئے آنی جانی ہے۔ تجارت میں خسارہ یا ملازمت کا چھوٹ جانا، تجوری کا غیر ضروری اخراجات میں صرف ہو کر خالی ہونا شروع ہو جانا وغیرہ ایک عام سی بات ہے۔ اس کے ملال میں یہ لوگ اس قدر پریشان ہوتے ہیں کہ ذہنی فشار میں مبتلاء ہو کر سر درد اور ڈپرشن کی گولیاں کھاتے کھاتے جان جاتی ہے۔ غم غلط و خوشی حاصل کرنے کے لئے ڈرگز و شراب میں بدمست ہو کر ناچ و گانے میں وقت ضائع کرتے ہیں، مگر ان کی بوکھلاہٹ کسی صورت بھی دور نہیں ہوتی۔ بلکہ آگے بڑھنے کی قوت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ مفاخرت اپنے ساتھ بے انتہا خرابیاں لے کر چلتی ہے۔ اپنی کامیابیوں پر فخر اس کے آگے بڑھنے کی کارکردگی کو روک دیتی ہے۔ جبکہ انسان میں درد کشی و مصیبت زدگی اسے منکسر و متحمل المزاجی کے ساتھ عقلمند بنا کر رکھتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مقامِ عدالت سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اس کی خواہشات معنوی حدودِ اخلاق سے تجاوز نہیں کرتیں۔ اس خیال سے کہ دوسروں کی ضروریات پوری ہوں، اپنی کوششوں میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ ترقّی کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسی روش ہے جو انسانی درد کے خاتمے کے ساتھ روز افروں ترقّی کی قوت رکھتی ہے۔ اس سے جو خوشی ہاتھ آتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔

عقیدے کی فضیلت کی بابت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:۔

عقائد کا مالک مثل سونے کے سکّے کے ہے۔ جب بھٹی میں ڈال دیا جائے تو سرخ ہو جاتا ہے، اس کے بعد جب اس کا وزن کیا جائے تو وہ ذرّہ برابر بھی گھٹتا نہیں۔ نہج الفصاحت صفحہ ۴۶۵

دیگر، جناب امیرؑ فرماتے ہیں:۔

اس شخص کی توانائی جو عقائد و ایمان سے مزیّن ہو مزاحمت کے مقابلے میں سخت ترین پتّھر سے زیادہ مقاومت / استحکام کا حامل ہوتا ہے۔(بحار الانوار، جلد ۵، صفحہ ۹۴)

یہ اقوال بتاتے ہیں کہ مشکل ترین حالات میں بھی مایوسی و پر نچے اڑا دینے والی ناامیدی کو اپنے اوپر سوار ہونے نہیں دینا چاہئے۔علیؑ فرماتے ہیں:۔

نجات کی امید، اس وقت سامنے آتی ہے، جب مزاحمت کی سختی بلند ترین چوٹی پر پہنچ جاتی ہے۔(مقصد یہ ہے کہ انسان کو سخت ترین حالات میں بھی خوش / پر امید رہنا چاہئے۔) نہج البلاغہ

نام ونمود

یہ ایسا مہلک مرض ہے جس میں دنیا ہمیشہ مبتلاء رہی۔اگر غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جو بھی غارت گری و وارداتِ جرائم روئے زمین پر واقع ہوئے، سب کے سب اسی کا نتیجہ رہے ہیں۔اسی نے تہذیبوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ان کے کھنڈرات مخلوقِ خدا پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کی داستان سنانے کو رہ گئیں۔ان کے خون سے بھرے آنسوؤں کی دھار کی طرف کوئی بھی متوجّہ نہیں ہوتا۔وہ فقط تفریح گاہیں بن کر رہ گئیں ہیں۔

جسمانی احتیاجات کے علاوہ انسان کو نفسیاتی ضروریات بھی درپیش ہوتی ہیں، ان کی بہتات اور شدّت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اگر بر وقت وہ پوری نہ ہوں، تو اعتدال کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔اس کی روحانی احتیاجات بہ نسبت جسمانی کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔وہ اکثر ایسے امراض میں داخل ہو جاتی ہیں کہ ماہر ڈاکٹر بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جاتا ہے۔

مختصراً؛ انہیں ضروریات میں معزز اور قابل قدر ہونے کی خواہش اتنی زیادہ بڑھی ہوتی ہے کہ وہ اسے برقرار رکھنے کے لئے اپنی ساری قوّتیں بازی پر لگا دیتا ہے۔نادانی چونکہ اس کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے، اس کی اصل جڑ کو پکڑ نہیں پاتا۔فضا میں بکھرے ہوئے موجود درد کی درمانی، تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کے سبب، درپیش مسائل کو ناکامی سمجھ بیٹھتا ہے۔اپنا منھ چھپائے پھرتا ہے۔زمانے

کے لحاظ سے اس کے لئے وہ ذلت کی انتہا بن جاتی ہے۔اپنی سمجھ کے مطابق، اس کا سامنا برداشت نہ کر پانے کی انتہا جان کر خودکشی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ نام ونمو کی ستم افزائیوں پر غور کریں، اس ذہن فرسہ حالت سے بچنے کی جتن اہم ہے۔اس کے لئے چاہئے یہ ہے کہ موافق ومجسّم طریقہ کار کی تلاش کر کے اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔ ایسے موقعوں پر، معقول طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے فطری، چھپے ہوئے، مخصوص ماہرانہ استعداد کا در کھٹکھٹائے ۔چوں کہ وہ اس کے جذبات سے ہم آہنگ ہوگا، ذہنی توازن کو برقرار رکھنے میں معاونت کرے گا۔اس وسیلے سے خود اعتمادی بحال ہو کر کھوئی ہوئی شرافت نفس کو اعلیٰ مقام پر پہنچا دے گی۔ضمناً عرض ہے کہ اگر انسان اپنی فطری یا روحانی چھپی ہوئی صلاحیت کو تلاش کر کے اپنے لائحہ عمل میں شامل کر لے تو بے کھٹک ترقّی کی راہیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔اسے اپنے مقصد کے حصول میں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔اس کے برعکس کامیابی کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔جس سے اجتناب لازم ہے۔چونکہ چھپی ہوئی انسانی صلاحیت قوی ہوتی ہیں، اس کے مد مقابل کچھ اور رکھ دیا جائے، اس کا منھ توڑ دیتی ہے۔ذہنی توازن میں الٹ پھیر، فطری صلاحیتوں سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔خودکشی کا جو مسئلہ اوپر بیان ہوا ہے جس کی بنا ناکامی تھی، اگر اپنی ذہانت پر بھروسہ کرتا جلد بازی میں گرفتار نہ ہو جاتا، تو اس غیر معقول حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔

مفاخرت کی پشت پناہ نفسیات

موجودہ دور حالانکہ خاصہ ترقّی یافتہ ہے مگر ماہرین نفسیات ابھی تک دماغ کی پنہاں تحرکات کا پوری طرح پتہ نہیں لگا پائے۔انسانی، شائستہ ناشائستہ حرکات؛ ذہنِ لاشعور کی کارگذاریاں ہیں۔ہر معاشرے میں لوگ ملیں گے جو اپنی شخصیت کی بابت بلند و بالا غیر حقیقی سوچ رکھتے ہیں۔یہ سرکش فکر نفسیات کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔مفاخرت جو خود پرستی ہے نفسیات کا ہی ایک رخ ہے۔بیشتر عادات کی تشکیل بھی اسی کی عطا شدہ ہوتی ہیں۔دورِ طفلی کا ماحول وتربیت اور اس کے اثرات کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

دولت پر گھمنڈ : ۔ فراوانی اس کی بناء ہوتی ہے، وہ غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ ورثہ میں ملی ایک گھناؤنی نفسیاتی خصلت ہے۔ جب کہ فراوانی دولت پیسوں کی حد تک محدود نہیں۔ ایسے لوگ ملیں گے، جو مادی ناداری میں زندگی بسر کرتے ہیں مگر اصل روحانیت کے مالک ہونے کے بناء پر بلند درجہ پر فائز شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ مادّی دولت پر اختیار رکھنے والے، ان کی روحانی فراوانی کی بناء پر انہیں احترام وکرام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قوموں پر بھی اس حقیقت کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ قوم جہاں عقلمند لوگوں کی کثرت ہوتی ہے دوسروں کے مقابلے میں امیر تر ہوتی ہے۔ مادی دولت آرام وآسائش اور خوشی مہیا نہیں کر پاتی۔ بیشتر بے چینی وکلفت لالچ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بہت لوگ ملیں گے، جو باوجود اس کے کہ بیش بہا دولت کے مالک ہوتے ہیں، ذہنی سکون میسّر نہیں ہوتا۔ یہ دلوں کو سیاہ بنا دیتی ہے۔ یہ فکر کہ اچھے دوست واحباب، مادّی دولت کے مالک کو مل جاتے ہیں، خواب کی باتیں ہیں۔ مطلب پرستی آڑے ہاتھ آتی ہے۔ احدی بنا کر یہ غارت کر دیتی ہے۔

قرآن: ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو جو تمھیں رزق دیا گیا ہے، اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جسدن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش۔ (بقرہ ۲/ ۲۵۴)

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

ہم نے جب بھی کسی قریہ ہلاک کرنا چاہا تو اس کے ثروتمندوں پر احکام نافذ کر دیئے، اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی تو ہماری بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ (اسراء ۱۷/ ۱۶)

علم بنائے افتخار: ۔ علم حاصل کر لینے کے بعد اکثر لوگوں میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی

روحانی بیماری کا علاج نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ دوسروں کو جوان سے کہیں زیادہ علم حاصل کئے ہوتے ہیں اہانت آمیز نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس قسم میں وہ آتے ہیں جو ڈگریاں تو حاصل کر لیتے مگر آگاہانا علم کے مالک نہیں ہوتے۔ سطح معمولی درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی کم علمی کو مباحثہ کے ذریعہ اپنی بڑائی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علم وفکر مثل سمندر کے ہے جس کی تھاہ کا ابھی تک پتہ لگا یا نہیں ج اس کا ہے۔ اپنے آپ کو عقل کل سمجھ کر، علم کے عمق میں ڈبکی لگائے بغیر، (حالات کا علم نہ رکھنے کی بناء پر) ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنا، اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرنا جہل مرکّب کی علامت ہے۔ جب کہ جتنا علم کی طرف بڑھا جائے اس کے نئے ابواب کھلتے جاتے ہیں، ان کے نامعلوم رموز، دعوت دیتے ہیں کہ اعلیٰ علم کے ساتھ ان کے باطن میں اتر کے مناسب مقررہ طور وطریقوں کو اختیار کر کے ان کے رموز کے خزانوں کو ڈھونڈھ نکالا جائے اور معاشرے کے استفادہ کے لئے، یا اس کے ذریعہ اس کی خدمت کی جائے۔ جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے، علم کا اوقیانوس سامنے آتا جاتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ علم کی بیکرانی انسان کے عجز میں اضافہ کر کے اسے منکسر المزاج بناتی جاتی ہے۔ تمکنت کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔

سالمیتِ روح

کبھی کامیابی اور کبھی شکست، معمول کی بات ہے۔ اوّل الذکر اکثر مفاخرت پیدا کر دیتا ہے اور دوّم احساس بدبختی، جس کی بناء پر عام طور پر لوگ بے بس پا کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ یہ مایوسی کی علامت ہے۔ اگر ہر دو صورت میں دل جمعی واطمینان کو ہاتھ میں رکھا جائے تو، یہ روح کو تندرست وتوانا رکھے گی، اور سالم روح کے ہمراہ میانہ روی کو ہاتھ میں لے کر افتخارانہ روش کے ساتھ دو دو ہاتھ کیا جاسکتا ہے۔

اس کی سختی کو دور رکھنے میں حضرت علیؑ کا قول: ’خود کو پہچانو‘ لاجواب راہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

رسولِ خداؐ فرماتے ہیں: ’(بے راہ کر دینے والی) خواہشات سے ہوشیار۔ خواہشات انسان کو

اندھا و بہرا بنا دیتی ہیں'

مفاخرت وخود بینی کی وجہ سے اکثر لوگوں میں جو کمیاں یا خرابیاں واقع ہوجاتی ہیں، ان سے واقف ہونی میں مانع ہوتی ہیں۔اور روحانی بلوغیت کے نش ونما میں رکاوٹ کا باعث بنی رہتی ہیں۔جناب امیرؑ فرماتے ہیں

'مغرور اپنی کمزوریوں سے بے خبر ہوتا ہے۔اگر وہ دوسروں کی خوبیوں کو پہچان لیتا تو اس کو اپنی خامیاں اور خرابیاں پریشان کر دیتیں، اور ان کو دور کرنے کیلئے قدم اٹھاتا۔

وجوہات جن کی بناء پر خامیوں کا اندازہ لگانے میں غلطیاں ہوتی ہیں، وہ وراثت سے ملی موجودہ صلاحت، ماحول کے لوگوں میں علم وآگاہی کے اثرات، اور اپنی وہ کمزوریاں جو خواہشات اور نفسی تمنّائیں لئے ہوتی ہیں۔

انسان میں شائستہ خصوصیات پیدا ہونے کے لئے، اس کی روحانی ضروریات سے آگاہی کا موجود ہونا لازم ہے۔تصوراتی قسم کی خوشی سے دور رہنے کیلئے، اتنی قوت ہونی چاہئے کہ ان خطرات سے جو اس کی روحانی سالمیت کے لئے نقصان دہ ہوں، دفاع کر سکے۔اس سلسلہ میں جناب امیرؑ آگاہ فرماتے ہیں:۔

'اپنے نفس کے ساتھ مرّوّت، انسان کی کمزوری یا ناسمجھی کی علامت ہے۔مزید یہ کہ غرور، فہم وادراک کو مسمار کر دیتا ہے۔'

حقیقتوں اور فریب دہندہ خیالات ونظر میں امتیاز، سچّے لوگوں اور اپنے نفس کے درمیان وموازنہ یا احتساب میں مضمر ہے۔یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے آنکھوں پر پڑے پردے کو دور کیا جا سکتا ہے

جو اپنی کمزوریوں کا امتحان کرتا رہتا ہے، انہیں معلوم کر لینے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

حضرت علیؑ غرّ الحکم صفحہ ۶۱۴

قوّتِ ارادی

قوتِ ارادی کو کیسے اجاگر کیا جائے، ہمیشہ سوالیہ جملہ بنا رہا ہے۔ ماہرین نے اس کے جواب کو حاصل کرنے میں بڑی چھان بین کی ہے۔ اس کا تعلق انسان کی روحانی کیفیت سے ہے۔ جو ہر شخص میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ نابغہ یا غیر معمولی ذہانت کے مالک، علماء، سیاست مداران، سائنس داں وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ فرد و معاشرہ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں؛ جبکہ انسان ماحول کا مرہون منّت ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنی روحانی قوّت کی بناء پر ماحول/معاشرے میں تبدیلی لانے کے قابل ہوتا ہے۔

معاشرے میں تبدیلی لانے کی بنیاد، خواہش یا ارادہ کی قوّت پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ رہبر یا لیڈر ہی کا ارادہ ہوتا ہے جو ملّت کی استعداد کو اچھے مستقبل کی طرف موڑتا یا رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی ارادہ، دو قوّتوں کے عمل درآمد کا نتیجہ ہوتا ہے: اوّل جبلّت اور دویم عقل و استدلال۔ ناتوانی جو، ارادے کی کمزوری کی بناء پر واقع ہوتی ہے، اس کی وجہ انسان میں مخالف قوّتیں ہیں۔ جیسے ورثے و بچپنے اور ماحول سے حاصل شدہ کمزوری پیدا کرنے والی عادتیں جس کی فہرست طویل ہے، اور مختلف رنگ لئے ہوتی ہے وغیرہ، وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فیصلہ کرنے اور رائے قائم کرنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے، بلکہ ہر وہ کام جو وہ کرنا چاہتا ہے، کرنے کے قابل رہتا ہے۔ فقط اس میں وہ قوّت جاتی رہتی ہے جو ذہن کی بات کو عمل میں منتقل کرنے میں کام آتی ہے، یہ اس کی کمزوریوں سے منتھی ہوتی ہیں۔

ایسے افراد ملیں گے جو باوجود، استطاعت، مواقع و قیمتی وسائل موجود ہونے کے، موثّر نہیں۔ جبکہ ان کی نظر زندگی کے خاصی بلند سطح پر بھی ہوتی ہے۔ فقط ان میں سیڑھی پر چڑھنے کی قوتِ قصد و فیصلہ مفقود ہوتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے، کوئی دوسرا مشکلات و سختی سے بھرے کام کو انجام دے، انہیں نہ کرنا پڑے۔ وہ بڑی منصوبہ بندیاں کرتے ہیں، مگر تکمیل نہیں دے پاتے۔ تاریخ کے اوراق میں سختی کی مالک ایسی مثالیں موجود ہیں، جنہیں ناممکن سمجھا جاتا تھا، مگر قوی ارادے سے مزیّن شخصیتوں نے کر کے دکھا دیا۔

لوگ، جو پیش قدمی سے جی نہیں چراتے تیز وتند آندھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عقاب کی طرح، اونچی چوٹیوں کو سر کر لیتے ہیں۔ وہ درخت جو اونچے پہاڑوں میں پتھروں کے درمیان اگ آتے ہیں، مٹّی و پانی کی کمیابی کی سختی برداشت کرتے ہوئے، ان درختوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور قوی ہوتے ہیں جو میدانوں میں مٹّی و پانی کی بہتات میں نشونما پاتے ہیں۔

ایک ماہر نفسیات کی تحریر کے مطابق، نو جوانوں کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہئے کہ، اپنے مقاصد کی حصول یابی کے لئے، انہیں ہموار پختہ سڑک کی تمنا نہیں رکھنا چاہئے۔ بہت کم ایسے ملیں گے کہ جو ناامیدی اور مزاحمت کے بغیر کامیابی حاصل کر لیتے ہوں۔ جب ہم مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے صحیح سمت اختیار کرتے ہیں ترقّی میں وہی مشکلات آسانی پیدا کر دیتی ہیں۔ کوئی بھی کوشش، مسائل پر غالب آنے سے بہتر نہیں۔

قوتِ ارادی کی کمی، انسان کو اکثر و بیشتر تذبذب میں ڈال کر رکھتی ہے۔ اس کی بناء پر لوگوں کا قیمتی وقت وصلاحیت ضایع ہوتی ہے، اور زندگی جو اعلیٰ مقاصد کے حصول میں صرف ہوتی شکست کے نذر ہو جاتی ہے۔

بہر صورت کامیابی ممکن نہیں جب تک فیصلہ کرنے کی قوّت بحال نہ ہو۔ جب یہ برسرِ کار ہوتی ہے کامیابی کی امید پیدا ہو جاتی ہے۔ کامیابی ان ہی کی قسمت ہوتی ہے جن میں ارادے کی پختگی ہوتی ہے۔۔

ایک پرانی کہاوت ہے:۔ ''چیزوں میں خود بخود تبدیلی نہیں آتی؛ لائی جاتی ہے''۔

ہر مرحلے میں ارادے کو ضرورت ہوتی ہے، ایک مضبوط سہارے کا جس پر انحصار کیا جائے ارادے کا سہارا عقیدہ ہے ارادہ اور عقیدہ، دونوں، ایک دوسرے پر تکیہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں مل کر تحرک پیدا کرتے ہیں۔ قرآن:۔

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○

اور انسان کے لئے صرف اتنا ہی ہے، جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ (نجم ۵۳/۳۹)

عقیدے کا دائرۂ کار: اس سے پہلے بھی اس کا تذکرہ آچکا ہے، مزید برآں، اگر ہمارے دست رس میں بغیر عقیدے کے صرف قوتِ ارادی ہوتی تو ہم فقط اسی کے بل بوتے پر کام کرتے رہتے اور جب مشکلات ورکاوٹوں کا سامنا ہوتا تو جوہرِ روحانی جس کی بناء پر ہم میں، خود اعتمادی برسرِ کار تھی، جواب دے بیٹھتی، ہم تھک ہار کے، نا امید ہوجاتے اور کام کی انجام دہی سے دست بردار ہوجاتے۔ کام نامکمل رہ جاتا۔؛ایسے آزمائشی حالات میں سوائے اللہ کی لازوال قوت پر عقیدے کے کوئی اور مدد معاون یا رہائی دلانے والی طاقت نظر نہیں آتی۔ سخت ترین حالات میں، عقیدہ اور مصمم ارادے کا مالک بندہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾۔ اللہ کی طرف سے عطا شدہ سسٹم کے تحت، مسائل کا حل اس کے ذہن میں حاصل شدہ القا، یا انسپائریشن، معاونت کرتی ہے۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ اس میں امید کی شمع کبھی بھی خاموش نہیں ہوتی۔ اللہ ؛رسول سے فرماتا ہے، کہ جب وہ کسی کام کی انجام دہی کے لئے طے کرلیں، دلجمعی کے ساتھ ہر شئے پر اختیار رکھنے والے لازوال پر بھروسہ کریں:۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

جب ارادہ کرلوتو، اللہ پر پھروسہ کرو، وہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران ۳/۱۵۹)

موجودہ دور کا ماہر نفسیات انتھونی رابنز کہتا ہے؛ جب تمھیں اس بات پر عقیدہ ہی نہیں کہ کوئی کام انجام دے سکتے ہو، تم اپنے اعصابی نظام کو اس سے موافقت کرتی ہوئی محدود کرنے یا سرے سے برطرف کر دینے کی خبر یا حکم دیتے ہو۔ بصورتِ دیگر، اگر اس کام کو کرنے کی خواہش ظاہر کرتے ہو، کرتے رہو، وہ اسے انجام پزیر ہونے کی راہ کو کھول دیتا ہے۔

دماغ کی کمان داری عقائد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ انسان وہی کچھ ہے، جواس کا عقیدہ ہے۔

عقیدہ وخود اعتمادی

بغیر خود اعتمادی، مقصد کا حصول ممکن نہیں، بغیر عقیدے کے کسی کی اپنی استعداد یا قابلیت مفید کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ اسی کے ہمراہ، ہر منصوبہ نتیجہ خیز ہوتا ہے، فرد کے مصمم ارادے، خود اعتمادی اور معنی خیز فکر میں، اگر یہ ارکان مفقود ہوں، تو نتیجہ بے اہمیت و ناقابل اعتبار ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ، امید اور باطنی توانائی کا فقدان رکمی، انسانی شخصیت میں جمود اور فساد پیدا کردیتا ہے۔ جو اپنی کوشش اور ارادے پر بروسہ نہیں کرتے۔ انہیں، مادّی وروحانی خوشی کے حصول کے لئے، کسی مضبوط انسان کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ ترقّی کی راہ اس کے لئے بند ہوجاتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے اندازہ لگایا؛ عقیدہ اور خود اعتمادی؛ تخلیق و اختراع، مثبت طاقتوں کی مالک ہیں، جب کہ عقیدہ کی کمی، منفی، کند اور ویران کردینے والی قوّت ہے۔ اگر ہم کمزور اور ہارے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں خود اعتمادی کی کمی تھی۔

کچھ لوگوں میں، پوری فضا کو زہر آلود کردینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (جیسے ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کردیتی ہے) ایسی شخصیت جن لوگوں میں آزاد اور خوشحال رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے ان کے دلوں میں شبہہ اور غیر یقینی کیفیت پیدا کردیتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ جس ماحول میں ایسے لوگوں کی تعداد کثرت سے ہوگی، نہ فقط ترقّی وخوشحالی اس میں پھولنے پھلنے سے رہ جائے گی بلکہ خود اعتمادی و فیصلہ کرنے کی قوّت اور ترقّی کا ولولہ بھی جاتا رہے گا۔

اسی امر کی بابت رسول خداؐ نے ایک شخص جوان سے امداد طلب کرنے کی خواہش سے آیا، اس سے پہلے کہ وہ سوال پیش کرتا، خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے فرمادیا؛ ''ہم کسی کی امداد سے گھبراتے نہیں، مگر جب وہ اپنے اوپر اعتماد کرکے دوسروں کی امداد لینے سے اجتناب کرتا ہے، اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا'' اس شخص نے سوال کرنے سے احتراض کیا اور گھر واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ تین

مرتبہ پیش آیا۔ آخر کار، اس میں خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ فکر نے کام کیا، جنگل سے سوکھی لکڑیاں لا کر بیچنا شروع کیا اور بڑا سوداگر بن گیا۔

خود اعتمادی؛ ہر کامیابی و ترقی کی بنیاد ہے۔ اگر اکثریت اسے اپنا لے، تو قوموں کی قسمت بدل جائے۔ امداد، زیادہ تر مستقل مزاجی اور محنت کی قوت کو ضعیف کر دیتی ہے۔ اس طرح اسے ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ احتیاجات پوری کرنے کے لئے کوشش کرے۔ اس کا سلسلہ اگر جاری رہا تو اس میں سستی پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ غفلت کی نیند میں جا پڑتا ہے۔ اس کی ارارہ و کوشش کرنے کی صلاحیت مار کھا جاتی ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

جو کاہلی کی بناء پر کوشش میں ناکام رہتا ہے، وہ اپنے اندر، فساد و زوال کی کیفیت پیدا کر لیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ گھناؤنی احدی پنے کی عادت کے خرمن پر تڑپتی ہوئی بجلی گرا دی جائے، تا کہ لوگوں کے دلوں میں جوالا مکھی کی سی ابال پیدا ہو۔ مفلوج ملت میں ضابطہ و مستقل مزاجی، عقیدہ و قوت ارادی کے لاوے پھوٹنے لگیں۔ وہ انگڑائی لے کر پیروں پر کھڑی ہو جائے۔

یہ ضرورت کیسے پوری ہو؟ ۔۔۔۔۔۔۔ اس مسئلے کے حل کو قارئین کے حضور میں بار بار پیش کرتے ہوئے جھجک اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ قارئین میں سے شاید کسی کی نگاہ اس پر پڑ جائے اور وہ برق کا رخ ان اداروں کے فرسودہ پوتھیوں کی طرف موڑ کر انہیں خاکستر بنا دیں، جس کی ریکھاؤں میں رمق کوند باقی نہ رہی، کہ روح کو گرما دے باقی نہیں رہی، کہ جو روح کو گرما دے۔

وہ ادارے جو وقت کی ضرورت پوری نہ کر سکیں۔ ان کا حال ویسا ہی ہے جو بھوک و پیاس سے تڑپتے ہوئے کو مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ان کی ساختہ فوج جوق در جوق بغل میں مصلی دبائے چلی آ رہی ہے۔ مگر ان کی جھولیاں حربِ مصلح یا ان لاوہ بردار اسلحوں سے خالی ہیں جو ملت کے گرے ہوئے اخلاق میں تپش پیدا کر دے، جو حقیقی عبادت کا درجہ حاصل کر لے۔۔۔۔ جو مالک کے لئے قابل قبول ہو۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو، اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے، اور انہیں اس اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔ (نحل ۱۶/۹۷)

قوموں کے عروج وزوال

اس کی بنیاد بھی اس کی روحانی کیفیت سے متعلق ہے، جسے معقولیت مرغوب ہو۔ جہاں معاشرتی تفاوت فکر کی بنیاد ہو گی فطری یگانگت درہم برہم ہو جائے گی اور ایکا اپنی راہ لے گا۔ قدرت کو جو مرغوب ہے، اس میں دخل اندازی وہ آسانی سے برداشت نہیں کرتی، اسی لئے تفاوت جو فطری یگانگت کی ضد ہے، اس کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ظلم کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بغیر اس کے طرّم شاہی چل نہیں پاتی۔ ظلم پر پنپی ہوئی قوم کو غیر فطری اسباب رفراوانی کی بناء پر ابھری ہوئی تساہلی، اسے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ امیر وغریب، سب اس میں ڈبکیاں مارتے ہیں۔ اس کے تسلسل سے قوم کا منہ خود بخود، زوال کی طرف مڑ جاتا ہے۔ بھوکوں کے خون پسینے سے بنے ہوئے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے عمارات کے کھنڈرات ہمارے سامنے ہیں۔ سب انا کے کھیل ہیں۔ انسان ان کا حشر دیکھنے کے بعد بھی اس کے دھارے میں بہتا چلا جاتا ہے۔ روح کی سیرابی سے اگے ہوئے سرسبز باغ کو جب اجاڑ دیا جائے گا روح اسے کس طرح برداشت کرے گی۔ اپنا اثر ڈالنے سے کیسے قاصر رہے گی؟ اس کی حتی المقدور وضاحت آگے چل کر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

کذب میں رچا فرق وامتیاز

یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ بچپنے کے ماحول، تعلیم وتربیت، انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ اس کا تذکرہ پہلے ابواب میں آچکا ہے۔ لہٰذا، امتیاز کی خواہش کا سراغ طفلی کے زمانے میں پہنچ

کر تلاش کرنا ہوگا۔ چون کہ یہ بات موروثی بن جاتی ہے۔ وہ جان جو کھر میں ڈال کر بھی اسے پکڑ کر رکھتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تکبر بھرے امتیاز و بڑائی کے خواہاں، اموی و عباسی خلفاء اور اس سے آگے کے بادشاہان، بدقماشیوں میں مست، ہدایات اسلامی کے برعکس آپس ہی میں ایک دوسرے کو کاٹتے پیٹتے رہے اور آخر میں وجود کھو بیٹھے۔ تعلیمات اسلامی کو مسخ کر کے مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دیا اور دوسروں کی غلامی میں ڈال دیا۔ اس میں ایسے فرقہ بن کر ابھرے جس کے معتقد، سو، پچاس بے گناہوں کو روز آنہ موت کے گھاٹ اتار کر، خیام میں بیٹھی اچھوتی آہو چشم حوروں کو اپنا منتظر پاتے ہیں۔

امتیاز اسلام کی نظر میں

کوئی بھی شرف وجلال تقویٰ سے بڑھ کے نہیں۔ امام علیؑ

جو کوئی لوگوں میں احترام وافتخار کا خواہاں ہو، اسے اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ رسول خداؐ

جب متقی انسان پر بزرگیٔ رب العالمین واضح ہو جاتی ہے، اس کے دل میں اس کے جلال کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے حضور میں اسے اپنی قدر و مائے گی مائے گی قیمت اور کم اور بے ثباتی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی خود ساختہ عاری از خواست خدا، امتیازی کیفیت سے، بیداری کی بناء پر، حقیر پر نفرت؛ اقتدار، بزرگی، خاندانی جاہ وجلال و درجہ ورتبہ کی تمنا اور تکلیف دہ ظلم سے کنارہ کش ہو جاتا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ جہان کو آفریں کرنے والے اللہ کے سامنے، جس کا کوئی برابر نہیں، فروتنی وانکساری، بخود ایک ذریعہ ہے انسانی بزرگی، جاہ ومرتبہ کا۔

اللہ سے قربت کی بناء پر (جو دنیا کیلئے سرچشمہ ومنبع ہے) جو منزلت اور برتری حاصل ہوتی ہے، ہر معاملے اور زندگی کے ہر لحہ ومرحلہ ومنزل پر بغیر جدائی کے متقی کے ہمراہ رہتی ہے۔ اس کے لئے بھی چشمِ بینا درکار ہے، کہ غفلت نے، جس کی حاکمیت عام ہے اگر تھپکی دے کر بے ہوش رکھا ہے، تو اللہ رسول کی طرف سے انتباہ بھی کیا کریگی۔ مگر جب اللہ کی بزرگی کی طرف متوجہ رہے، تو اللہ و دیندار کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔

نورِ تقویٰ اور روح کی پاکی وصفا اتنی تاباں و پرکشش ہوتی ہے کہ، دوسرے بھی اس کا احساس

کر لیتے ہیں کہ ایسی شخصیت کی روح میں کچھ ایسی محکم اور تحمل کرنے کی قدرت موجود ہے جو غیر متقی کو حاصل نہیں ہوتی، کہ جس پر معمولی شہ یا اکساہٹ دے کر غالبہ پایا جاسکے، یا اسے بہکایا جا سکے۔

دیندار میں، تقویٰ اختیار کرنے کی بناء پر جو قوت محرّکہ پیدا ہو جاتی ہے، زندگی کی حقیقتوں سے اسے آگاہ رکھتی ہے۔ چونکہ اس کی عقل و روح اسلام کی سچائیوں میں رچی بسی ہوتی ہے، اور وہ ہر شئے کو اسلام کے سانچے میں رکھ کر پرکھتا رہتا ہے، وہ بے پایاں تفریحات دنیوی، آرام و آسائش کی اشیاء میں ڈوب جانے کی، اپنے اندر خواہش نہیں پاتا۔ اس ک لئے آسمان سے باتیں کرتے محلات، زر و جواہر کشش نہیں رکھتے۔ فطرت میں بکھری ہوئی گلکاریاں و رنگینیاں، خواہ وہ صحرا یا سنگلاخ پہاڑ یا ہی کیوں نہ ہوں، اس کے لئے تفریح گاہیں بن جاتی ہیں۔ قرآن و فرمودات اہلبیت اور ان کی حیات مقدسہ کا مطالعہ، اور ان پر عمل پیرا ہونا، اس کے لئے چین و سکون کا باعث بنا رہتا ہے۔

اللہ کی بڑائی کے مد نظر، دین سے ہٹ کر دنیوی ترجیحات خواہ وہ کتنی ہی اہمیت رکھتی ہوں دیندار کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں دلیری کے ساتھ انہیں رد کر دیتا ہے۔ قرآن:۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

خبردار ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو زندگانی دنیا کی رونق سے مالا مال کر دیا ہے، اس کی طرف آپ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ یہ ان کی آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اور آپکے پروردگار کا رزق، اس سے کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ (طہٰ ۲۰/۱۳۱)

اسلام دیندار کے معاملات بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کہ قرآن میں، اس کی منزلت، اللہ اور رسول کے ساتھ درج کی گئی ہے۔ قرآن:۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

حالانکہ ساری عزّت، اللہ رسول و صاحبانِ ایمان کے لئے ہے۔ منافقون ۶۳/۸

امام سجادؑ صحیفۂ کاملہ میں دعائے مکارم الاخلاق میں فرماتے ہیں:۔

''بار الہا! محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے عزت و توقیر دے، کبر سے دو چار نہ ہونے دے، میرے نفس کو بندگی و عبدیت کے لئے رام کر اور خود پسندی سے میری عبادت کو فاسد نہ ہونے دے۔ میرے ہاتھوں لوگوں کو فیض پہنچا اور اسے احسان جتانے سے رائگاں نہ ہونے دے۔ مجھے بلند پایہ اخلاق مرحمت فرما اور غرور و تفاخر سے محفوظ رکھ۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگوں میں میرا درجہ جتنا بلند کرے اتنا ہی مجھے خود اپنی نگاہوں میں پست کر دے اور جتنی ظاہری عزت دے اتنا ہی میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس پیدا کر دے۔''

اتنا کچھ سمجھ لینے کے بعد، حقیقت ہائے زندگانیٔ دنیا ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ اس، ذہن میں نہ سمانے والی دنیا کے سامنے، انسان کا ناچیز ہونے کا، اپنا وجود، خود اسے کسر نفسی کی طرف راغب کر دیتا ہے۔ امام سجادؑ کی دعا، راغب بہ عبدیت الٰہی کر دیتی ہے۔ تمکنت، اکڑ و غرور کا پتہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ انسانوں کے درمیان خواہشِ امتیاز و افتخار، بے معنیٰ بن جاتا ہے۔

اسلام کی نظر میں امتیاز کی بناء فقط تقویٰ ہے جو، حصولِ خوشنودیٔ خدا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جو، تمسک بہ قرآن اور محمدؐ و آلِ محمد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾

غلطی کرتے ہو، تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔ (قیامت ۷۵/۲۰)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

فرعون نے سرکشی کر رکھی ہے اور وہ اسراف و زیادتی کرنے والا ہے۔ (یونس ۱۰/ ۸۳)

رسولؐ خدا نے فرمایا:۔ مال و مقام سے عشق، دماغ میں نفاق پیدا کر رکھا ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں:۔

لوگ اس بناء پر کہ ہوائے نفس وستائش کی پیروی کرتے ہیں، ہلاکت کو دعوت دیتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

بزرگی جتانے سے ہر حالت میں گریز کرو

جیسا کہ ہم نے اندازہ لگایا، کہ امتیازی حیثیت کی خواہش متعدد وجوہات کی بناء پر وجود میں آتی ہے، اس کا سادہ سا حل صبر میں مضمر ہے۔قرآن صبر وصلاۃ کی تاکید کرتا ہے۔ یہاں صلاۃ کے حقیقی معنیٰ؛ پیرویٔ احکامِ الٰہی ہے۔ یہ احکام پورے قرآن اور احادیث کو محیط کئے ہوئے۔ جب انسان متّقی بن کر ابھرتا ہے، افراد کے درمیان ممتاز بن کر رہنے کی خواہش اپنی گرفت چھوڑ بیٹھتی ہے۔

قرآن واحادیث کی تاکید:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ

پیغمبر! آپ بھی انہیں اولوالعزم پیغمبروں کی طرح جنہوں نے صبر کیا جو دنیا سے جا چکے ہیں، صبر کریں (احقاف ۴۶/ ۳۵)

سَلٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

کہیں گے، کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا اور اب آخرت کا گھر تمہاری بہترین منزل ہے۔(رعد ۱۳/ ۲۴)

پیغامبر گرامی قدرؐ نے فرمایا:۔

بہترین خزانوں میں سے یہ ہے کہ اپنے اعمال کو مخفیانا طور پر انجام دو، اور مصیبتوں پر صبر کرو۔ (عیون الاخبار، ج ۲، صفحہ ۳۸)

امام صادقؑ فرماتے ہیں:۔

صبر ونیکوکاری، بردباری، خوش خلقی؛ صفاتِ پیغمبران میں سے ہے۔خصال، جلد ۱ صفحہ ۲۵۱

جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا:۔

مسلمان کو تین چیزیں کامل بنا دیتی ہیں: تفقہ در دین، اخراجات پر کنٹرول اور سختیوں میں

صبر۔(تفسیر نورالثقلین، ج ۲ر صفحہ ۲۸۵)

ذلّت وخواری سے اجتناب

اسلام، دیندارر کوخوار حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا۔اس سلسلہ میں تاکید کرتی ہوئی اہلبیت اطہار سے منسوب احادیث کی بہتات ہے۔

رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

حاجات کو پورا کرنے کے لئے وافر دولت لازم نہیں۔ بلکہ، یہ باطنی فراوانی میں مضمر ہے۔

آزادی کے پرچم بردار؛ حسینؑ سے دریافت کیا گیا، احترام وآبروئے انسان کس میں ہے۔فرمایا:۔

'دوسروں پر بھروسہ نہ کرنے میں'

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:۔

'کس قدر بھیانک ہے یہ بات کہ دین دار، اس پر تکیہ کرے جو اسے ذلت میں ڈالدے'

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

ایک گھنٹے کی بےعزتی،، برسوں کے احترام وافتخار سے نہیں دھل سکتی'

امام سجادؑ فرماتے ہیں:۔

'میں اپنی عزّتِ نفس کے بدلے دنیا کی قیمتی ترین شے کو بھی قبول نہیں کروں گا'

مندرجہ بالا فرمودات کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔اپنی کاہلی کی بناء پر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا دینا کس قدر پست بات ہے کہ، خواہ حاجت پوری کرنے والا ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھے مگر یہ حرکت خود کو ذلیل کرنے سے کم نہیں ہے۔دیندار کے لئے خودداری نہایت اہم ہے۔ضرورت ہے کہ خود اعتمادی پیدا کی جائے۔قوّت جسمی وذہنی سے کام لے کر آبرومند زندگی بسر کی جائے۔اس امر میں علم و آگاہی کا بڑا درجہ ہے۔کوئی لمحہ حصول علم سے خالی نہیں رہنا چاہئے۔یہ انسانی درجات کو بلند کرتی رہتی ہے، وہ اپنے آپ کو سربلند پاتا ہے۔

مزید برآں؛ چیز جو انسان کی شان وقار پر سختی سے اثر انداز ہوتی ہے، وہ ارتکابِ جرم و معاصیت ہے، جس کی بناء قوانین کی مخالفت کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اس غیر شایستہ تحرّک کو جو آگے چل کر عادت میں داخل ہوجاتا ہے، انسان کو اس کا مریض بنا دیتا۔ چونکہ ضمیر انسانی گناہ کو برداشت نہیں کر پاتا احساس مجرمیت گنہگار کو مستقل تپاتا رہتا ہے۔ اس سے بلا تاخیر دوری اختیار کرنا نہایت اہم ہے، ورنہ یہ ذہنی فشار میں مبتلاء کر دیتا ہے۔ اسلام چونکہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ اس کے علاج کا مستقل بندوبست رکھتا ہے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے مطہر سفراء؛ گناہ کی بناء پر جو احساس ابتری لوگوں میں جڑ پکڑتی ہے، ہمیشہ، اللہ کے رحم کے دروازے کو، (قوانین اسلام کو پورا کرتے ہوئے)، گڑگڑا کر

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ معافی مانگنے کی بابت تلقین کرتے ہیں تاکہ انہیں روحانی و جسمانی ابتلا کی اذیت سے بچالیں۔ اس طرح، گناہوں کی بناء پر جو نقوش دل و دماغ پر ثبت ہوگئے ہوتے ہیں، ان سے اجتناب کی کوشش، حتی الامکان ان کی تلافی، ذہن کے پردے سے پاک کردے گی۔ قرآن:۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾

وہ لوگ وہ ہیں، جب کوئی گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ خدا کے علاوہ کون گناہوں کا معاف کرنے والا ہے۔ اپنے کئے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔ آلعمران ۳/۔ ۱۳۵

اعتراف گناہ اور گڑگڑا کر اللہ سے اس کی معافی مانگنا، انسان کی شرافت نفس پر گناہ کا جو کالا دھبہ آجاتا ہے، مٹا دیتا ہے، اور گم شدہ روح کے سکون کو بحال کر دیتا ہے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:۔

بخدا کوئی بھی گناہوں سے نجات حاصل نہ کر پائے گا، سوا اس کے جو اپنے جرم کا اعتراف کر لے۔

ایک بڑا اخلاقی مسئلہ جو عام ہے اس کا تذکرہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اپنی زندگی کی زبوں حالی کا لوگوں کے سامنے شکایت کرتے رہنا ہے۔ یہ طرز انسان کو اپنی قیمتی وقعت کے احساس سے دور کر کے اپنی نگاہوں میں گرا دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بے حسی کے حوالے کر دیتا ہے۔

جناب امیر المومنین فرماتے ہیں:۔

اپنی مشکلات اور سختیوں کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرنا، حقیقت میں جان بوجھ کر اپنی خواری کا اظہار کرنا ہے۔

دوراندیشی

کسی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کے نتائج پر ضرور غور کر لینا چاہئے۔ اس میں جو بات اہم ہے، یہ ہے کہ اپنے احترام و عزت نفس پر ضرور نگاہ رکھی جائے۔

ایک سوال کے جواب میں رسول خداؐ نے ہدایت فرمایا:۔

جب کسی کام کا انجام دینا طے کرو، اس کے نتائج پر پہلے سے خوب غور و فکر کر لو۔ اگر اس کی آخیر درست و محکم نظر آتی ہے، اسے اس کے انجام تک پہنچاؤ۔ اگر نتیجہ کج خوردہ اور خرابی کا مالک نظر آئے۔ اسے اختیار کرنے سے گریز کرو۔

حقیقی، انسانی آزادی

انسان پر لازم ہے کہ اپنی استعداد کو مثبت، قوت اور کوشش کے ذریعہ بروئے کار لائے، تا کہ وہ متعدد قسم کے با مقصد افکار کا مالک بن کر زمانے میں ابھرے۔ اگر وہ پست مقاصد کا حامل رہا تو دین سے ملحق اصل پاکیزہ اہلیت ہاتھ میں نہیں آپائے گی۔ غیر مناسب مقصد یا گول چونکہ اصل و سچے دھارے سے ہٹا ہوتا ہے، اس کا انتخاب و پیروی، انسان میں موجود ذخیرۂ توانائی کو، جو معاد کی طرف مسافرت میں معاونت کرتا ہے، ضعیف بنا دیتا ہے۔ اور ترقّی کی راہ میں دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسی روش روح کو جمود کے نذر کر کے زوال کی طرف ڈھکیل دیتی ہے۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن

،ایسے نقطے پر جا پہنچتا ہے، جو اسے بے مصرف اور تباہ کن گول کی طرف قدم بڑھانے سے روک نہیں پاتا۔

ترقّی یافتہ نفس، وہ ہوتا ہے جس سے انسانیت استفادہ کر سکے۔انسانیت ایک ایسی صفت ہے جو آزادی پسند ہے۔ جو اصل آزادی کا مالک ہوتا ہے، نہ ہی وہ اپنی شخصیت کو گراتا ہے اور نہ اس کی آب تاب کو بے رونقی کے حوالے کرتا ہے۔آزادی کو پر لگا کر کمالِ عروج کی اڑان پر ڈال دیتا ہے۔مڑ کر نہیں دیکھتا۔

خواہشات اس کی ایسی نہیں ہوتیں کہ جدھر چاہیں اس کا رخ موڑ دیں۔انہیں وہ اپنے قابو میں رکھتا ہے، اور وہ اپنے دیگر فرائض کے ساتھ اصلی فرض میں کسی صورت بھی کوتاہی کو جگہ نہیں دیتا۔وہ خالص روح، عظیم ارادہ اور بلند و بالا مقام مقاصد کا اہل ہوتا ہے۔

جناب امیرؑ نے آزاد منش کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’انسان کی قدر و قیمت، اس کے قصد و ارادے کے تناسب سے ہے‘العمیدی، غرّ رالحکم، صفحہ ۵۳۶

اسی سلسلے میں؛ یعنی انسانی قصد اور اس کی استطاعت کا توازن کرتے ہوئے بتایا:۔

جو اپنی حدود یا وسعت سے تجاوز کرتی ہوئی خواہشات کی تمنّا رکھتا ہے، جس کا وہ حق نہیں رکھتا، اسے مایوسی و نا امیدی ہوتی ہے۔ال عمیدی صفحہ ۶۶۲ ـ/ ۶۶۵ -------------

بسمہ سبحانہ

۹۔ دعا

تم اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور خاموشی کے ساتھ پکارو کہ وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

خبردار زمین میں اصلاح کے بعد فساد پیدا نہ کرنا اور خدا سے ڈرتے ڈرتے اور امیدوار بن کر دعا کرو کہ اس کی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے۔ (اعراف ۷/ ۵۵۔۵۶)

عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا مانگنے سے کیا مراد ہے، سابقہ مضامین میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔ قدرت کی بڑی فراخ دلی ہے، کہ اس نے جو کچھ بھی خلق کیا ہے، اسے قدر رنظم عطا کر دیا ہے۔ عاجزی کے پس منظر میں، دعا کی استجابت میں جو نظم کا دائرہ کار ہے، وہ دماغ (جو انسان کے حرکات کا مدبر عامل ہے) سے متعلق ہے۔ وہ انسانی خواہشات کو ایک صف میں کھڑا کرتا جاتا ہے۔ اوّلیت نہیں دیتا ہے جس کی وقت کے لحاظ سے اہمیت زیادہ ہو۔ وقت اور اہمیت کا تعیّن خواہشات کے حامل شخص کے ابھرے ہوئے جذبات سے ہوتا ہے۔ گڑگڑا کے یا عاجزی سے اللہ سے مانگتے ہی: نمل ۲۷/ ۶۲، دماغ جو اعصاب کا کنٹرولر ہے فرد کو متحرک کر دیتا ہے۔ اس دعا سے مربوط کام کو انجام دے کر تکمیل کو پہنچا دیتا ہے۔ ذہنی شعاعیں بھی اس میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

حضرت یونسؑ کی دعا سے عذاب آیا اور پورے قریہ کی، با جماعت مضطرب ذہنوں کی صداؤں کی شعاؤں نے اس عذاب کو خنثہ کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا آتش نمرود میں پھینکا جانا اور اس کا

بجھ جانا، دریائے احمر میں حضرت موسیٰؑ کی جماعت کے لئے راہ بن جانا۔۔۔۔جادوگروں کے مسمریزم کے ذریعہ پیش کردہ سانپوں کا تحلیل ہوجانا، شق القمر، سورج کا پلٹ آنا وغیرہ، قوانین الٰہی کے تحت، بلند وبالا جذبات سے پیدا شدہ دماغی شعاؤں کا کرشمہ تھیں۔چونکہ یہ ایک پنہاں قوت کی مالک توانائی ہے ،عوام اس کو یقین نہیں کر پاتے، اسی لئے یہ باتیں لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔دھیرے دھیرے، (بہت ہی کم تعداد میں) لوگوں کی سمجھ میں آنا شروع ہوئی ہے۔

ظالم حاکموں، بادشاہوں، آمروں، ڈکٹیٹروں کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آہوں بھری باجماعت احتجاج انہیں اکھاڑ کر پھینکتی چلی جارہی ہے۔ہپنٹزم، ٹیلی پیتھی وغیرہ اسی کے مرہون منت ہیں۔

دعا کے استجابت کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دعا کرنے والا اپنی احتیاج کی بر آوری کے سلسلے میں قدم اٹھائے یا میدان میں دقیق منصوبہ بندی کر کے کود پڑے اور انتھک کوشش کے ساتھ کام مشروع کردے۔اللہ کی طرف ابھرے ہوئے جذبات کے ساتھ رجوع ہوکر کامیابی کی دعا مانگتا رہے۔

آیئے گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگیں:۔

بارالہٰ!

o تیری ذات! دنیا میں جو کچھ بھی ہورہا ہے باخبر ہے۔تو ہی ہمارا ملجاو ماوا ہے۔اپنا دکھڑا سنائیں بھی تو کس کو سنائیں۔تیرے علاوہ کون ہے جو ہماری دہائی سنے گا؟

o مالک میرے تونے تو ہمارے لئے ہر قسم کی آسانیاں مہیہ کردی ہیں۔مستقل طور پر سچّی ہدایات کا بندوبست کر دیا۔خود ہم ہی نے بے اعتنائی کی اور تیری ہدایات سے منحرف رہے۔دوسروں کے کج خردہ اخلاق کے پھیر میں آکر، جو اخلاق تو نے عطا کیا تھا، چھوڑ، ان کی راہ کو اختیار کرلیا، جس نے ہمیں، بیراہ کردیا ہے۔ہم تیری عطا کردہ، دل کو راحت پہنچانے والی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے بے راہ روی میں بتلاء دیکھ رہے ہیں، مگر انہیں اس گرفتاری سے باہر لانے میں ناکام ہیں، مدد فرما۔

- ہر سمت سے غفلت نے مسلمانوں پر سکّہ جمار کھا ہے، اس سے نجات دلا دے۔
- بیدار کر کے ان میں جذبہ خود اعتمادی پیدا کر دے
- مسلمانوں نے پرچم برداریٔ عدالت اسلامی چھوڑ دی ہے، انہیں اسلام آشنا بنا دے۔
- مسلمان کی جان بے مقصد رسم ورواج سے چھڑا دے، علم کی دولت سے بہرمند فرما۔
- نئے افکار کی جستجو، تحقیق واختراع میں انہیں پیشروی کی توفیق عطا فرما۔
- قیاس آرائی وخود فریبی سے بچالے۔ حقیقت کی پہچان پیدا کر دے۔
- پالنے والے! اصل اسلام کو اغوا کر کے لوگوں کی آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ اس کی تلاش کی جستجو عطا فرما۔
- افکار اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرما۔ دور اندیشی عادت میں شامل کر دے۔
- اقام صلاۃ: جو پوری انسانیت کو اعلیٰ علوم سے مزیّن کر کے پرواز بہ لا متناہی ترقّی پر رواں رکھنے کیلئے تیری عطا ہے، غفلت سے دور رکھ کر، ترقّی کی راہ پر گامزن ہونے میں معاونت کرتی، ہم اس کے کلمات کو بغیر سمجھے بوجھے ان کے مقاصد سے کنارہ کش ہو کر، تلاوت کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ بجائے عمل کے ذریعہ اخلاق کو درست رکھ کر انسانیت کی خدمت کرنے کے، اس سے عداوت، کشت وخون سے پیش آ رہے ہے توفیق عطا فرما کہ کلمات میں مضمر مقاصد اپنے ذہن کا مرکز بنا کر قیام صلاۃ کا حق ادا کریں اور فلاح پائیں۔
- چونکہ زبان عربی پر ہم وارد نہیں ہیں، تلاوتِ قرآن کرتے رہتے ہیں مگر اس کی سودمندی سے بے بہرہ ہیں۔ اپنے آپ کو فریب دئے چلے جا رہے ہیں۔ مگر اس کا احساس بھی نہیں۔ تیرے دین کی پابندی نہیں کر پا رہے ہیں۔
- عربی کو پوری ملّتِ اسلامیہ کی زبان بنا دے، تا کہ تیرے دین سے استفاد کیا جا سکے اور ہر طرف صلح وآشتی کا بول بالا ہو۔
- اقتصاد اسلامی کو مسلمانوں میں جاری کر کے، فاقد از عدالت نظام سے نجات دلوا دے

- مسلمان، دنیا کی ترقّی میں سب سے پیچھے رہ گیا ہے، پیش رفت میں اس کی مدد فرما۔ اسے سخت ترین حالات سے گذر کر اس پر قابو پا لینے کی سوچ وسمجھ سے مزیّن کردے۔
- مسلمانوں کو سر براہیٔ جہان عطا فرما، تا کہ انسانیت کو حق تلفی سے بچا یا ج اس کے۔
- علماء کو اسلام شناس بنا۔ انہیں مسلمانوں کو حصول علم و نظام اقتصادِ اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت دینے کی توفیق فرما۔ انہیں خود اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی اقتصاد کو حل کرنے کی سعادت عطا فرما، تا کہ وہ مناظرانہ تقاریر سے جو کشت وخون کا باعث بنتی ہیں باز رہیں۔ انہیں توفیق عطا فرما کہ وہ منبر سے امر بامعروف و نہی از منکر کی تفسیر بیان کیا کریں تا کہ لوگوں کا اخلاق وابستہ با اسلام رہے، اور اخلاق دینی تقاضوں پر استوار رہے۔
- دینی تعلیم دینے والے مدرسوں کو وقت کے تقاضوں کے مدنظر دروس دینے کی توفیق عطا فرما۔
- مرجعیت کو اصلاحِ مسلمین و معاشرہ کے لئے فعال بنادے۔
- جدید تقاضوں کو اسلام کی کسوٹی پر کس کر کے سفینہ حیات کی نا خدائی کی توفیق عطا فرما۔
- مسلمانوں کو سازش کاروں کے خفیہ منصوبوں سے محفوظ رکھ۔
- بیراہ کر دینے والے ملاؤں کے شر سے بچا۔ جو اللہ و رسول کی ہدایات سے منحرف کر کے مسلمانوں کو ترقّی کی راہوں سے دور کر دینے والے دھوکے باز عناصر ہیں۔ تعصب میں ڈال کر انہیں آپس میں لڑواتے ہیں۔
- کھلے ذہن کا مالک، موجودہ دور کا نوجوان، تفرقہ انگیز، گھسی پٹی، منبر سے بے سود باتیں سن سن اسے غیر مرغوب پا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بیزار ہو کر دوری اختیار کر لے؛ اہل منبر کو توفیقِ سعید عطا فرما۔
- والدین کو توفیق عطا فرما کہ ماں باپ بننے سے پہلے تربیت پر مبنی کورس پورا کر کے اپنی اصلاح کر لیں، تا کہ حق شناس معاشرہ وجود میں آسکے
- ملّت مسلمہ کو، تعلیماتِ قرآن و اہلبیتؑ سے مزیّن کر دے۔ انہیں خود شناش وخوش

ہیں، مفکّر بنا کر، جہانی ترقّی کی سربراہی عطا کردے۔

- مسلمانوں کو علم اخلاق، علومِ جہاں بانی، تحقیقات، اختراع وایجادات کی طرف راغب کر دے، تاکہ وہ اپنے آپ کو بدحالی سے بچا کر انسانیت کے فروغ کا آلہ کار بنیں۔
- بیشتر مسلمان؛ ناچ گانے پر روزآنہ چار پانچ گھنٹے ضائع کرتے ہیں؛ ترقّی کی راہوں سے دور ہوتے جارہے ہیں، انہیں اس نامعقول عادت سے اجتناب کی توفیق عطا فرما۔
- ہمارے نوجوانوں کو علم اور تقویٰ کے اعلیٰ مدارج طے کر کے، تحقیق واختراع کی رغبت عطا فرما۔
- انہیں خودفریب رسموں کی دلدادگی سے بچا کر حقیقت پسندی کی توفیق عطا فرما۔
- علماء میں لیڈرشپ//رہبری کی سخت کمی ہے۔ متولّیان مدرسہ کو توفیق عطا فرما کہ وہ فقط، ہونہار بچوں کو داخلہ دیں جن میں سربراہی کی صلاحیت موجود ہو۔
- درسگاہوں کے اساتذہ کو فقط معقول ومدلل دروس دینے کی سعادت عطا فرما۔
- علماء عوام کو اخلاق اسلامی کا درس نہیں دیتے۔ جبکہ اسلام مکارمِ اخلاق کیلئے ہے۔ ان کی مدد فرما۔
- قرآن کی ہدایات کے برعکس علما و ذاکرین، منبر سے تفرقہ انداز تقاریر کر کے عوام کے جذبات ابھارتے ہیں، جو کشت خون پر نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔ جانیں تلف ہوتی ہیں۔ ان کو اس حرام کام سے بعض رکھ۔
- عربی زبان کو، سارے مسلمانوں کی زبان بنادے۔
- قرآن کو بقصد عمل تلاوت کی توفیق عنایت فرما۔
- محمدؐ وآل محمدؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔